

لَهُمْ لَا يُنْهَا نُسُكٌ وَلَا مُنْعِلٌ
لَهُمْ لَا يُنْهَا نُسُكٌ وَلَا مُنْعِلٌ
کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کا کام میں بیمار کو بے اور
اللہ نے اس کے علم کے باوجود اسے گراہی میں ڈال دیا۔ (ابا ذر ۲۳)

غادر کی ندوب کیا ہے؟

جادید احمد غامدی کے گمراہ کن عقائد و نظریات کا علمی جائزہ

پروفیسر مولانا محمد رفیق

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهًا هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ

عامدی مذہب کیا ہے؟

تصنیف

پروفیسر مولانا محمد رفیق

مکتبہ قرآنیت الامور



وَمَا أَتَكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهِيْكُمْ عَنْهُ فَإِنْ تَهْوَى

[الحشر: 7:59]

”رسول جو کچھ تمہیں دے، لے لو اور جس چیز سے
روکے اُس سے روک جاؤ۔“





وَمَنْ يُشَارِقُ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدُى
وَيَتَبَعُ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُولَهُ مَا تَوَلَّ^{۱۶} وَنُصْلِهُ جَهَنَّمُ
وَسَاءُتْ مَصِيرًا [النساء: 4: 115]

”اور جو شخص رسولؐ کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے پر چلے گا حالاں کہ اس پر صحیح راستہ واضح ہو چکا ہو تو اسے اُسی طرف پھیر دیں گے جدھروہ خود پھر گیا اور پھر اسے جہنم میں داخل کر دیں گے جو بہت بُرا المکانا ہے۔“



فہرست مضمون

◎ مقدمہ

پہلا باب:

قرآنیات

11	کیا قرآن کی صرف ایک ہی قراءت صحیح ہے؟	1
19	کیا قرآن کی صرف ایک ہی قراءت درست ہے؟	-
20	کیا ایک کے سواباتی تمام قراءتیں جنم کا نقشہ ہیں؟	-
24	کیا امت مسلمہ کی عظیم اکثریت جس قراءت کے مطابق	-
26	قرآن کی تلاوت کر رہی یہ صرف وہی قرآن ہے؟	-
26	کیا قرآن کامتن ایک قراءت کے سوا کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا؟	-
31	کیا قرآن میزان ہے؟	2
36	کیا سورہ النصر کی سورہ ہے؟	3
43	قرآن کی معنوی تحریف کے نادر نمونے	4
43	◎ پوری آیت نہ لکھنا	
45	◎ مذہبی تفسیر بالائے	
47	◎ احادیث صحیحہ کا انکار	
47	◎ اجماع امت کا انکار	
48	◎ اسلامی شریعت کا انکار	
48	◎ تحریف قرآن کی چند دیگر مثالیں	

51 سورہ انفیل کی غلط تاویل	-5
54 ① صحابہ کرام کی تفسیر	
56 ② قرآن کا اسلوب بیان	
56 ③ تفسیر القرآن بالقرآن	
59 ④ آرسَلَ عَلَيْهِمْ کے معنی	
60 ⑤ تَرْمِيْهِمْ کا مفہوم	
61 ⑥ بِعِجَارَةٍ مِّنْ سِجِيلٍ کے معنی	
62 ⑦ حاصل یعنی سخت آندھی	
63 ⑧ نصرتِ الہی کا قانون	
65 ⑨ تاریخ و کلامِ عرب کی شہادت	
66 ⑩ اجماعِ امت کے خلاف	
68 ۱۰ غُثاءً أَخْوَى کا ترجمہ و تفسیر	-6
69 ۱۱ ① عربی لغت کے دلائل	
71 ۱۲ ② عربی تفاسیر کے حوالے سے	
75 ۱۳ ③ قرآن مجید کے نظائر	
77 ۱۴ ④ حدیث سے دلیل	
78 ۱۵ ⑤ اردو تراجم	
80 ۱۶ ۱۶ کیا کوئی رسول کبھی قتل نہیں ہوا؟	-7
81 ۱۷ ۱۷ قرآن مجید کے نصوص	

حدیث و سنت

84	شادی شدہ زانی کے لیے سزاۓ رجم کا انکار	- 1
85	⊗ جرم زنا کی شناخت	
87	⊗ زنا مجموعہ جرائم ہے	
89	⊗ شادی شدہ آدمی کا جرم زنا	
91	⊗ قرآن میں جرم زنا کی سزا	
94	⊗ "محضنات" کا مفہوم	
99	⊗ محضنات کے مفہوم کے بارے میں مفسرین کرام کی آراء	
102	⊗ آیت جلد کا حکم	
104	⊗ آیت جلد اور مفسرین کرام	
112	⊗ قرآن حکیم اور قتل نفس	
113	⊗ الْأَيْمَنُ حَقٌّ كی وضاحت	
122	⊗ سنت اور سزاۓ رجم	
129	⊗ فقہائے اسلام اور حد رجم	
135	⊗ حد رجم کا اثبات	
140	مرتد کی سزاۓ قتل کا انکار	- 2
140	⊗ صحیح احادیث	
144	⊗ مرتد کی سزا کے عقلی دلائل	
149	⊗ مرتد کی سزا کے بارے میں غامدی صاحب کے موقف کا جائزہ	
151	⊗ کیا حدیث مذکورہ کا حکم عام نہیں؟	
152	⊗ کیا مرتد کی سزا کا مبنی اور بنیاد صرف ایک ہی حدیث ہے؟	

153	◎ مذکورہ حدیث کا قرآن سے ربط
155	◎ کیا مرتد کے لیے قتل اسلامی سزا نہیں؟
157	1-3 دیت (Blood Money)
157	◎ قرآن اور مسئلہ دیت
163	◎ حدیث اور مسئلہ دیت
169	◎ آثار صحابہؓ اور اجماع صحابہؓ
170	◎ اجماع امت
171	◎ حاصل بحث
172	4- پردے کے بارے میں مغالطہ انگلیزیاں
172	◎ قرآن مجید میں پردے کے احکام
181	◎ پردے کے بارے میں غامدی صاحب کے موقف پر تبصرہ

تیرا باب:

فقہیات

185	1- کفار کے خلاف جہاد و قتال کا انکار
186	◎ اسلام اور جہاد و قتال
187	◎ قرآن اور جہاد و قتال
195	◎ احادیث اور جہاد و قتال
206	◎ دفاعی اور جارحانہ جہاد
208	◎ شہید کے فضائل
208	◎ قرآن اور شہید

213 ④ احادیث اور شہید

چوتھا باب:

فکری تضادات

224	سنن کی تعداد میں تضاد	-1
231	حدیث پر غور کرنے میں تضاد	-2
235	کیا امام زہری جانشہ غیر ثقہ راوی ہیں؟	-3
237	قرآن و سنت کے مقدم و مؤخر ہونے میں تضاد	-4
238	فرض اور سنت کی اصطلاح کا تضاد	-5
240	کبھی صرف قرآن میزان ہے تو کبھی سنت بھی میزان	-6
241	قرآنی الفاظ کے صرف معروف معنی لینے میں تضاد	-7
244	مکنیف کے مسئلے میں تضاد	-8

پانچواں باب:

متفرقہات

247	متفقہ اسلامی عقائد و اعمال سے تقابل	-1
253	④ غامدی صاحب کی تحریروں کے حوالہ جات	
263	④ غامدی صاحب کے چند مزید عقائد و نظریات	

ضمیر:

غامدیات (غامدی صاحب کا منظوم تعارف)

267	غامدی نامہ	-1
-----------	------------------	----

269	غزل	-2
270	تفسین بـ شـرـاقـالـ	-3
271	صاحب اشراق کے اسرار و رموز	-4



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مقدمہ

اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں جنم لینے والے بعض فتنوں مثلاً خوارج، معتزلہ، باطنیہ، بہائیہ، باہیہ، قادریانیت، تجد دین اور منکرین حدیث کی طرح ہمارے ہاں حال ہی میں ایک نئے فتنے نے سراخایا ہے جو اگرچہ تجد دین کی کوکھ سے برآمد ہوا ہے مگر اس نے اسلام کے متوازی ایک مذهب کی شکل اختیار کر لی ہے اور اس فتنے کا نام ہے: ”غامدیت!“ ”غامدیت“ کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یہ پورے دین اسلام کو بگاؤنے اور اس میں فساد برپا کرنے کا دوسرا نام ہے اور اسلام کے متوازی ایک نیا مذهب ہے۔

چونکہ یہ فتنہ جناب جاوید احمد غامدی صاحب (بی اے آر ز) کا پیدا کروہ ہے اس لیے غامدیت کہلاتا ہے۔ موصوف اُنی کے اسکالر، ماہنامہ اشراق کے مدیر، ”المورد“ کے منتظم اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر ہیں۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ بر صغیر (جنوبی ایشیا) میں جو حضرات بعض مذہبی فتنوں کے علم بردار ہوئے ہیں ان سب کے ناموں میں ”احمد“ کے نام کا اشتراک پایا جاتا ہے سر سید احمد خان، مرتضی غلام احمد قادریانی، مولوی احمد دین، غلام احمد پروین اور اب جاوید احمد غامدی ان سب میں ”احمد“ کا نام مشترک (Common) ہے۔

غامدی صاحب کے ہاں پوری امت میں سے صرف دو ہی ”علماء“ ان کے مددوچ ہیں۔ جن کو وہ ”آسان“ کا درجہ دیتے ہیں۔ باقی تمام علمائے امت کو وہ ”خاک“ قرار دیتے ہیں۔

چنانچہ وہ اپنی کتاب مقامات میں لکھتے ہیں کہ:

”میں نے بھی بہت عالم دیکھے، بہتوں کو پڑھا اور بہتوں کو سننا، لیکن امیں احسن اور ان کے استاد حمید الدین فراہمی کا معاملہ وہی ہے کہ:

غالب نکتہ وال سے کیا نسبت
خاک کو آسمان سے کیا نسبت

(مقامات، صفحہ 57,58، طبع دسمبر 2001ء)

اب ذرا غامدی صاحب کے عقائد و نظریات کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

- 1۔ قرآن کی صرف ایک ہی قراءت درست ہے، باقی سب قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں۔

(میزان، صفحہ 25,26,32، طبع دوم، اپریل 2002ء)

- 2۔ سنت قرآن سے مقدم ہے۔

(میزان، صفحہ 52، طبع دوم، اپریل 2002ء)

- 3۔ سنت صرف افعال کا نام ہے۔ اس کی ابتداء حضرت محمد ﷺ سے نہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوتی ہے۔

(میزان، صفحہ 10,15,65، طبع دوم، اپریل 2002ء)

- 4۔ سنت صرف ستائیں (۲۷) اعمال کا نام ہے۔

(میزان، صفحہ 10، طبع دوم، اپریل 2002ء)

- 5۔ ثبوت کے اعتبار سے سنت اور قرآن میں کوئی فرق نہیں، ان دونوں کا ثبوت اجماع اور تمنی تو اتر سے ہوتا ہے۔

(میزان، صفحہ 10، طبع دوم، اپریل 2002ء)

- 6۔ حدیث سے کوئی اسلامی عقیدہ یا عمل ثابت نہیں ہوتا۔

(میزان، صفحہ 64، طبع دوم، اپریل 2002ء)

- 7۔ دین کے مصادر و مأخذ قرآن کے علاوہ دین فطرت کے حقائق، سنت ابراہیمی اور قدیم صحائف ہیں۔

(میزان، صفحہ 48، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(یاد رہے کہ اسلام میں قرآن، سنت، اجماع اور قیاس مأخذ شریعت ہیں۔)

8۔ دین میں معروف اور مسکر کا تعین فطرت انسانی کرتی ہے۔

(میران، صفحہ 49، طبع دوم، اپریل 2002ء)

9۔ نبی ﷺ کی رحلت کے بعد کسی شخص کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

(ماہنامہ اشراق، دسمبر 2000ء، صفحہ 54)

اس کا مطلب یہ ہے کہ قادیانی غیر مسلم نہیں ہیں۔

10۔ زکوٰۃ کا نصاب منصوص اور مقرر نہیں ہے۔

(قانون عبادات، صفحہ 119، طبع اپریل 2005ء)

11۔ اسلام میں موت کی سزا صرف دو جرائم (قتل نفس اور فساد فی الارض) پر دی جاسکتی ہے۔

(برہان، صفحہ 143، طبع چہارم، جون 2006ء)

(میران، صفحہ 283، طبع دوم، اپریل 2002ء)

12۔ دیت کا قانون وقّتی اور عارضی تھا۔

(برہان، صفحہ 18، 19، طبع چہارم، جون 2006ء)

13۔ قتل خطا میں دیت کی مقدار منصوص نہیں ہے اور یہ ہر زمانے میں تبدیل کی جاسکتی ہے۔

(برہان، صفحہ 18، 19، طبع چہارم، جون 2006ء)

14۔ عورت اور مرد کی دیت (Blood Money) برابر ہو گی۔

(برہان، صفحہ 18، طبع چہارم، جون 2006ء)

15۔ مرد کے لیے قتل کی سزا نہیں ہے۔

(برہان، صفحہ 140، طبع چہارم، جون 2006ء)

16۔ شادی شدہ اور کنورے زانی دونوں کے لیے ایک ہی حد سوکوڑے ہے۔

(میران، صفحہ 299، 300، طبع دوم، اپریل 2002ء)

17۔ شراب نوشی پر کوئی شرعی سزا نہیں ہے۔

(برہان، صفحہ 138، طبع چہارم، جون 2006ء)

18۔ غیر مسلم بھی مسلمانوں کے وارث ہو سکتے ہیں۔

(میزان، صفحہ 171، طبع دوم، اپریل 2002ء)

19۔ سوڑ کی کھال اور چربی وغیرہ کی تجارت اور ان کا استعمال شریعت میں منوع نہیں ہے۔

(ماہنامہ اشراق، اکتوبر 1998ء، صفحہ 79)

(میزان، ص 320، طبع دوم اپریل 2002ء)

20۔ اگر میت کی اولاد میں صرف بیٹیاں وارث ہوں تو ان کو والدین یا بیوی (یا شوہر) کے حصوں سے بچے ہوئے ترکے کا دو تھائی حصہ ملے گا۔ ان کو کل ترکے کا دو تھائی 2/3 نہیں ملے گا۔

(میزان، حصہ اول، صفحہ 70، طبع مئی 1985ء)

(میزان، صفحہ 168، طبع دوم، اپریل 2002ء)

21۔ عورت کے لیے دو پسہ یا اوڑھنی پہننا شرعی حکم نہیں۔

(ماہنامہ اشراق، مئی 2002ء، صفحہ 47)

22۔ کھانے کی صرف چار چیزیں ہی حرام ہیں: خون، مردار، سوڑ کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبح۔

(میزان، صفحہ 311، طبع دوم، اپریل 2002ء)

23۔ بعض انبیاء قتل ہوئے ہیں مگر کوئی رسول کبھی قتل نہیں ہوا۔

(میزان، حصہ اول، صفحہ 21، طبع مئی 1985ء)

24۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے ہیں۔

(میزان، حصہ اول، صفحہ 22، 23، 24، طبع 1985ء)

25۔ یاجوج ما جوج اور دجال سے مراد مغربی اقوام ہیں۔

(ماہنامہ اشراق، جنوری 1996ء، صفحہ 61)

26۔ جانبداروں کی تصویریں بنانا بالکل جائز ہے۔

(ادارہ المورودی کتاب "تصویر کا مسئلہ" صفحہ 30)

27۔ موبیقی اور گانا بجانا بھی جائز ہے۔

(ماہنامہ اشراق، مارچ 2004ء، صفحہ 19، 8)

28۔ عورت مردوں کی امامت کر سکتی ہے۔

(ماہنامہ اشراق، مئی 2005ء، صفحہ 35 تا 46)

29۔ اسلام میں جہاد و قبال کا کوئی شرعی حکم نہیں۔

(میرزا، صفحہ 264، طبع دوم، اپریل 2002ء)

30۔ کفار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم اب باقی نہیں رہا اور مفتوح کافروں سے جزیہ لیتا جائز نہیں۔

(میرزا، صفحہ 270، طبع دوم، اپریل 2002ء)

اہل علم جانتے ہیں کہ مذکورہ بالاتمام عقائد و نظریات قرآن و سنت اور اجماع امت کے خلاف ہیں اور ان سے دین اسلام کے مسلمات کی نفعی ہوتی ہے۔

اب غامدی صاحب کے پارے میں بعض اہل علم کی آراء ذیل میں دی جاتی ہیں:

۱۔ محترم مولانا زاہد الرشیدی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ:

"کسی سنت کے ثبوت کے لیے غامدی صاحب کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ وہ صحابہ کرام اور ان کے بعد امت کے اجماع اور عملی تواتر سے ثابت ہو، اور جو سنت نبوی ﷺ یا حدیث رسول اجمع اور تواتر کے ذریعہ ہم تک نہیں پہنچی، وہ غامدی صاحب کے نزدیک ثابت شدہ سنت نہیں۔ لہذا اگر حدیث و سنت کے تعمین اور ثبوت کے لیے اس معیار کو قبول کر لیا جائے تو چودھری غلام احمد پروریز اور ان کے رفقا کی طرح حدیث و سنت کے نام سے روایات کا جو ذخیرہ امت کے پاس موجود ہے اور جس کی چھان پٹک کے لیے محدثین تیرہ سورس سے

صبر آزماء اور جان گسل علمی جدوجہد میں مصروف چلے آ رہے ہیں، اس کا کم و بیش نوے فیض حصہ خود خود سنت کے دائرے سے نکل کر کا عدم قرار پاتا ہے۔“

(ایک علمی و تکری مقالہ، صفحہ 37، اشاعت اول، فروری 2007ء، گجرانوالہ)

مولانا زاہد الرشیدی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

”غامدی صاحب نے جس انداز سے دین کی بنیادی اصطلاحات کی تشكیل نو کی ہے اور اصطلاحات کے الفاظ کو برقرار رکھتے ہوئے ان کے مفہوم و مصادق کے حوالے سے جو نیا تنا باتا بنا ہے، وہ اجتہاد اور تجدید کے قدیمی اور روایتی مفہوم کے بجائے تشكیل نو (Reconstruction) کے دائرے میں آتا ہے۔ ہمارا ان سے اصولی اختلاف بھی ہے اور ہم پورے شرح صدر اور دیانت داری کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ جہاں بھی دین کے پورے ذھانچے کی تشكیل نو کی بات ہوگی، دین کی بنیادی اصطلاحات کوئئے معانی پہنا کر اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی اور امت کے چودہ سو سالہ علمی ماضی کے خلاف بے اعتمادی کی فضا پیدا کر کے نئی نسل کو اس سے کامنے کی سوچ کار فرما ہوگی، وہاں ایسی کوششوں کا عملی نتیجہ گراہی کا ماحول پیدا کرنے کے مساوا کچھ برآمد نہیں ہوگا۔“

(ایک علمی و تکری مقالہ، صفحہ 8، اشاعت اول، فروری 2007ء، الشریعہ اکادمی، گجرانوالہ)

2۔ محترم ڈاکٹر محمد امین صاحب، شعبہ اردو دارکہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب اپنے ایک مضمون ”اسلام اور تجدید پسندی“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

”جناب غامدی صاحب کے اجتہادات نے تو اس حسن ظن کا خاتمه ہی کرو دیا اور دوسرے مجدد دین کی طرح اب ان کا رویہ بھی بھی لگتا ہے کہ مغربی تہذیب کے تکری چوڑے کو اسلام پر فتح کرنے کی کوشش کی جائے۔“

(ہبہ امر ”الشریعہ“، صفحہ 28، بابت دسمبر 2005ء، گجرانوالہ)

3۔ فاضل جوان حافظ طاہر اسلام عسکری صاحب نے غامدی صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ:

”کچھ مسلمان ”اسکالرز“ بھی علم و تحقیق کے نام پر مغربی تہذیب کو قرآن و سنت سے کشید کر کے اس تقویت پہنچا رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ جناب غامدی صاحب اور ان کے مقبعین کا بھی انہی اسکالرز میں ہوتا ہے۔ آس جناب کی نادر تشریحات اور علمی تحقیقات سے دانتہ یا نادانتہ طور پر مغربی تہذیب کی ترویج و تائید ہو رہی ہے۔“

(مگر غامدی، ص ۱۲، طبع اول، مارچ 2007ء، ناشر کتب خدام القرآن، لاہور)

4۔ روزنامہ ”نوائے وقت“ لاہور کا اداریہ لکھتا ہے کہ:

”..... اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت ایک فتح بخش نوکری ہے، مگر ایسی بھی نہیں کہ اس کے لیے علامہ جاوید الغامدی قرآن بر مر اسلامیات کی تعلیم کو فرقہ داریت، مذہبی اختہا پسندی اور ملائیت سے تعیر کرنے، علامہ جاوید الغامدی اپنی سانی اور علمی صلاحیتوں کو حضستی شہرت حاصل کر۔ کہ لیے ہر روزئی وی مباحثوں میں نئی نئی اختراعات کرنے اور حاکموں کا قرب حداکثر کرتے کے لیے اس دین اور علم کی جڑیں نہیں کاٹتی چاہئیں، جس کی وجہ سے اگلے یہ عزت حاصل ہے۔ علامہ صاحب کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ علمائے نبوہ کبھی حکومتوں کی حمایت میں اس قدر سرگرم اور پر جوش نہیں ہوا کرتے۔ خواشن لے جھرمت میں بینچہ کرنی وی جیلنلوکی چکا چوند روشنیوں میں اسلام کی یہ بینیجہ گری کم از کم علامہ جاوید الغامدی کو زیر بے نہیں دیتی۔“

(روزنامہ ”نوائے وقت“، لاہور کا اداری شذرہ، مئو ۵ جون 2006ء)

مجھے قابل صدر اخراج علماء کرام سے بھی یہ گزارش کرنی ہے کہ انہوں نے جس طرح ہر دور میں باطل کے فتوؤں کی سرکوبی فرمائی ہے، اب غامدیت کے اس نوزائیدہ فتنے کا بھی

تعاقب کر کے اس کا قلع قع فرمائیں جو ہمارے ہاں فی وی کی اسکرین، چند سرماہیہ داروں کی نظر کرم اور سرکار دربار کی سرپرستی میں پھیلایا چاہ رہا ہے۔

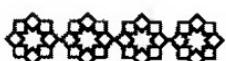
میں یہ عرض کرتا چلوں کہ غامدی صاحب کو میں اُس وقت سے اچھی طرح جانتا ہوں جب وہ فقط جاوید احمد ہوا کرتے تھے اور ابھی اُن کے نام کے آگے پیچھے علامہ اور غامدی جیسے سابقے اور لاثتے نہیں لگے تھے۔ اس لیے میرا فرض تھا کہ میں "غامدیت" کے ذھول کا پول کھولنے کے لیے یہ کتاب لکھوں اور اس فتنے کا سر کلخنے والے اؤلين لوگوں میں شامل ہوں۔ اللہ گواہ ہے کہ میری یہ کاوش محض احتراق حق اور ابطالی باطل کے لیے ہے۔ اس سلسلے میں مزید ایک جامع اور مفصل کتاب بھی ترتیب دے رہا ہوں جو انشاء اللہ آئندہ کسی مناسب وقت پر طبع ہوگی۔

هذا ما عندي ، والعلم عند الله ، وهو ولی التوفيق .

والسلام
محمد رفیق چودھری

لاہور

19 جون 2007ء
بمطابق 3 جمادی الثانی 1428ھ



پہلا باب:

قرآنیات

1۔ کیا قرآن کی صرف ایک ہی قراءت صحیح ہے؟

غامدی صاحب نے امت کے جن متفقہ، مسلمہ اور اجتماعی امور کا انکار کیا ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ قرآن مجید کی (سبعہ یا عشہ) قراءات متواترہ کو نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک قرآن کی صرف ایک ہی قراءت صحیح ہے جو ان کے بقول ”قراءت عامہ“ ہے اور جسے علماء نے غلطی سے ”قراءت حفص“ کا نام دے رکھا ہے۔ اس ایک قراءت کے سواباقی سب قراءاتوں کو غامدی صاحب عجم کا فتنہ قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ پوری قطعیت کے ساتھ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ قرآن کا متن اس ایک قراءت کے سوا کسی دوسری قراءت کو قبول نہیں کرتا۔

چنانچہ وہ اپنی کتاب ”میران“ میں لکھتے ہیں کہ:

”یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قراءت ہے جو ہمارے مصاہف میں ثابت ہے۔ اس کے علاوہ اس کی جو قراءتیں تفسیروں میں لکھی ہوئی ہیں یا مدرسون میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں، یا بعض علاقوں میں لوگوں نے اختیار کر رکھی ہیں، وہ سب اسی فتنہ عجم کی باتیات ہیں جن کے اثرات سے ہمارے علوم کا کوئی شعبد، افسوس ہے کہ محفوظ نہ رہ سکا۔“

(میران، صفحہ 32، طبع دوم، اپریل 2002ء)

وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

”قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثابت ہے اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو

چھوڑ کر دنیا میں امت مسلمہ کی عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے۔ یہ تلاوت جس قراءت کے مطابق کی جاتی ہے، اس کے سوا کوئی دوسری قراءت نہ قرآن ہے اور نہ اسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا ہے۔“

(میران، صفحہ 25، طبع دوم، اپریل 2002ء)

پھر آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ:

”قرآن کا منن اس (ایک قراءت) کے علاوہ کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔“

ذکورہ اقتباسات کے مطابق غامدی صاحب کا موقف یہ ہے کہ:

1۔ قرآن کی صرف ایک ہی قراءت درست ہے۔

2۔ باقی تمام قراءتیں عجم کا فنہ ہیں۔

3۔ امت مسلمہ کی عظیم اکثریت جس قراءت کے مطابق قرآن کی تلاوت کر رہی ہے صرف وہی قرآن ہے۔

4۔ قرآن کا منن ایک قراءت (حفص) کے سوا کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔

اب ہم ان نکات پر بحث کرتے ہوئے غامدی صاحب کے موقف کا جائزہ لیں گے:

1۔ کیا قرآن کی صرف ایک ہی قراءت درست ہے؟

غامدی صاحب کا کہنا ہے کہ قرآن کی صرف ایک ہی قراءت درست ہے، صحیح نہیں ہے کیونکہ امت مسلمہ قرآن مجید کی سبعہ یا عشرہ قراءات کو مانتی ہے اور اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

1۔ یہ قراءتیں صحابہ و تابعین سے تواتر کے ساتھ منتقل ہیں اور رسم عثمانی کی حدود کے اندر ہیں اور اس کے مطابق ہیں اور یہ اجماع امت سے ثابت ہیں۔

2۔ علوم القرآن کے موضوع پر کمھی جانے والی تمام اہم کتب میں یہ قراءات بیان کی گئی

- ہیں جیسے امام بدر الدین زکریٰ نے "البرہان فی علوم القرآن" میں اور امام سیوطی نے "الاتفاق" میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور ان کو درست مانا ہے۔
- 3۔ تمام قدیم و جدید اہم تفاسیر میں ان قراءات کو تسلیم کیا گیا ہے۔
 - 4۔ عالم اسلام کی تمام بڑی دینی جامعات مثلاً جامعہ ازہر اور جامعہ مدینہ منورہ وغیرہ کے نصاب میں یہ قراءات شامل ہیں۔
 - 5۔ امت کے تمام مسلمہ مکاتب فلک کے دینی مدارس میں یہ قراءات پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں۔
 - 6۔ عرب و عجم کے تمام معروف حضرات کی مختلف "قراءات" آذیو اور ویدیو کیسٹوں کی صورت میں موجود ہیں۔
 - 7۔ عالم اسلام کے درجن بھر ممالک (جن میں مراکش، الجزاير، ٹیونس، لیبیا اور سوریا نے وغیرہ شامل ہیں) میں روایتی حفص نہیں، بلکہ روایت ورش (امام ورش امام نافع بن عبد الرحمن کے شاگرد تھے) راجح ہے اور وہ اسی قراءت ورش کے مطابق قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور اسے قرآن سمجھتے ہیں۔ کیا کروڑوں کی تعداد میں یہ مسلمان "غیر قرآن" کو قرآن سمجھ بیٹھے ہیں؟ کیا غیر قرآن کو قرآن سمجھ لینے کے بعد وہ مسلمان باقی رہے ہیں یا نعوذ باللہ کافر ہو چکے ہیں؟ کیا امت مسلمہ کے پاس قرآن محفوظ نہیں؟ جبکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے:
- ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الْذِكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ ۝ ۵۰﴾

(الحجر: 9)

- "بے شک ہم نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔"
- پھر جب خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری لے رکھی ہے تو ایک ایسی چیز جو قرآن نہیں وہ امت مسلمہ میں بطور قرآن کیسے متعارف، مرقوم اور متدالوں ہے۔
- 8۔ جس طرح ہمارے ہاں قراءتی حفص کے مطابق مصاہف لکھئے اور تلاوت کیے جاتے

- ہیں، اسی طرح شمالی افریقہ اور بعض دوسرے ممالک میں قراءت ورش وغیرہ کے مطابق مصاحف لکھے اور تلاوت کیے جاتے ہیں اور دہاں کی حکومتیں بھی سرکاری اہتمام میں قراءت ورش کے مطابق مصاحف شائع کرتی ہیں۔ حال ہی میں شعوری عرب کے جمع الملک فہد، (مذینہ منورہ) نے بھی لاکھوں کی تعداد میں روایت ورش، روایت دوری اور روایت قالون کے مطابق مصاحف مختلف مسلم ممالک کے لیے طبع کر دیے ہیں۔
- 9۔ امت مسلمہ کا قولی اور عملی تواتر ہی قراءات متواترہ کے صحیح ہونے کا بین اور اصلی ثبوت ہے۔
- 10۔ صحیح احادیث سے بھی ہمیں قرآن مجید کی ایک سے زیادہ قراءتوں کا ثبوت مل جاتا ہے۔

(۱) پہلی حدیث:

”حضرت عمر بن خطاب رض بیان کرتے ہیں کہ (ایک دفعہ) میں نے حضرت ہشام بن حکیم بن حزام کو سورہ فرقان اس سے مختلف طریقے پر پڑھتے سا جس سے میں پڑھتا تھا، حالاں کہ سورہ فرقان مجھے خود رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی تھی۔ قریب تھا کہ میں غصے سے ان پر بھٹپڑتا، مگر میں نے (صبر کیا) اور انھیں مہلت دی، یہاں کرنہوں نے اپنی قراءت مکمل کر لی۔ پھر میں نے ان کی چادر پکڑی اور انہیں کھینچتا ہوا، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ان کو سورہ فرقان اس سے مختلف طریقے پر پڑھتے سا ہے، جس پر آپ ﷺ نے پڑھائی تھی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انھیں چھوڑ دو، پھر حضرت ہشام سے فرمایا کہ تم پڑھو۔ چنانچہ انہوں نے سورہ فرقان اسی طرح پڑھی جس طرح میں نے ان کو پہلے پڑھتے سا تھا۔ ان کی قراءات سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسی طرح اتری ہے۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ تم پڑھو۔ چنانچہ میں نے (اپنے طریقے پر) پڑھی تو

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسی طرح اُتری ہے۔

پھر مزید فرمایا کہ یہ قرآن سات حروف (سبعہ احرف) پر نازل ہوا ہے، لہذا جس طرح سہولت ہو، اس طرح پڑھو۔“

(صحیح مسلم، حدیث نمبر: 1899 - صحیح بخاری، حدیث نمبر: 2419)

(ب) دوسرا حدیث:

”حضرت أبي بن كعب رضي الله عنه بیان کرتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام سے رسول اللہ ﷺ ملے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اے جبرائیل! مجھے ایسی امت کی طرف بھیجا گیا ہے جو ان پڑھے ہے۔ پھر ان میں سے کوئی بوڑھا ہے، کوئی بہت بوڑھا، کوئی لڑکا ہے کوئی لڑکی اور کوئی ایسا آدمی ہے جس نے کبھی کوئی تحریر (کتاب) نہیں پڑھی۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے جواب دیا کہ اے محمد ﷺ! قرآن سات حروف (سبعہ احرف) پر اُترا ہے۔“

(ترمذی، حدیث نمبر: 2944)

(ج) تیسرا حدیث:

”حضرت عبد اللہ بن عباس رضي الله عنهما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جبرائیل نے پہلے مجھے قرآن مجید ایک حرف کے مطابق پڑھایا۔ پھر میں نے کئی بابر اصرار کیا اور مطالبه کیا کہ قرآن مجید کو دوسرے حروف (Versions) کے مطابق بھی پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ چنانچہ وہ مجھے یہ اجازت دیتے گئے یہاں تک کہ سات حروف (سبعہ احرف) تک پہنچے گئے۔

اس روایت کے راوی امام ابن شہاب زہری رضي الله عنهما کہتے ہیں کہ وہ سات حروف، جن کے مطابق قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی، ایسے تھے کہ وہ تعداد میں سات ہونے کے باوجود گویا ایک ہی حرف تھے۔ ان کے مطابق پڑھنے سے

حلال و حرام کا فرق واقع نہیں ہو جاتا تھا۔“

(صحیح بخاری، حدیث نمبر: 3219 - صحیح مسلم، حدیث نمبر: 1902)

(ج) چوتھی حدیث:

”حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو قرآن پڑھتے سا جب کہ اس سے پہلے میں نے نبی ﷺ کو اس سے مختلف طریقے پر پڑھتے تھا۔ میں اس آدمی کو نبی ﷺ کی خدمت میں لے گیا اور آپ ﷺ کو اس صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو میری بات ناگوار گز ری ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تم دونوں ٹھیک طرح پڑھتے ہو۔ آپس میں اختلاف نہ کرو، کیونکہ تم سے پہلے جو قو میں ہلاک ہوئیں وہ اختلاف ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔“

(صحیح بخاری، حدیث نمبر: 3476)

ان احادیث صحیح سے واضح ہو جاتا ہے کہ ابتداء میں قرآن مجید کو مقامی بحاجات کے مطابق پڑھنے کی اجازت تھی۔ جو دراصل ایک ہی عربی زبان کے الفاظ کے مختلف تلفظات (Pronunciations) تھے جو دنیا کی ہر زبان میں پائے جاتے ہیں۔

2۔ کیا ایک کے سواباقی تمام قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں؟

غامدی صاحب کے موقف کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی ایک قراءت کے سواباقی تمام قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں۔

غائب یہ نکتہ (بلکہ اسے حریب کہنا زیادہ موزوں ہے) غامدی صاحب نے جناب پروردیز صاحب سے سیکھا ہے جو تمام احادیث کو عمر بھر عجمی سازش کا نتیجہ قرار دیتے رہے۔ اب انہی کے انداز میں غامدی صاحب نے بھی قرآن مجید کی ایک قراءت کے سواباقی سب قراءتوں کو عجم کا فتنہ قرار دے دیا ہے۔

غامدی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس "قراءت حفص" کو وہ "قراءت عامہ" کا جعلی نام دے کر صحیح مان رہے ہیں وہ دراصل امام عاصم بن ابی الحجود رضی اللہ عنہ کی قراءت ہے جس کو امام ابو حفص نے ان سے روایت کیا ہے اور خود امام عاصم بن ابی الحجود عربی لش نہیں تھے بلکہ بھی لش تھے۔ چنانچہ امام بدرا الدین زرگشی رضی اللہ عنہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "البرہان فی علوم القرآن" میں پہلے سید عقبہ القراء (سات مشہور قراء حضرات) کے یہ نام لکھے ہیں:

- 1۔ عبد اللہ بن کثیر.....(م 120ھ)
- 2۔ نافع بن عبد الرحمن.....(م 169ھ)
- 3۔ عبد اللہ بن عامر
- 4۔ ابو عمرو بن علاء.....(م 154ھ)
- 5۔ عاصم بن ابی الحجود.....(م 128ھ)
- 6۔ حمزہ بن حبیب.....(م 156ھ)
- 7۔ علی بن حمزہ الکساوی.....(م 189ھ)

اور اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ:

((ولیس فی هؤلاء السبعة من العرب الا ابن عامر وابو عمرو))
"اور ان ساقتوں میں سوائے ابن عامر اور ابو عمرو کے کوئی بھی عربی لش نہیں۔"

(امام زرگشی، البرہان فی علوم القرآن، جلد اول، صفحہ 329، طبع چوتھا)

اب غامدی صاحب اگر عربی لش قراءت کی قراءتوں کو جنم کا فتنہ کہہ کر ان کا انکار کر سکتے ہیں تو وہ ایک بھی قاری کی قراءات (امام عاصم کی قراءات جس کی روایت امام حفیض نے کی ہے اور جسے غامدی صاحب "قراءت عامہ" کا نام دے کر صحیح مانتے ہیں) کو کسی دلیل سے صحیح مانتے ہیں؟ اگر عربی قراءتیں محفوظ نہیں رہیں اور وہ جنم کے فتنے کا شکار ہو گئی ہیں تو ایک بھی قراءات جنم کے فتنے سے کیسے محفوظ رہے گئی؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ متواتر قراءتیں جنم کا فتنہ نہیں ہیں، بلکہ غامدی صاحب خو، ثم و فتنہ

ہیں۔

3۔ کیا امت مسلمہ کی عظیم اکثریت جس قراءت کے مطابق قرآن کی

تلاوت کر رہی ہے صرف وہی قرآن ہے؟

غامدی صاحب کہتے ہیں کہ امت مسلمہ کی عظیم اکثریت جس قراءت کے مطابق قرآن کی تلاوت کر رہی ہے صرف وہی قرآن ہے۔ عظیم اکثریت کی بنا پر قرآن کی ایک ہی قراءت نے کا دعویٰ بالکل ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ دنیا میں چونکہ حنفی فقہ کے پروار کاروں کی اکثریت ہے اس لیے صرف فقہ حنفی ہی صحیح فقہ ہے اور صرف یہی اسلامی فقہ ہے اور باقی تمام فقہیں فقہ مجموں کے باقیات ہیں۔ ظاہر ہے ایسا دعویٰ کہ صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو یا تو حمق ہو، یا انہاتی درجے کا متعصب ہو، یا پھر فقہ پرور ہو۔

4۔ کیا قرآن کا متن ایک قراءت کے سوا کسی دوسری قراءت کو قبول ہی

نہیں کرتا؟

اب ہم غامدی صاحب کے موقف کے متعلق پر بحث کریں گے کہ کیا قرآن کا متن ایک قراءت کے سوا کسی دوسری قراءت کو قبول کرتا ہے یا نہیں؟

غامدی صاحب کا یہ موقف ہرگز صحیح نہیں ہے کہ قرآن کا متن ایک قراءت شخص کے سوا کسی دوسری قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے متن میں تمام قراءات متواترہ کی گنجائش موجود ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ موجودہ مصاحف کے قرآنی الفاظ رسم عثمانی کے مطابق لکھے گئے ہیں۔ اس رسم الخط کی خوبی اور کمال یہی ہے کہ اس میں تمام قراءات متواترہ (سبعہ بلکہ عشرہ) کے پڑھنے کا امکان موجود ہے اور یہ ساری قراءتیں اس ایک متن میں سما جاتی ہیں۔

مثال کے طور پر سورہ فاتحہ کی آیت (ملک یوم الدین) کو لیجئے۔ اسے رسم عثمانی (بغیر اعراب اور نقطوں کے) میں یوں لکھا گیا تھا:

(ملک یوم الدین)

اس آیت میں لفظ ملک کو ملک اور ملک دو نوں طرح سے پڑھا جاسکتا ہے اور یہ دونوں قراءات متوارہ ہیں۔ قراءاتِ حفص میں اسے ملک (میم پر کھڑا زبر) اور قراءاتِ ورش میں اسے ملک (میم پر زبر) کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ججاز میں یہ دونوں الفاظ ایک ہی مفہوم کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ یعنی روزِ جزا کا مالک یا روزِ جزا کا بادشاہ۔ بادشاہ بھی اپنے علاقے کا مالک ہی ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے نظائر سے بھی ان دونوں مقاییم کی تائید ملتی ہے۔ اس طرح قراءات کا یہ اختلاف اور تنوع قرآن مجید کے رسم عثمانی میں موجود ہے۔

اب مذکورہ لفظ ملک کے رسم عثمانی پر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ غامدی صاحب کی رائے کے برعکس اس قرآنی لفظ کا متن قراءات ورش (ملک) کو زیادہ قبول کرتا ہے اور اس کے مقابلے میں قراءاتِ حفص کو کم قبول کرتا ہے۔ پہلی قراءات (ورش) میں اسے بغیر تکلف کے ملک کو ملک پڑھا جاسکتا ہے۔ اور دوسری قراءات (حفص) میں اسے تھوڑے سے تکلف (کھڑا زبر) کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

(1) پہلی دلیل:

اس کی پہلی دلیل یہ ہے کہ یہی لفظ جب سورہ الناس، آیت 2 میں آتا ہے تو رسم عثمانی کے مطابق اس طرح آتا ہے: (ملک الناس) اور سب اسے (ملک الناس) پڑھتے ہیں جو کہ متن کے بالکل قریب ایک صحیح قراءات ہے اور اسے کوئی بھی ملک (کھڑے ملک کے ساتھ) نہیں پڑھتا۔ لہذا سورہ الفاتحہ میں بھی ملک کو ملک پڑھنے کی

پوری پوری گنجائش موجود ہے اور قراءت ورش کے مطابق یہ بالکل جائز اور درست ہے۔

(2) دوسری دلیل:

اس کی دوسری دلیل سورہ حود، آیت: 41 کے لفظ مَجْرِيَهَا میں ہے کہ:

بِسْمِ اللَّهِ الْمَجْرِيْهَا وَمُرْسَهَا

اے رسم عثمانی میں یوں لکھا گیا ہے:

لسم الله محرها ومرسها

اس میں لفظ **(محرها)** کو قراءاتِ متواترہ میں تین طرح سے پڑھا جاتا ہے:

محرها (اصل رسم عثماني)

مَجْرِيَّهَا - ١

(ایک متواتر قراءت کے مطابق)

(دوسری متواتر قراءت کے مطابق)

- 2 -

(تیری متواتر قراءتِ حفص کے مطابق)

3۔ مَجْرَمُهَا

اس سے معلوم ہوا کہ رسم عثمانی کے مطابق لکھا ہوا یہ لفظ (محرها) جو کہ قرآن کا اصل متن ہے وہ تینوں متواتر قراءتوں کو قبول کر لیتا ہے اور اسے تینوں طریقوں سے پڑھنے کی گنجائش موجود ہے۔ بلکہ اہل علم جانتے ہیں کہ ان میں پہلی دو قراءتیں تیری قراءت حفصؑ کے مذہب میں زیادہ متداول اور زیادہ فصح عربی کے قریب ہیں۔ کیونکہ یہی لفظ جب مشہور جاپی شاعر بن حشمتؑ کے مuttle میں آتا ہے

صبت الكأس عنا أم عمرو

وكان الكأس مجرها اليمينا

تو اس شعر کے لفظ "مجر اہا" کو بھی عام طور پر مجریہا پڑھا جاتا ہے۔ اسے قراءت

شخص کی طرح کوئی بھی مجرّم نہ ہانیں پڑھتا۔

(3) قیسروی دلیل:

غامدی صاحب کو معلوم ہوتا چاہیے کہ خود قراءتِ شخص (جسے وہ قراءتِ عامہ کا ناموں نام دیتے ہیں) میں بھی قرآن مجید کے کئی الفاظ کی دو دو قراءتیں درست ہیں۔ گویا ایک ہی قراءتِ شخص میں بھی بعض قرآنی الفاظ کو دو دو طریقوں سے پڑھا جاسکتا ہے اور پڑھا جاتا ہے۔ جیسے:

ل: سورۃ البقرہ، آیت: 245 میں ہے کہ:

﴿وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَنْسُطُ﴾

میں لفظ **يَنْسُطُ** کو **يَقْبِضُ** بھی پڑھا جاتا ہے، جس کے لیے ہمارے ہاں کے مصاہف میں حرف صاد کے اوپر چھوٹائیں ذال دیا جاتا ہے۔

ب: سورۃ الغاشیہ، آیت 22 میں ہے کہ:

﴿أَسْتَعِنُ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾

میں لفظ **بِمُصَيْطِرٍ** کو **بِمُسَيْطِرٍ** بھی پڑھا جاتا ہے۔

ج: سورۃ الطور، آیت: 37 میں ہے کہ:

﴿أَمْ عِنْدَهُمْ خَرَائِنُ رَبِيلَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ﴾

میں لفظ **الْمُصَيْطِرُونَ** کو **الْمُسَيْطِرُونَ** بھی پڑھا جاتا ہے۔

اس وضاحت کے بعد کیا کوئی شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ قرآن کا متن ایک قراءت کے سوا کسی اور قراءت کو قبول ہی نہیں کرتا؟ ایسا دعویٰ صرف وہی آدمی کر سکتا ہے جو علم قراءات سے نا بلد ہو، رسم عثمانی سے بے خبر ہو اور جس نے کبھی آنکھیں کھول کر قرآن کے متن کو نہ پڑھا ہو۔

در اصل قراءاتِ متواتر کا یہ اختلاف دنیا کی ہر زبان کی طرح تلفظ اور لہجہ کا اختلاف

ہے۔ ان سے قرآن مجید میں کوئی ایسا رذ و بدل نہیں ہو جاتا، جس سے اس کے معنی اور مفہوم تبدیل ہو جائیں یا حلال حرام ہو جائے بلکہ ان کے باوجود بھی قرآن قرآن ہی رہتا ہے اور اس کے نفس مضمون میں کسی قسم کا کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

خود ہماری اردو زبان میں اس کی ایک مثال یہ ہے:

”پاکستان کے بارہ میں“..... یا..... ”پاکستان کے بارے میں“

یہ ”بارہ“ اور ”بارے“ دونوں درست ہیں۔ یہ تلفظ اور لفظ کا فرق ہے، مگر معنی کا فرق

نہیں ہے۔

اسی طرح انگلش کا لفظ Schedule ہے۔ اس کے دو تلفظ ”شیڈول“ اور ”سکیوال“

ہیں اور دونوں درست ہیں اور یہ بھی محض تلفظ اور لفظ کا فرق ہے کوئی معنوی فرق نہیں ہے۔

بالکل یہی حال قرآن مجید کی مختلف قراءات متواترہ کا ہے۔



2- کیا قرآن میزان ہے؟

غامدی صاحب کہتے ہیں کہ ”الفرقان“ اور ”السین“ وغیرہ اسماء قرآنی کی طرح ”المیزان“ بھی قرآن کے ناموں میں سے ایک نام اور اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”چوتھی چیز یہ ہے کہ قرآن مجید اس زمین پر حق و باطل کے لیے ”میزان“ اور ”فرقان“ اور تمام سلسلہ وحی پر ایک ”مہیمن“ کی حیثیت سے نازل ہوا ہے:
 ﴿اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ﴾

(الشوری: 17)

”اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اٹاری، یعنی میزان نازل کی ہے۔“
 اس آیت میں ”المیزان“ سے پہلے ”و“ تفسیر کے لیے ہے۔ اس طرح ”المیزان“ درحقیقت یہاں ”الکتاب“ ہی کا بیان ہے۔ آیت کا دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے لیے قرآن اٹارا ہے جو دراصل ایک میزان عدل ہے اور اس لیے اٹارا ہے کہ ہر شخص اس پر تول کر دیکھ سکے کہ کیا چیز حق ہے اور کیا باطل۔ چنانچہ تو لئے کے لیے بھی ہے۔ اس دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس پر اسے تولا جاسکے۔“

(میزان، ص 22، طبع دوم اپریل 2002ء)

(أصول و مبادی، ص 22، طبع فروری 2005ء)

ہمارے نزدیک میزان نہ تو قرآن کے ناموں میں سے کوئی نام ہے اور نہ اس کی صفات میں سے کوئی صفت بلکہ وہ میزان ہرگز نہیں ہے۔ جس آیت سے انہوں نے قرآن

کے میزان ہونے کا استدلال کیا ہے وہ استدلال بھی کئی لحاظ سے غلط ہے جس کی تفصیل یہ ہے:-
1۔ قرآن مجید کے پیچپن (55) اساماء اور صفات کی مکمل فہرست امام بدر الدین زرکشی نے ”البرہان فی علوم القرآن“ میں اور امام سیوطی نے ”الاتفاقا“ میں دے دی ہے مگر ان میں ”میزان“ کا نام یا صفت ہرگز شامل نہیں ہے۔

(لاحظہ ہو: البرہان فی علوم القرآن، جلد اول ص 273-276)

2۔ علامہ زختری (جسے غامدی صاحب ”امام اللہ“ مانتے ہیں، ملاحظہ ہو: میزان حصہ اول ص 128 طبع 1985ء) نے اپنی تفسیر الکشاف میں سورہ الشوریٰ کی مذکورہ بالا آیت میں ”الكتاب“ سے قرآن مراد نہیں لیا بلکہ ”جنس الكتاب“ مراد لی ہے جس کا مطلب ہے وہ سلسلہ کتب جو اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں نازل کیا ہے۔ اس سے خاص قرآن مراد نہیں لیا جاسکتا، بلکہ ہر الہامی کتاب اس میں داخل ہے۔ اس کے علاوہ علامہ زختری نے میزان کو قرآن کی صفت نہیں مانا بلکہ ”و“ کو عاطفہ مانا ہے اور قرآن اور میزان کو دو الگ الگ چیزیں قرار دیا ہے۔ نیز انہوں نے میزان کے دو معنی لکھے ہیں ایک ”عدل و انصاف“ اور دوسرا ”تراؤ“

لہذا جب عربی زبان کے امام لفت نے مذکورہ آیت میں نہ تو قرآن کو میزان قرار دیا ہے اور نہ ”و“ کو بیان یا تفسیر کے معنوں میں لیا ہے بلکہ واو عاطفہ قرار دے کر اس سے ”عدل و انصاف“..... ”تراؤ“ کے معنی لیے ہیں تو غامدی صاحب کس بنیاد پر اس آیت سے قرآن کا میزان ہونا مراد لے سکتے ہیں؟ الکشاف میں پورا حوالہ یہ ہے:

((”انزل الكتاب“ ای جنس الكتاب (والمیزان) والعدل والتسویة،
و معنی انزال العدل أنه انزله في كتبه المتنزلة وقيل الذي يوزن
به.))

(الکشاف جلد 3، ص 465، طبع مصر، 1392ھ)

آیت مذکورہ کا یہی مفہوم امام طبری نے ”تفسیر طبری“ میں، امام قرطبی نے ”تفسیر قرطبی“

میں، حافظ ابن کثیر نے ”تفسیر ابن کثیر“ میں، علامہ شوکانی نے ”فتح القدیر“ میں، علامہ محمود آلوی نے ”روح المعانی“ میں اور احمد مصطفیٰ مراغی نے ”تفسیر مراغی“ میں بیان کیا ہے۔ ان میں سے کسی مفسر نے اس آیت میں ”الکتاب“ سے نہ قرآن مراد لیا ہے اور نہ میزان کو اس کی صفت قرار دیا ہے۔ بلکہ امت مسلمہ کے یہ تمام معتقد علیہ اور عربی زبان و ادب کے ماہر مفسرین کرام اس آیت کا ایک ہی مفہوم مراد لیتے ہیں کہ اس میں الکتاب سے سلسہ کتب مراد ہے اور میزان سے یا تو عدل و انصاف مراد ہے یا پھر ترازوں مراد ہے ان میں سے کسی نے بھی اس آیت کا وہ مفہوم نہیں لیا جو نامہ صاحب اس آیت سے کشید کرتے ہیں۔

3۔ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کرنا اعلیٰ اور معتبر ترین تفسیر ہوتی ہے کیونکہ ”القرآن یفسر بعضہ بعضًا“ کا اصول ایک مسلمہ اصول ہے۔ اس اصول کے تحت جب ہم اس آیت کے نظائر کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان سے بھی قرآن کا میزان ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس سلسلے میں مثال کے طور پر صرف دو آیات ملاحظہ ہو:

(۱) ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا إِلَيْنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُولُوا النَّاسُ إِلَيْقُسْطِطٌ﴾

(الحدید: 27)

”بے شک ہم نے اپنے پیغمبروں کو نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتابیں نازل کیں اور ترازوں بھی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔“

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے ہر دور میں واضح نشانیوں کے ساتھ پیغمبر بھیجیے، کتابیں نازل کیں اور ان کتابوں کے ساتھ ترازوں یعنی عدل و انصاف کا تصور اور اس کے بارے میں حکم بھیجا تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں اور ظلم و زیادتی سے باز رہیں۔

ذکورہ آیت سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ قرآن میزان ہے کیونکہ اگر یہ مان لیا

جائے کہ قرآن میزان ہے تو لامحالہ یہ بھی مانتا پڑے گا کہ یہ قرآن تمام خیر و روں پر نازل ہوا ہے جب کہ واقع میں ایسا نہیں ہے۔ میزان تو پہلے بھی تھی اور عدل و انصاف کا تصور اور حکم پہلے بھی تھا مگر قرآن صرف اللہ تعالیٰ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہی پر نازل ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن میزان نہیں ہے۔

(ب) ”میزان“ کے معنی و مفہوم کو سمجھنے کے لیے ایک نظریہ بھی پیش نظر رہے کہ:

»وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝ أَلَا تَطْغُوا فِي الْمِيزَانِ ۝ وَأَقِيمُوا الْوَرْثَةَ بِالْقِسْطِ ۝ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝«

(الرحمن: 7 تا 9)

”اور اُسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو رکھ دی تاکہ تم لوگ تو نے میں زیادتی نہ کرو بلکہ انصاف سے پورا تو لو اور کم نہ تو لو۔“

سورہ رحمان کی ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے پہلے آسمان کی تخلیق کا ذکر فرمایا ہے اور پھر میزان یعنی ترازو رکھنے کو واضح فرمایا ہے، پھر یہ حکم دیا ہے کہ توں ٹھیک رکھو، پورا تو لو اور توں میں کمی نہ کرو، ان آیات کا سیدھا سادا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان بنانے کے بعد انسانوں کو میزان کا تصور دیا ہے تاکہ وہ عدل و انصاف سے کام لیں، توں پورا رکھیں اور توں میں ہر گز کمی نہ کریں۔

یہ آیات بھی قرآن کے میزان ہونے کی نظری کرتی ہیں۔ کیونکہ آسمان، زمین، سورج اور چاند کی تخلیق کے ساتھ اول روز سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو میزان یعنی عدل و انصاف کا تصور دیا اور پھر حکم دیا کہ لوگ عدل و انصاف سے کام لیں اور ترازو سیدھی تو لیں اور ڈنڈی نہ ماریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزول سے بھی بہت پہلے ”وضع المیزان“ (میزان رکھی گئی) ہو چکی تھی۔ اس لیے قرآن کو میزان قرار دینا کسی طرح صحیح نہیں۔

4۔ ایک معمولی عقل کا آدمی بھی جانتا ہے کہ میزان (ترازو) کا کام کسی شے کو صرف تو نا

اور اس کا وزن بتانا ہوتا ہے، اس کا کام اچھی اور بُری یا اصلی اور نقلی چیز میں فرق و امتیاز کرنا نہیں ہوتا۔ آپ اصلی اور نقلی سونے کو قتل کر ان کا وزن معلوم کر سکتے ہیں مگر میزان کے ذریعے سونے کے اصلی یا نقلی ہونے کا پتہ نہیں چلا سکتے۔ میزان کا کام تولنا ہے وہ کھری چیز کو بھی تولے گی اور کھوٹی چیز کو بھی تولے گی، وہ حلال شے کو بھی تولے گی اور حرام شے کو بھی تولے گی مگر وہ کھری اور کھوٹی چیز میں یا حلال اور حرام شے میں امتیاز نہیں کر سکتے گی۔

غامدی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب وہ قرآن کو ”میزان“ قرار دیتے ہیں تو وہ قرآن کی توبین کے مرکب ہوتے ہیں۔ گویا نعوذ باللہ قرآن مجید ایک ایسی میزان ہے جو اس لیے نازل ہوئی تا کہ لوگ اس کے ذریعے سے ہر طیب، نجس، پاک اور ناپاک چیز کو قتل کر اس کا وزن معلوم کر لیا کریں۔

5۔ دراصل غامدی صاحب کے لیے قرآن کو ”میزان“ کہنا ایک ”ضرورت“ ہے تا کہ وہ اس کی آڑ میں آسانی سے جس حدیث کا جب چاہیں یہ کہہ کر انکار کر دیں کہ یہ تو قرآن کی ”میزان“ پر تولے کے بعد ”باطل“ ثابت ہوئی ہے لہذا اسے ردی کی نوکری میں پھینک دیا جائے۔ یاد رہے کہ غامدی صاحب اپنی اس ”میزان“ کے حربے سے با فعل بہت سی احادیث صحیح کا انکار کر چکے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ غامدی صاحب کا یہ کہنا کہ قرآن میزان ہے ایک بالکل بے اصل بات ہے۔

3۔ کیا سورۃ النصر مکی سورہ ہے؟

الل علم جانتے ہیں کہ سلف و خلف کے تمام مفسرین کے نزدیک سورۃ النصر مدنی ہے اور اس کے مدنی سورہ ہونے پر سب کا اتفاق اور اجماع ہے۔

مگر جناب جاوید غامدی صاحب نے اس متفقہ اور مجمع علیہ امر میں بھی اختلاف پیدا کیا ہے اور ان کو سورۃ النصر کے مکی سورہ ہونے پر اصرار کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی "المشی تفسیر" "البيان" (میں اس تفسیر کو المثلی اس لیے کہتا ہوں کہ یہ آخری سورتوں سے شروع ہو کر ابتدائی سورتوں کی طرف اٹھے رخ پر چلی آ رہی ہے اور ابھی تک نامکمل ہے) میں لکھتے ہیں:

"سورۃ النصر کا مرکزی مضمون آپ کے لیے سر زمین عرب میں علمہ حق کی بشارت اور آپ کو یہ ہدایت ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ اپنے پور دگار سے ملاقات کی تیاری کریں۔"

سورۃ کافروں کے بعد اور لمب سے پہلے یہاں اس سورہ (النصر) کے مقام سے واضح ہے کہ سورۃ کوثر کی طرح یہ بھی، اُم القریٰ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے مرحلہ بھرت و براءت میں آپ ﷺ کے لیے ایک عظیم بشارت کی حیثیت سے نازل ہوئی ہے۔"

(البيان: ص: 252، مطبوعہ 2000ء)

اس سے معلوم ہوا کہ غامدی صاحب سورۃ النصر کو کمی قرار دیتے ہیں اور "مرحلہ بھرت و براءت" کے زمانے میں اس کا نزول بتاتے ہیں۔ اسی بات کو وہ دوسرے مقام پر مختصر اور واضح طور پر یوں فرماتے ہیں کہ:

"ساتواں باب سورۃ مکہ سے شروع ہو کر سورۃ الناس پر ختم ہوتا ہے۔ اس میں

آخری دو یعنی معاذتین مدنی اور باقی سب تکی ہیں۔“

(البيان: صفحہ 6)

گویا غامدی صاحب کی رائے میں سورہ نصر بھی تکی ہے کیونکہ وہ بھی سورہ ملک اور معاذتین کے درمیان واقع ہے۔ البتہ ان کے نقطہ نظر کو مزید اچھی طرح سمجھنے کے لیے پہلے حوالے میں ایک دریافت طلب بات یہ ہے کہ ”مرحلہ بھرت و براءت“ سے ان کی کیا مراد ہے تو اسے بھی خود ان کی زبانی سننے، وہ لکھتے ہیں:

”مرحلہ بھرت و براءت الماعون 107.....الاخلاص 112۔“

”قریش کے سرداروں کی فرد قرارداد جرم، انہیں عذاب کی وعید اور رسول اللہ ﷺ کے لیے بشارت کہ حرم کی تولیت اب ان کی جگہ آپ ﷺ کو حاصل ہو گی اور آپ کے ذہنوں کی جزاں سر زمین سے ہمیشہ کے لیے کث جائے گی۔“ (107، 108)

”ام القریٰ کے ائمہ کفر سے آپ کا اعلان براءت اور سر زمین عرب میں غلبہ حق کی بشارت۔ 109، 110۔“

”قریش کی قیادت، بالخصوص ابو لہب کا نام لے کر اس کی ہلاکت کی پیشیں گوئی اور نبی ﷺ کی طرف سے، اس مرحلے کے اختتام پر عقیدہ توحید کے نیعلہ کا اعلان۔ (111، 112)“

(البيان: صفحہ 14)

گویا غامدی صاحب کا خود ساختہ مرحلہ ”بھرت و براءت“ دراصل بھرت سے پہلے کا تکی دور ہے اور وہ سورہ نصر کو اسی دور کی نازل شدہ تکی سورت مانتے ہیں۔ ایک اور مقام پر جناب غامدی قرآن مجید کے بارے میں اپنے خود ساختہ ”سات ابواب“ میں آخری باب کی وضاحت کرتے ہوئے بھی سورہ نصر کو تکی سورہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

”یہ قرآن مجید کا ساتواں باب ہے۔ اس میں الملک (67) سے الناس (114)

تک 48 سورتیں ہیں۔ ان سورتوں کے مضامین، اور اس باب میں ان کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے پہلی 46 سورتیں اُم القریٰ کے میں، اور آخری دو الفلق اور الناس بھرث کے فوراً بعد میں نازل ہوئی ہیں۔“

قرآن مجید کے دوسرے سب ابواب کی طرح یہ چیز اس باب میں بھی ملحوظ رہے کہ یہ کلی سورتوں سے شروع ہوتا اور مدینات پر ختم ہو جاتا ہے۔“

(البيان: صفحہ 11)

گویا غامدی صاحب کی رائے میں زمانی اعتبار سے بھی سورہ نصر بھرث سے پہلے کہ میں نازل ہونے والی کلی سورت ہے۔ ہمارے نزدیک غامدی صاحب کی مذکورہ رائے نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ اجماع مفسرین اور اجماع امت کے بھی خلاف ہے۔ اس سلسلے میں ہم ذیل میں چند معتبر اور مستند تفاسیر کے حوالے پیش کرتے ہیں:

۱: تفسیر الكشاف از علامہ محمود زنگزی

((سورة النصر، مدنیة وهي ثلاثة آيات... روی أنها نزلت في أيام التشريق بمعنى في حجة الوداع.))

(تفسیر الكشاف، ج: 4، صفحہ 293، مطبوعہ مصر)

”سورہ نصر مدنی ہے، اس کی تین آیات ہیں..... روایت ہے کہ یہ سورت ایام تشريق میں منی میں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔“

۲: تفسیر قرطبی از امام قرطبی

((وهي مدنیة باتفاق و تسمى سورة التوديع، وهي ثلاثة آيات وهي آخر سورة نزلت جمیعاً، قاله ابن عباس في صحيح مسلم.))

(الجامع لاحکام القرآن، جلد: 10، صفحہ 229)

”اور وہ (سورہ نصر) مدنی ہے، اس کے مدنی ہونے پر اجماع ہے۔ اسے سورہ تودیع (الوداعی سورت) بھی کہتے ہیں۔ اس کی تین آیتیں ہیں۔ یہ آخری مکمل

نازل ہونے والی سورت ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہی قول نقل ہوا ہے۔“

۳: تفسیر ابن کثیر از حافظ ابن کثیر

((تفسیر سورۃ إذا جاء نصر الله والفتح وهي مدنیة.))

(تفسیر القرآن العظیم، جلد 4، ص 561، مطبوعہ بیرون)

”تفسیر سورۃ اذا جاء نصر الله والفتح اور یہ سورۃ مدنی ہے۔“

۴: تفسیر رازی از امام خرالدین رازی

((هذا السورة من أواخر ما نزل بالمدينة.))

(تفسیر کبیر، جلد 2، ص 150، مطبوعہ تہران)

”یہ سورۃ مدنیتے میں نازل ہونے والی آخری سورتوں میں سے ایک ہے۔“

۵: تفسیر روح المعانی از علامہ محمود آلوی

((وَتُسَمَّى سُورَةُ إِذَا جَاءَ، وَعَنْ أَبْنِ مَسْعُودٍ: أَنَّهَا تُسَمَّى سُورَةُ التَّوْدِيعِ لِمَا فِيهَا مِنَ الْإِيمَاءِ إِلَى وَفَاتَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ وَتَوْدِيعِ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا.... وَهِيَ مُدْنِيَّةٌ عَلَى القُولِ الْأَصْحِ فِي تَعْرِيفِ الْمُدْنِيِّ.... عَنْ أَبْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ: هَذِهِ السُّورَةُ نَزَّلَتْ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ أَوْسِطَ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ بِمِنْتَهِ وَهُوَ فِي حِجَّةِ الْوَدَاعِ.“

(روح المعانی، ج 16، ص 458)

”اور یہ (سورۃ نصر) سورۃ إذا جاءَ بھی کہلاتی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اسے سورۃ تودیع (الوداعی سورت) بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں نبی ﷺ کی وفات اور آپ ﷺ کے دنیا و مافیہا سے رخصت ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ اور یہ ”مدنی“ کی تعریف کے صحیح ترین قول کے مطابق مدنی

ہیں۔“

فتح القدير از امام شوكاني ۸۰

((إذا جاء نصر الله والفتح وتسمعي سورة التوديع هي ثلاث
آيات وهي مدنية بلا خلاف.))

(فتح القدير، جلد ۵، صفحہ ۷۲۴)

”یہ سورہ إذا جاء نصر الله والفتح ہے اور یہ الوداعی سورہ بھی کہلاتی ہے۔
اس کی آیات تین ہیں۔ اور اس کے مدنی ہونے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔“

البرهان فی علوم القرآن از بدر الدین زرکشی ۹

یہ اگرچہ تفسیر کی کتاب نہیں ہے لیکن علوم القرآن کے موضوع پر سند کی حیثیت رکھتی
ہے۔ اس کی چار جلدیں ہیں۔ اس میں سورہ إذا جاء نصر الله یعنی سورہ نصر کو بالاتفاق
مدنی سورتوں کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔

(ملاحظہ ہو: البرهان فی علوم القرآن، جلد اول، ص ۱۹۴)

قدیر قرآن از مولانا امین احسن اصلاحی ۱۰

اس میں بھی سورہ نصر کو ”بالاتفاق مدنی“، قرار دیا گیا ہے۔ اور اصلاحی صاحب اسے صحیح
حدیبیہ کے بعد اور فتح کمکے سے پہلے نازل شدہ مدنی سورت مانتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:
”ہجرت اور فتح و نصرت کے درمیان یہی وہ رشتہ ہے جس کے سبب سے (یہ
سورہ جو بالاتفاق مدنی ہے) ایک کمی سورہ کی شانی قرار پائی۔ اس سورہ کے
زمانہ نزول سے متعلق دو قول ہیں: ایک یہ کہ فتح کمکے کے بعد نازل ہونے
والی سورتوں میں سے یہ سب سے آخری سورہ ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ فتح کمکے سے
پہلے اس کی بشارت کے طور پر نازل ہوئی ہے۔ میرے نزدیک اسی دوسرے

قول کو ترجیح حاصل ہے۔“

(تدریج قرآن: جلد 9، صفحہ 615، 616)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تمام مفسرین اور علمائے امت کے نزدیک سورہ نصر مدنی سورت ہے۔ اس کے مدینی ہونے پر اجماع امت ہے اور امام قرطبی نے، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، اس پر اجماع نقل کی اہے اور امام شوکانی کہتے ہیں کہ اس بارے میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ غامدی صاحب کو آخر ایک اجتماعی متفق علیہ امر میں اختلاف پیدا کرنے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟

میرے نزدیک اس کا واحد سبب اُن کے وہ من گھڑت، خود ساختہ اور موضوعہ اصول تفسیر و اصول دین ہیں جن کا لازمی نتیجہ امت کے متفقہ اور مجمع علیہ مسائل میں بھی اختلاف کی صورت میں نکلتا ہے اور جس سے امت میں افتراق و انتشار پیدا ہوتا ہے۔

چنانچہ حد رجم کا مسئلہ ہو یا مرتد کی سزا کا، جہاد و قبال کا حکم ہو یا قراءات سبعہ کا، حدود میں عورت کی گواہی کا مسئلہ ہو یا دیت کا، وحی خفی کی بات ہو، یا عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھایلنے کی یا پھر رسولوں کا قتل ممکن ہونے کی۔ غامدی صاحب ہر معاملے میں امت سے الگ کھڑے نظر آتے ہیں اور اس غیر سبیل المؤمنین پر چلتے دکھائی دیتے ہیں جو کعبے کی بجائے ترکستان کو جاتی ہے۔



4۔ قرآن کی معنوی تحریف کے نادر نمونے

جتاب جاوید احمد غامدی صاحب نہ صرف احادیث صحیح کے منکر ہیں، بلکہ وہ قرآن کی معنوی تحریف کرنے کے عادی بھی ہیں۔ ان کے ہاں تحریف قرآن کے بہت سے نمونے پائے جاتے ہیں۔ اس مضمون میں ان کی تحریف قرآن کا ایک نمونہ بیش کیا جاتا ہے:

غامدی صاحب "اسلام کے حدود و تعزیرات" پر خامہ فرمائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "موت کی سزا قرآن کی رو سے قتل اور فساد فی الارض کے سوا کسی جرم میں نہیں دی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے پوری صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ ان دو جرائم کو چھوڑ کر، فرد ہو یا حکومت، یہ حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی جان کے درپے ہو اور اسے قتل کر دے۔" (سورہ) مائدہ میں ہے:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَانَمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا﴾ (5:32)

"جس نے کسی کو قتل کیا، اس کے بغیر کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو، یا زمین میں فساد برپا کیا ہو، تو اس نے گویا سب انسانوں کو قتل کیا۔"

(میزان، صفحہ 283، طبع دوم، اپریل 2002ء، مطبوعہ لاہور)

غامدی صاحب کی محولہ بالا عبارت تبدیل مقالط آمیزی اور یقین دریج گمراہی کا مرقع ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

1۔ پوری آیت نہ لکھنا:

غامدی صاحب نے اپنی تحریر میں سب سے پہلے یہ مقالط اور فریب دیا ہے کہ انہوں

نے سورہ المائدہ کی آیت پوری نہیں لکھی کیوں کہ اگر وہ پوری آیت لکھ دیتے تو اس سے وہ اپنا من پسند مفہوم کشید نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے مذکورہ آیت کا صرف اتنا حصہ لکھا ہے جس سے ان کو اپنا خود ساختہ مفہوم نکالنے میں کچھ آسانی پیدا ہو گئی ہے۔ ان کی یہ حرکت صحیح ٹھیکِ مذموم تفسیر بالائے اور قرآن کی معنوی تحریف ہے۔ مکمل آیت یوں ہے:

﴿مِنْ أَجْلِ ذِلْكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَانَمَا قَاتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَانَمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَتُهُمْ رُسُلُنَا بِالْبُيُّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ ۝ ۵۰﴾

(المائدہ: 32)

”اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے لکھ دیا کہ جس نے کسی کو بغیر قصاص کے یا بغیر زمین میں فساد پھیلانے کے سزا کے قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دا اور جس نے کسی ایک شخص کی جان بچائی، اس نے گویا سارے انسانوں کی جان بچائی۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر واضح احکام لے کر ان کے پاس آئے مگر اس کے باوجود ان میں سے اکثر لوگ زمین میں زیادتیاں کرتے رہے۔“

یہ وہ اصل آیت ہے جس کا من پسند نکلا اگ کر کے غامدی صاحب نے اپنا مطلوبہ مفہوم کشید کیا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے پوری صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ درج اتم قتل اور فساد فی الارض کو چھوڑ کر موت کی سزا نہیں ہے۔“ گویا اس مقام پر غامدی صاحب نے اسی طرح قرآن کی معنوی تحریف کر دی ہے جیسے کوئی شخص قرآن کی سورہ النساء آیت 43 کی درج ذیل عبارت:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَإِنْتُمْ سُكْرٰى ۴۳﴾

(النساء: 43)

”اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ جب کہ تم نشے کی حالت میں ہو.....“
میں سے اُس کے آخری الفاظ ”وَأَتَّمْ سُكْرِي“ (جبکہ تم نشے کی حالت میں ہو) حذف کر کے اس سے یہ مفہوم نکالے کہ قرآن مجید مسلمانوں کو نماز کے قریب جانے سے روکتا ہے۔ ایسی جمارت صرف وہی شخص ہی کر سکتا ہے جس کے دل میں اللہ کا خوف نہ ہو اور جسے آخرت کی جواب وہی کا احساس نہ ہو۔

2- مذہب تفسیر بالرائے:

عائدی صاحب نے اسلامی شریعت میں موت کی سزا کے بارے میں بحث کرتے ہوئے پہلا کمال تو یہ دکھایا کہ آیت پوری نہیں دی کیونکہ مذکورہ آیت کے مضمون کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے جس کا کوئی تعلق اسلامی حدود و تغیریات سے نہیں۔ دوسرے، مذکورہ آیت بھی یہودیوں کے قانون قصاص سے تعلق نہیں ہے بلکہ اس قانون کے فلسفہ و حکمت کے بارے میں ہے جبکہ یہودیوں کا قانون قصاص قرآن میں اس طرح بیان ہوا ہے:

﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفُ
بِالْأَنْفِ وَالْأَذْنَ بِالْأَذْنِ وَالسِّنَ بِالسِّنِ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ
تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَارَةً لَهُ وَمَنْ لَمْ يَعْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ
الظَّالِمُونَ ۝﴾

(المائدۃ: 45)

”ہم نے یہودیوں کے لیے توریت میں لکھ دیا تھا کہ جان کے بد لے جان، آنکھ کے بد لے آنکھ، ناک کے بد لے ناک، کان کے بد لے کان اور دانت کے بد لے دانت اور اسی طرح زخموں کا بھی ویسا ہی بد لے لینا ہے۔ پھر جو کوئی معاف کر دے تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا اور جو اللہ کے نازل کیے

ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی ظالم ہیں۔“

سورہ المائدۃ کی جس آیت سے غامدی صاحب نے موت کی سزا کو صرف دو جرام تک محدود کر دیا ہے، اُس آیت کو دوسرے تمام مفسرین کی طرح ان کے استاد ”امام“ امین احسن اصلاحی بھی اسلامی حدود و تعریفات کا مأخذ نہیں سمجھتے بلکہ انہوں نے بھی اس آیت کے مضمون کو یہودیوں سے متعلق قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی تفسیر ”تدریب قرآن“ میں مذکورہ آیت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

﴿أَللّٰهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَانَمَا قُتِلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَانَمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾

”یہ اُس اصل حکم کا بیان نہیں ہے جو قصاص کے باب میں یہود کو دیا گیا بلکہ اس کی دلیل اور اس کی حکمت و عظمت بیان ہوئی ہے۔“ جان کے بد لے جان“ کا قانون تورات میں بھی ہے اور اس کا حوالہ سورہ میں بھی آگئے آ رہا ہے۔ یہاں چوں کہ مقصود یہود کی شرارت و شقاوت کو نمایاں کرتا ہے، اس وجہ سے قانون قصاص کا اصل فلسفہ بیان فرمایا گیا۔ یہود پر قتل نفس کی سُنگینی واضح کرنے کے لیے ان کو یہ حکم اس تصریح کے ساتھ دیا گیا تھا کہ ایک کا قاتل نفس کی سُنگینی واضح کرنے کے لیے ان کو یہ حکم اس تصریح کے ساتھ دیا گیا تھا کہ ایک کا قاتل سب کا قاتل اور ایک کا بچانے والا سب کا بچانے والا تھہرے گا۔ لیکن پھر وہ قتل اور فساد فی الارض کے معاملے میں بالکل بے باک ہو گئے۔“

(تدریب قرآن، جلد 2، صفحہ 503)

لہذا یہ غامدی صاحب کی تحریف قرآن اور مذموم تفسیر بالرائے کا شاشانہ ہے کہ انہوں نے المائدۃ کی آیت مذکورہ کو اس کے سیاقی کلام سے کاٹ کر اس کا صرف ایک تہائی تکڑا کر کر

کراس سے وہ معنی نکالے جو ان کے استاد "امام" سمیت آج تک کسی مفسر نے نہیں نکالے کہ اسلام میں موت کی سزا صرف دو جرائم پر دی جاسکتی ہے اور "اللہ تعالیٰ نے اسے پوری صراحت" سے بیان فرمادیا ہے جس کے بعد کسی فرد یا حکومت کو دو جرائم (قتل اور فساد فی الارض) کے سوا کسی اور جرم میں موت کی سزا دینے کا کوئی حق نہیں جبکہ اہل علم جانتے ہیں کہ قتل کے قصاص کا قانون تو سورۃ البقرۃ کی آیت 178 میں بیان ہوا ہے اور فساد فی الارض یا محاربہ میں موت کی سزا کا قانون سورۃ المائدۃ کی آیت 33 میں مذکور ہے۔

زیر بحث آیت کا موت کی سزا کے قانون سے تعلق نہیں۔ یہ تلub بالقرآن ہے جو غامدی صاحب کا مخالف ہے کہ وہ زنا کی سزاے رجم بھی المائدۃ 33 سے نکال لیتے ہیں۔

3۔ احادیث صحیحہ کا انکار:

غامدی صاحب نے اپنی مذکورہ عبارت کے ذریعے کئی احادیث صحیحہ کا انکار بھی کر دیا ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ صحیح احادیث (جو قواتر کی مانند ہیں) میں شادی شدہ زانی کے لیے رجم، یعنی سنگساری کی سزا موجود ہے جو کہ موت کی سزا ہے۔ اسی طرح احادیث صحیحہ میں مرتد کے لیے موت کی سزا مقرر ہے۔ غامدی صاحب نے ایک ہی سانس میں ان دونوں شرعی حدود کا انکار کر دیا ہے۔ ان کی یہ حرکت دیگر مفکرین حدیث کی طرح کا صریح انکار حدیث اور انکار سنت ہے اور قرآن و سنت کے باہمی تعلق کو ختم کرنے کی مذموم کوشش ہے۔ کیونکہ حدیث و سنت دراصل قرآن ہی کی شرح ہے اور جدت اور واجب الاطاعت ہے۔ مگر غامدی صاحب کا حال یہ ہے کہ وہ سنت سے ثابت شدہ بہت سے احکام کے مفکر ہیں۔

4۔ اجماع امت کا انکار:

غامدی صاحب کی مذکورہ عبارت میں اجماع امت کا انکار بھی پایا جاتا ہے کیونکہ اس

بات پر اجماع امت نہیں ہے کہ شریعت میں موت کی سزا صرف دو جرائم (قتل اور فساد) ہی پر ہے بلکہ اجماع امت کی رو سے شادی شدہ زانی اور مرتد دونوں کے لیے بھی موت کی شرعی سزا مقرر ہے اور ان دونوں جرائم شادی شدہ شخص کے زنا اور ارتداو کی سزا نے موت کے غامدی صاحب منکر ہیں۔

5۔ اسلامی شریعت کا انکار:

غامدی صاحب کا یہ دعویٰ کہ صرف دو جرائم ہی پر موت کی سزا ہے یا تو اسلامی شریعت سے ناداقیت کا نتیجہ ہے یا پھر خانہ ساز شریعت ایجاد کرنے کے شوق کا شاخانہ ہے کیونکہ شریعت اسلامیہ میں صرف مذکورہ دو جرائم (قتل اور فساد) ہی پر موت کی سزا مقرر نہیں ہے بلکہ اور بھی کئی جرائم پر موت کی سزا مقرر ہے، جیسے شادی شدہ زانی کے لیے سنگاری اور مرتد کے لیے سزا نے موت۔ لہذا غامدی صاحب نے اپنی مذکورہ عبارت کے ضمن میں اسلامی شریعت کے حدود و تغیریات کا بھی انکار کر دیا ہے۔

خلاصہ کلام : منکر حدیث جناب جاوید غامدی کا یہ نظریہ بالکل غلط ہے کہ موت کی سزا قرآن کی رو سے قتل اور فساد فی الارض کے سوا کسی جرم میں بھی نہیں دی جاسکتی۔ پورے قرآن مجید میں کہیں بھی اس طرح کی کوئی تحدید نہیں کی گئی کہ ان دو جرائم کے سوا اللہ تعالیٰ کے قانون میں کسی فرد یا حکومت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی شخص کو موت کی سزا دے۔ اگر غامدی صاحب کے مذکورہ نظریہ کو مان لیا جائے تو معاذ اللہ اس قرآنی حکم کی سب سے پہلی نافرمانی خود حضرت محمد ﷺ نے کی جنہوں نے عملی طور پر شادی شدہ زانیوں اور مرتدوں کو بھی موت کی سزا دی۔ العیاذ باللہ!

6۔ تحریف قرآن کی چند دیگر مثالیں:

غامدی صاحب کے ہاں تحریف قرآن، تلub بالقرآن اور مذموم تفسیر بالرأي کی

مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ ذیل میں ہم ان کی کتاب ”البيان“ سے چند آیات کا ترجمہ و تفسیر پیش کرتے ہیں:

1۔ سورۃ الہب میں ﴿تَبَّ يَدَا أَبِي لَهَبٍ﴾ کا ترجمہ یہ کیا ہے:
”ابو لهب کے بازوں کو گھٹے۔“

پھر اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:
”یعنی اس کے اعوان و انصار ہلاک ہوئے۔“

(البيان، صفحہ 260، تاریخ اشاعت ستمبر 98، لاہور)

2۔ سورۃ الاخلاص میں ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:
”وہ اللہ سب سے الگ ہے۔“

(البيان، صفحہ 261)

3۔ سورۃ الفیل میں ﴿تَرْمِيهِمْ بِعِجَارَةٍ مِّنْ سِجْنِيلٍ﴾ کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ:
”تو کپی ہوئی مٹی کے پھر انھیں مار رہا تھا۔“

(البيان، صفحہ 240)

4۔ سورۃ البروج میں ﴿فَيْلَ أَصْبَحَ الْأَحْدُودُ ۝ النَّارُ ذَاتُ الْوَقُودِ﴾ کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ:
”مارے گئے ایندھن بھری آگ کی گھانی والے۔“

(البيان، صفحہ 157)

اور پھر اس کی تفسیر یوں فرمائی ہے کہ:

”یہ قریش کے آن فرعونہ کو جہنم کی دعید ہے جو مسلمانوں کو ایمان سے پھیرنے کے لیے ظلم و تم کا بازار گرم کیے ہوئے تھے۔ انھیں بتایا گیا ہے کہ وہ اگر اپنی اس روشن سے بازنہ آئے تو دوزخ کی اس گھانی میں پھینک دیے جائیں گے جو

ایندھن سے بھری ہوئی ہے۔ اس کی آگ نہ کبھی دھیکی ہوگی اور نہ بجھے گی۔“

(البيان: صفحہ 157)

اس طرح جاوید احمد عائدی صاحب آج تک کبھی پس پرداز اور کبھی پرداز سکریٹ پر آ کر تحریف قرآن کی رسم زندہ رکھے ہوئے ہیں، فتنہ انکار حدیث کی آبیاری کر رہے ہیں، روشن خیال اعتدال پسندی (Enlightened Moderation) کی تھیک تھیک نمائندگی فرمائے ہیں اور دین اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کرنے میں مصروف ہیں۔



5۔ سورۃ الفیل کی غلط تاویل

قرآن مجید کی سورۃ الفیل میں اصحاب الفیل (ہاتھی والوں) کے جس واقعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی صحیح، منتقد اور مجمع علیہ تفسیر میں بھی عامدی صاحب نے اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

اصل واقعہ جس پر سلف سے خلف تک، تمام مفسرین کرام کا اتفاق اور اجماع ہے، مختصر طور پر یہ ہے کہ یمن کا ایک متعصب عیسائی حکمران ابراہہ ساٹھ ہزار کا شکر لے کر ہاتھیوں کے ہمراہ خانہ کعبہ پر حملہ آور ہوا تاکہ اسے سماڑ کر دے۔ قریش مکہ اتنے بڑے شکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، اس لیے وہ اس موقع پر قریب پہاڑوں میں چلے گئے۔ جب وہ شکر مزدلفہ اور مشی کے درمیان وادی مُخْسَر میں پہنچا تو اچانک ایک طرف سے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ نمودار ہوئے، جنہوں نے اس شکر پر سنگ ریزوں اور کنکروں کی بارش کر دی۔ اس کے نتیجے میں ہاتھیوں سمیت پورا شکر تباہ و بر باد ہو گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے خانہ کعبہ کی حفاظت فرمائی اور ابراہہ کا منصوبہ ناکام بنا دیا گیا۔ یہ واقعہ اسی سال پیش آیا جس میں حضرت محمد ﷺ کی ولادت با سعادت ہوئی تھی۔

اصحاب فیل کے واقعے کی اس تفسیر پر تمام مفسرین کرام کا چودہ سو برس سے اتفاق اور اجماع موجود ہے۔ اس کے برعکس جناب جاوید احمد عامدی صاحب سورۃ فیل کا درج ذیل ترجمہ اور تفسیر فرماتے ہیں:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿أَلْمَ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبِّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيلِ ۝ أَلْمَ يَجْعَلُ كَيْدَهُمْ
فِي تَضْلِيلٍ ۝ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طِيرًا أَبَايِيلَ ۝ تَرْمِيْهُمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ

سِجْيُلٌۤ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفِ مَأْكُولٍۤ ۝

”اللہ کے نام سے جو سر اسر رحمت ہے، جس کی شفقت ابدی ہے۔“

”تو نے دیکھا نہیں کہ تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں سے کیا کیا؟ ان کی چال کیا اُس نے اکارت نہیں کر دی؟ اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے مسلط نہیں کر دیے؟ (اس طرح کہ) تو پکی ہوئی منی کے پھر انھیں مار رہا تھا اور اُس نے انھیں کھایا ہوا بھوسا بنا دیا۔“

(البيان، صفحہ 239، مطبوعہ جوری 2000ء)

اس ترجیح میں سب سے پہلے الرّحِیْم کے ترجیح ”جس کی شفقت ابدی ہے“ کی انفرادیت کی داد دیجیے گا اور اس کے بعد (تَرْمِيْهُمْ بِحَجَازَةِ مِنْ سِجْيُلٍ) کے ترجیح ”(اس طرح کہ) تو پکی ہوئی منی کے پھر انھیں مار رہا تھا۔“ پر سرو ہنسنے گا۔

پھر ذرا ان تفسیری حواشی پر بھی نظر ڈالیے جو جناب جاوید غامدی صاحب نے تحریر فرمائے ہیں۔ پہلی آیت کی وضاحت فرماتے ہوئے، انہوں نے لکھا ہے کہ:

یمن کا نائب السلطنت ابرہہ جب نوہا تھیوں اور سائٹھہ ہزار کا لشکر لے کر بیت الحرام کو ڈھادیئے کی غرض سے مکہ پر حملہ آور ہوا، تو قریش کھلے میدان میں، اُس کے مقابلے کی طاقت نہ پا کر منی کے پہاڑوں میں چلے گئے، اور وہیں سے انہوں نے اس لشکر جرار پر سنگ باری کی۔ اُن کی یہ مدافعت، ظاہر ہے کہ انہیائی کمزور تھی، لیکن اللہ پروردگار عالم نے اپنی قوت قاہرہ اس میں شامل کر دی اور اس کے نتیجے میں ہوا کے تندو تیز طوفان (حاصل) نے ابرہہ کی فوجوں کو اس طرح پامال کیا کہ وادیِ محصب میں پرندے دنوں اُن کی نعشیں نوچے رہے۔ اُس زمانے کے ایک شاعر ابو قیس نے کہا ہے:

فَأَرْسَلَ مِنْ رَبِّهِمْ حَاصِبٍ

يَلْفَهُمْ مَثْلُ لَفِ الْقَزْمِ

”پھر ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر حاصب بھیگی گئی جو خس دشاشک کی

طرح انھیں پیش چلی جاتی تھی۔“

”تو نے دیکھا نہیں، میں واحد کے صینے سے خطاب کا جو اسلوب اس آیت میں ہے، یہ بالعموم اُس وقت اختیار کیا جاتا ہے، جب مخاطبین کے ایک ایک شخص کو فرد اور اُمّۃ متوجہ کرنا پیش نظر ہو۔“

(البیان، صفحہ 239)

اس کے بعد تیسرا آیت کی تشریع میں لکھتے ہیں کہ:

”یہ ابر ہے کی فوجوں کی بے بُحی سے کنایہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ساف و حاصب کے طوفان سے انہیں اس طرح پامال کیا کہ کوئی اُن کی لاشیں اٹھانے والا بھی نہ رہا۔ وہ میدان میں پڑی تھیں اور گوشت خور پرندے انھیں نوچنے اور کھانے کے لیے، اُن پر جھپٹ رہے تھے۔“

(البیان، صفحہ 240)

پھر آگے چل کر آیت 4 کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”اصل میں تَرْمِيْهُم ہے۔ یہ اس سے پچھلی آیت میں عَلَيْهِم کی ضمیر مجرور سے حال واقع ہوا ہے۔ ہوا کہ تند و تیر تھیڑوں کے ساتھ ابر ہے کے لشکر پر آہان سے جو سنگ باری ہوئی، اس کے لیے اگر غور کیجیے تو یہ لفظ نہایت صحیح استعمال ہوا ہے۔ پرندوں کے پتھر پھینکنے کے لیے، جس طرح کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے، اسے کسی طرح موزوں قرار نہیں دیا جاسکتا۔“

(البیان، صفحہ 240)

پھر آگے چل کر آیت 54 کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”اصل میں كعصف مأكول کے الفاظ آئے ہیں۔ کسی چیز کا نام اُس کے انجام کے لحاظ سے رکھنا عربی زبان کا ایک معروف اسلوب ہے۔ یہ اسی نوعیت کی ترکیب ہے اور آیت کا مدعایہ ہے کہ تمہاری مدافعت اگرچہ ایسی کمزور تھی کہ تم

پہاڑوں میں چھپے ہوئے انہیں سنکر پھر مار رہے تھے، لیکن جب تم نے حوصلہ کیا اور جو کچھ تم کر سکتے تھے، کر ڈالا تو اللہ نے اپنی سنت کے مطابق تمہاری مدد کی اور ساف و حاصل کا طوقان بھیج کر اپنی ایسی شان دکھائی کر انہیں کھایا ہوا بھوسا بنادیا۔“

(البيان، صفحہ 241)

غامدی صاحب نے سورۃ الفیل کی تفسیر فرمائی ہے وہ قرآن کے نظائر، اجماع امت اور تاریخ و کلام عرب کے خلاف ہے، اس لیے ناقابل قبول ہے۔ اب ہم اپنے نقطہ نظر کو تفصیل سے پیش کریں گے۔

1- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تفسیر:

سب سے پہلے ہم اس سورہ کی تفسیر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کو دیکھتے ہیں:

1۔ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں صحیح بخاری کی اس حدیث ((إِنَّ اللَّهَ حِسْنٌ عَنْ مَكَةِ الْفَيْلِ)) کی شرح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقش کیا ہے کہ:

((وَأَخْرَجَهُ أَبْنُ مَرْدُوِيَّهِ بِسَنْدِ حَسْنٍ عَنْ عَكْرَمَةَ، عَنْ أَبْنِ عَبَّاسٍ

قَالَ: جَاءَ أَصْحَابُ الْفَيْلِ حَتَّى نَزَلُوا الصَّفَاحَ وَهُوَ بَكْسُ الْمَهْمَلَةِ

ثُمَّ فَاءَ ثُمَّ مَهْمَلَةً مَوْضِعَ خَارِجِ مَكَةَ مِنْ جَهَةِ طَرِيقِ الْيَمَنِ، فَأَتَاهُمْ

عَبْدُ الْمُطَلَّبَ فَقَالَ: إِنَّ هَذَا بَيْتَ اللَّهِ لَمْ يَسْلُطْ عَلَيْهِ أَحَدًا، قَالُوا لَا

نَرْجِعُ حَتَّى نَهْدِمَهُ، فَكَانُوا لَا يَقْدِمُونَ فِيهِمْ إِلَّا تَأْخِرُ، فَدَعَا اللَّهُ

الْطَّيْرَ الْأَبَابِيلَ فَأَعْطَاهَا حِجَارَةً سُودَاءً فَلَمَّا حَادَتْهُمْ رَمَتُهُمْ فَمَا

بَقَى مِنْهُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَخْذَتْهُ الْحَكَّةُ فَكَانَ لَا يَحْلُّ أَحَدٌ مِنْهُمْ جَلَدَهُ

إِلَّا تَسَاقَطَ لَحْمَهُ)).

(جلد 15، صفحہ 255، مطبوعہ بیروت)

”اور ابن مددویہ نے عکرمه سے اور انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے حسن سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ ہاتھیوں والے آئے اور وہ صفاح کے مقام پر پہنچ گئے جو مکہ سے باہر (مضافات میں) یمن کے راستے پر ایک جگہ کا نام ہے۔ عبدالمطلب ان کے پاس گئے اور ان سے کہا: ”یا اللہ کا گھر ہے جس پر وہ کسی اور کو مسلط نہیں ہونے دیتا۔“ وہ بولے: ”ہم اس کو گرانے بغیر واپس نہ جائیں گے۔“ ان کے ہاتھی آگے نہیں بڑھ رہے تھے۔ اس وقت اللہ نے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بلا لیے، ان کو سیاہ کنکردے دیے۔ پھر جب وہ کنکر کے پاس پہنچے تو انہوں نے ان پر کنکر بر سائے (جس سے وہ سب مر گئے) اور جو کوئی نجیگیا تو اسے خٹکہ (جلد کی بیماری) نے آلیا جس سے اس کے جسم کا گوشت اس سے الگ ہو کر گرجاتا تھا۔“

2۔ امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر میں سورۃ الفیل کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

((روی عن عکرمة عن ابن عباس، قال: لما أرسل الله العجاجة على أصحاب الفيل لم يقع حجر على أحد منهم إلا نفط جلده وثار به الجدر.)

(ج 32، ص 100، مطبوعہ تہران)

”عکرمه نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں پر کنکر بھیجے تو ان میں سے جس کو وہ کنکر لگا، اس کی کھال گلنے لگی اور اس کو جدری (جلد کی بیماری) نے آلیا۔“

اب ظاہر ہے قرآن کی جس تفسیر کو رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث مجمل طور پر بیان کر رہی ہو، اسی حدیث کی تشریح ایک بیل القدر صحابی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمادی ہے ہوں تو پھر اس تفسیر میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھیوں کو مکہ جنپنے سے روک دیا اور

پرندوں کے گنگر پھینکنے کے ذریعے ان کو تباہ کر دیا تھا اور اس دعویٰ کا کیا جواز رہتا ہے کہ ہاتھیوں کا لشکر تو قریش کے پھراو سے بر باد ہوا اور پرندے صرف ان کی لاشوں کو کھانے کے لیے آئے تھے۔

2- قرآن کا اسلوب بیان:

سب سے پہلے اس سورہ میں قرآن مجید کے اسلوب بیان پر غور کریں تو آغاز میں **اللَّمْ تَرَ** (کیا تو نے نہیں دیکھا) کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ اسلوب بیان قرآن میں عموماً غیر معین مخاطب کے لیے آتا ہے۔ جسے اصطلاح میں خطاب لغير معین کہا جاتا ہے اور یہ استفهام انکاری کے طور پر آتا ہے۔ اس اسلوب میں کوئی خاص فرد یا گروہ مخاطب نہیں ہوتا بلکہ عام انسانوں سے خطاب کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن میں ہے کہ:

﴿اللَّمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ﴾

(الفجر: 6)

”کیا تو نے دیکھا کہ تیرے رب نے قومِ عاد سے کیا سلوک کیا۔“

ایک اور مثال یہ ہے کہ:

﴿اللَّمْ تَرَ إِلَى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَ الظَّلَّ﴾

(الفرقان: 45)

”کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے سائے کو کیسے پھیلا�ا ہے۔“

اس طرح سورہ فیل کے شروع میں بھی **اللَّمْ تَرَ** کا خطاب کسی خاص فرد یا گروہ کے لیے نہیں ہے۔ لہذا اس سے خاص قریش کو مخاطب مانا ہرگز درست نہیں ہے۔

3- تفسیر القرآن بالقرآن:

قرآن کی تفسیر کا سب سے عوہدہ اور اعلیٰ اصول جسے سب جانتے ہیں، یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے۔ اس اصول کے مطابق جب ہم سورہ فیل پر غور کرتے ہیں تو

اس کی کئی تغیریں موجود ہیں۔
۱۔ پہلی تغیری ہے:

﴿أَلْمَ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادِ ۵﴾

(الفجر: 6)

”کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے قوم عاد سے کیا سلوک کیا۔“

یہ آیت اپنے انداز بیان ہی سے واضح کر رہی ہے کہ قوم عاد کے لیے جس عذابِ الہی کی طرف اشارہ ہے، اس میں کسی انسانی کوشش اور کسب کا کوئی دخل نہیں ہے۔ قوم عاد پر جو عذاب بھیجا گیا وہ کوئی انسانی فعل نہیں تھا بلکہ سراسر قدرتِ الہی کا کرشنا تھا۔

﴿أَلْمَ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادِ ۵﴾ ”کیا تو نے دیکھا کہ تیرے رب نے کیا کیا۔“ کے اسلوب سے واضح ہے کہ اس کے ضمن میں واقع ہونے والے فعل کا فاعل صرف رب ہی ہے۔ بالکل اسی طرح سورہ فیل کے شروع میں بھی پہلی آیت یوں ہے کہ:

﴿أَلْمَ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِإِصْلَحِ الْفِيلِ ۵﴾

(الفیل: 1)

”کیا تو نے دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔“

اس آیتِ زیرِ بحث کا اسلوب بیان بھی اس امر کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ آگے جو فعل بیان ہوگا اس کا فاعل صرف رب ہے، بندوں کے فعل کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ لہذا اصحاب فعل کے واقعے کی تغیریں ابرہہ کے لشکر کو جاہ کرنے میں بندوں کا خواہ وہ قریش ہوں یا کوئی اور، قطعاً کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ قریش کے کسی فعل کو بیان کرنے کے لیے یہ اسلوب بالکل مناسب نہیں ہے۔

۲۔ دوسرا تغیری ہے:

﴿أَلْمَ تَرَ إِلَى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَ الظَّلَّ﴾

(الفرقان: 45)

”کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے سائے کو کیسے پھیلایا ہے۔“

ظاہر ہے اشیا کا سایہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے گھٹتا بڑھتا ہے اور سورج کی روشنی کے مختلف زاویوں سے بدلتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت میں انسانی فعل اور کوشش کا کوئی دخل نہیں۔ یہاں بھی اسلوب بیان وہی ہے جو سورہ فیل کے شروع میں بیان ہوا ہے۔

ج) تیری نظر یہ ہے:

﴿أَوْلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبَدِّيُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ﴾

(العنکبوت: 19)

”کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح پہلی بار پیدا کرتا ہے اور پھر دوبارہ پیدا کرے گا۔“

یہ حقیقت ہے کہ اشیاء کو پہلی بار پیدا کرنا اور دوبارہ پیدا کرنا، صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت و صنعت ہے، اس میں انسانی محنت اور کوشش کا کوئی دخل نہیں۔

اس آیت کا انداز بیان بھی سورہ فیل کی مذکورہ آیت جیسا ہے، لہذا اصحاب فیل کی تباہی و بر بادی میں بھی قریش یا دوسرے انسانوں کی کسی کوشش کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔

د) چوتھی نظر یہ ہے:

﴿إِنَّمَا تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَوَاتٍ طِبَاقًا ۝ ۵﴾

(نوح: 15)

”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کس طرح اوپر تلنے سات آسمان پیدا کیے ہیں۔“

اب ظاہر ہے کہ جس طرح سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر تلنے پیدا کرنے میں کسی انسان کے کسب و فعل کو دخل نہیں، اسی طرح سورہ فیل میں بھی اس کے آغاز کے اسلوب بیان میں اصحاب فیل کی تباہی و بر بادی میں قریش کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔

4- اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ کے معنی:

قرآن میں جہاں کہیں کسی قوم کی بلاکت و برباد کے سلسلے میں اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ کے الفاظ آئے ہیں، وہاں اس کے بعد آنے والا اسم اس قول کی بلاکت و بربادی کی شکل کے طور پر آیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی کو عذاب کی صورت قرار دیا ہے۔ قرآن میں اس کی کئی مثالیں ہیں:
 الف: پہلی مثال یہ ہے:

﴿وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴾ ۵۰

(الذاريات: 41)

”اور عاد کے بارے میں، جب ہم نے ان پر مخصوص آندھی چلا دی۔“

اس مقام پر جس طرح اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ کے بعد جو الرِّيحَ الْعَقِيمَ (مخصوص آندھی) ہے، وہ قوم عاد پر عذاب کی شکل ہے جس سے ان کی بلاکت و بربادی ہوئی۔ بالکل اسی طرح ﴿وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلٍ﴾ ”اور ہم نے ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ مسلط کر دیے۔“ میں بھی اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ کے بعد جو طَيْرًا أَبَابِيل (جھنڈ کے جھنڈ پرندے) آیا ہے تو یہی عذاب الہی کی وہ صورت ہے جس کے ذریعے اصحاب فیل کی تباہی و بربادی ہوئی۔ اس کے باہر عذاب کا کوئی اور سبب تلاش کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ب: دوسرا مثال یہ ہے:

﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْغَرِمٍ ﴾

(سبا: 16)

”پھر ہم نے ان پر بند کا سیلاب مسلط کر دیا۔“

اس مقام پر بھی قوم سبا جس ذریعے اور سبب سے بلاک ہوئی وہ سَيْلَ الْغَرِم ہے جو اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ کے فوراً بعد آیا ہے۔ بالکل یہی انداز سورہ فیل کا بھی ہے۔

ج: تیسرا مثال یہ ہے:

﴿ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ ﴾ ۵۰

(الذاريات: 33)

”تاکہ ہم ان پر گھنگر کے پھر برسائیں۔“

اس جگہ پر قومِ لوط علیہنہ کی تباہی کا ذکر کرتے ہوئے لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ (تاکہ ہم ان پر مسلط کر دیں) کے بعد حجارةً مِنْ طِينٍ (گھنگر کے پھر) آیا ہے جو کہ قومِ لوط کی ہلاکت و برپادی کی شکل ہے۔ بالکل یہی معاملہ سورہ قیل میں بھی ہے۔ وہاں بھی وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طِينًا أَبَابِيلَ میں طیزراً ابَابِيلَ ہی اصحابِ قیل کی تباہی کی صورت اور ذریعہ بنے ہیں نہ کہ قریش کا پھر ادا کچھ اور۔

5- تَرْمِيهِمْ کا مفہوم

غامدی صاحب تَرْمِيهِمْ میں فعل کا فاعل قریش کو قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کا سرے سے اس سورت میں کہیں ذکر نہیں اور یہ ان کی ٹھنڈی اختراض اور انتہج کے سوا کچھ نہیں۔

ہم اس سے پہلے واضح کر چکے ہیں کہ الْمُتَرَكَ خطاب عام اور غیر معین ہوتا ہے۔ اس سے کوئی خاص گروہ مراد لینا قرآنی اسلوب کے خلاف ہے۔ اس لیے یہاں قریش خطاب نہیں ہو سکتے۔ بلکہ ان کو یہاں مخاطب سمجھنا قرآن مجید کی معنوی تحریف کے زمرے میں آتا ہے۔ سیدھی بات یہ ہے کہ تَرْمِيهِمْ میں فاعل کی ضمیر اپنے قریبی مرجع طیزراً ابَابِيلَ کی طرف لوٹتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ پرندوں کے جھنڈہی تھے جو ہاتھی والوں پر گنگریاں پھینکتے تھے اور جس کے نتیجے میں اصحابِ قیل تباہ ہوئے۔

اس مقام پر ایک اور لغوی نکتہ نکالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کہ عربی زبان میں ری کا فعل کسی چیز کو صرف بازو یا فلاخن (بازو سے گھما کر کسی چیز کو غلیل کی طرح دور تک پھینکنے والا آلہ) کے ذریعے پھینکنے کے معنوں میں آتا ہے اور یہ لفظ اور سے کسی چیز کو گرانے کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ لیکن ان لوگوں کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عربیت میں ری کا

لفظ کئی معنوں میں آتا ہے۔ اس کے معنی کسی چیز کو ہاتھ یا فلاخن سے پھینکنے کے بھی ہیں اور بلندی سے نشانہ پاندھ کر کوئی چیز نیچے گرانے کے معنی بھی ہیں۔ اصل میں اس لفظ کے مفہوم میں بلندی یا پستی کا کوئی مفہوم شامل نہیں بلکہ اس لفظ کا بنیادی مفہوم کسی چیز کا نشانہ لے کر اس پر کوئی شے پھینکنا ہے۔ اہل عرب آج تک اس کا اور بمبار طیاروں کی گولہ باری اور بمباری سے لیے بھی یہی رمی کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ قرآن میں رمی کے مجازی معنی کسی پر تہمت لکانے، الزام تراشی کرنے اور بہتان طرازی کرنے کے بھی آئے ہیں، جیسا کہ سورہ نور میں ہے کہ:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُعْصَنَتِ ۚ﴾

(النور: 4)

”اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر (زنائی) تہمت لگاتے ہیں۔“

الہزاری کے لفظ کو صرف بازو اور فلاخن کے ذریعے کسی چیز کے پھینکنے کے معنوں میں محمد و اور مختصر سمجھنا عربیت کے خلاف ہے۔

6۔ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِيلٍ کے معنی:

تفسیر کا یہی طریقہ سب سے عمده اور مستند ہے کہ پہلے قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے۔ اس لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِيلٍ کے الفاظ اسی انداز میں صرف دوبار آئے ہیں اور دونوں مقامات پر ان سے مراد ”عذاب الہی کے پھر“ ہیں نہ کہ انسانوں (یا قریش) کے پھینکنے ہوئے پھر۔

پہلی جگہ یہ الفاظ سورہ ہود کی آیت 82 میں اس طرح آئے ہیں کہ:

﴿فَلَمَّا جَاءَهُمْ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالَيْهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِيلٍ مَنْضُودٍ ۝﴾

(ہود: 82)

”پھر جب ہمارا حکم آن پہنچا تو ہم نے اس (بستی) کی بلندی کو پختی بنا دیا اور ہم نے وہاں ٹھنگر کے پتھر بر سادے۔“

یہ قومِ لوط پر عذابِ الٰہی کی کیفیت کا بیان ہے۔ اس بِ حَجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ کے الفاظ، اُنچھ طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے عذاب کے پھروں کے لیے آئے ہیں۔ ان سے انسانوں کے پھینکنے ہوئے پتھر یہاں کسی صورتِ مراد نہیں لیے جاسکتے۔

دوسرے مقام پر یہی الفاظ سورۃ الحجر کی آیت 74 میں آئے ہیں:

﴿فَجَعَلْنَا عَالِيَّهَا سَاقِلَهَا وَأَنْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ﴾

”پھر ہم نے اس (بستی) کو زیر وزبر کر دیا اور ان لوگوں پر ٹھنگر کے بر سادے۔“

اس جگہ بھی ﴿ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ﴾ کے الفاظ انسانوں کے پھینکنے ہوئے پھروں کے مفہوم میں نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کی صورت میں بر سائے گئے ان پھروں کے لیے استعمال ہوئے ہیں جن کے ذریعے قومِ لوط کو تباہ و بر باد کر دیا گیا تھا۔ بالکل یہی الفاظ ﴿ بِحَجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ ﴾ جب سورۃ الفیل میں بھی آئے ہیں تو ہم کیوں نہ ان سے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابرہہ کے لشکر پر عذاب کی صورت میں بر سائے گئے پتھر مراد لیں جو ان پر پرندوں کے ذریعے پھینکنے گئے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس لشکر پر مسلط کر دیا تھا۔ جب یہاں قرآن کی تفسیر قرآن سے ہو سکتی ہے تو کیوں ان الفاظ کی دو راز کا رتاؤ لیں کرنی شروع کر دی جائیں۔

7۔ حَاصِبٌ لِّيَتَنِي سُخْتَ آنَدْھِي:

غادی صاحب یہ کہتے ہیں کہ اصحابِ فیل کا لشکر تباہ کرنے میں دو عناصر کا فرماتھے: ایک فریش کی طرف سے پتھر پھینکنا اور دوسرے بعد میں اچانک سخت آندھی (حاصب) آ جانا، مگر یہ تاویل کمی لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔

الف: اول یہ کہ اس آندھی (حاصب) کے آنے کا کوئی ذکر سورۃ فیل میں نہیں آیا ہے صرف

پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیجے جانے کا ذکر آیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان میں سے کون سی تاویل اختیار کی جائے: وہ جسے قرآن بیان کرتا ہے یادہ جسے قرآن بیان نہیں کرتا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اصحابِ فیل کی تباہی میں آندھی (حاصل) کا عصر شامل کرنا ایک غلط تاویل ہے اور یہ ایک من گھرست افسانے سے زیادہ نہیں۔

ب: منی کی پیاریوں سے قریش کا دادی محسّر میں پھر چینک لینا یوں بھی ممکن نہیں، جو لوگ حج کی سعادت حاصل کر چکے ہیں، وہ ان دونوں وادیوں کی وسعت سے بخوبی واقف ہیں۔

ج: تیرے یہ کہ اللہ تعالیٰ سے اگر یہ ممکن ہے کہ وہ بے جان ہوا میں اتنی طاقت پیدا کر سکتا ہے جس کے ذریعے کوئی لشکر تباہ ہو جائے تو کیا اللہ تعالیٰ سے یہ ناممکن ہے کہ وہ جاذدار پرندوں کے چینکے ہوئے سنگریزوں کے ذریعے کسی لشکر کو برباد نہ کر سکے۔ کیا یہ بات آج ایسی دور کے انسان کی عقل سے بالاتر ہے کہ اللہ تعالیٰ بلندی سے پھرلوں کو گرا کر ان سے چھوٹے چھوٹے ایتم بھوں کا کام نہیں لے سکتا۔ افسوس ایسی انسانی عقل پر جو کہ ایک جگہ مجرمے کا انکار کر دیتی ہو اور دوسری جگہ مجرمے کا اقرار کر لیتی ہو۔

8۔ نصرتِ الہی کا قانون:

عامدی صاحب کہتے ہیں کہ اصحابِ فیل کے واقعہ کو بھی اللہ تعالیٰ کی اس سنت کی روشنی میں سمجھنا چاہیے کہ افراد کی جدوجہد ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان کی مد کرے گا۔ اگر بندے کوئی کوشش نہ کریں گے تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی کوئی مدد نہیں کرے گا۔

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت نصرت و تائید بندوں کی کوشش کے ساتھ ہر حال میں مشروط نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ایسے بکثرت واقعات موجود ہیں اور تاریخ اسلام بھی اس پر شاہد ہے کہ کئی بار ایسا ہوا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ اس کے کمزور اور عاجز بندے کسی بوجہ اور ذمہ داری کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے تو وہ اپنے خاص فضل و کرم سے بندوں کو ان کی سعی و

کوشش کے بغیر ہی اپنی تائید و نصرت سے نوازتا ہے۔

مثال کے طور پر جب سیدنا ابراہیم ﷺ کو آگ کے الاو میں ڈالا گیا تھا تو اس وقت ان کی کون سی سعی و کوشش تھی جس کے نتیجے میں وہ آتش نرود سے محفوظ رہے؟ حضرت خلیل اللہ ﷺ کی وہ کون سی جدو جہد تھی جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس آتش کدے کو سرد کر دیا تھا۔ یا جب حضرت یوسف ﷺ مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے تو ان کی وہ کون سی کوشش اور عملی جدو جہد تھی جس کے نتیجے میں ان کو وہاں سے نجات ملی؟ اگر یہ کہا جائے کہ انہوں نے اس مصیبت کے وقت دعا اور تسبیح کی تھی تو یہی دعا واقعہ اصحاب فیل میں بھی موجود ہے۔

تفیر ابن کثیر میں ہے کہ عبدالمطلب اور دوسرے سرداران قریش نے خانہ کعبہ کے دروازے پر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ ان کو ابرہہ کے لشکر کے خطرے سے بچائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور قریش کو اس آفت سے نجات دلائی۔

یا پھر جب حضرت محمد ﷺ مکہ سے ہجرت فرماتے وقت اپنے گھر سے نکل رہے تھے اور اس گھر کا حاصرہ شمشیر بردار جوانوں نے کر رکھا تھا تو اس وقت نبی ﷺ نے اپنے تحفظ کے لیے کون سی عملی کوشش فرمائی تھی جس کے نتیجے میں آپ ﷺ دشمن کی آنکھوں میں دھول جھوک کر گھر سے بحفاظت نکل گئے تھے۔

اور یہ تو انفرادی واقعات کی مثالیں تھیں۔ اجتماعی صورت میں بھی اللہ تعالیٰ کی نصرت کا قانون صرف وہ نہیں جو غامدی صاحب نے کبھی رکھا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب موسیٰ ﷺ اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل مصر سے نکل کر فلسطین جا رہے تھے اور ان کے آگے بحیرہ قلزم کی موجودیں اور پیچھے فرعون کی فوجیں تھیں تو اس وقت وہ کون سی عملی جدو جہد تھی جس کے نتیجے میں حضرت موسیٰ ﷺ اور آپ کے ساتھی سندر کو بحفاظت پار کر گئے اور فرعون اپنے لشکروں سمیت غرق ہو گیا تھا؟

غامدی صاحب اس واقعے کی جست سے تاویل کریں گے کہ اس وقت بحر قلزم کے مد و جزر کی وجہ سے موسیٰ ﷺ اور بنی اسرائیل تو بسلامت پار آتے گئے لیکن انہی فرعون اور اس

کے لشکروں کو سمندر کی اس صورتِ حال کا علم نہیں ہو سکا اور وہ مدد جزر کی زد میں آ کر غرق ہو گئے تھے۔ مگر یہ تاویل قرآن کے صریح الفاظ اور فصوص کے اس قدر خلاف ہے اور عقلی اعتبار سے اتنی بھونڈی ہے کہ اس کی تردید کی ضرورت نہیں۔

9۔ تاریخِ دلکلامِ عرب کی شہادت:

خود تاریخِ دلکلامِ عرب کی شہادت بھی سورہ فیل کی متفقہ اور مجموعہ علیہ تفسیر کی تائید کرتی ہے کہ پرندوں کی سُنگ باری ہی سے ابر ہدہ کا لشکر تباہ ہوا تھا۔

نقیل بن حبیب، جو کہ قبیلہ ثمُم سے تعلق رکھتا تھا اور جس نے ایک موقع پر ابر ہدہ کے لشکر کی رہنمائی بھی کی تھی، اس موقع پر کہتا ہے کہ:

حَمْدُ اللَّهِ إِذَا أَبْصَرُتْ طَيْرًا

وَجِفْتُ حِجَارَةً تُلْقَى عَلَيْنَا

”جب میں نے پرندوں کو دیکھا تو اللہ کی تعریف کی اور ان پھردوں سے ڈرا جو ہم پر چھکنے جا رہے تھے۔“

(محمد شکری آلوی، بلوغُ الارب، 1/545، ترجمہ ڈاکٹر بیرون حسن، لاہور، 1967ء)

اسی طرح عبد اللہ بن قیس جو کہ قبیلہ بن عامر بن لوی بن غالب سے تھا، اس نے اس داقعے کے بارے میں یہ اشعار کہے تھے:

كَادَةُ الْأَشْرَمِ الَّذِي جَاءَ

بِالْفَيْلِ فَوْلَى وَجِيْشَهُ مَهْرُومٌ

وَاسْتَهَلَّتُ عَلَيْهِمُ الطَّيْرُ

بِالْجَنْدَلِ حَتَّى كَانَهُ مَرْجُومٌ

”(ابر ہدہ) اشرم نے جو تھی لے کر آیا تھا اس کعبے کے خلاف چال چلی مگر اس کی فوج کو ٹکست ہو گئی اور وہ پیٹھے دکھا کر لوٹ گیا۔ پرندوں نے ان پر پھردوں

سے بله بول دیا اور اس کی حالت یہ ہو گئی کہ گویا اسے سلگار کر دیا گیا ہے۔“

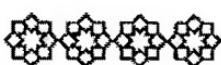
(بلوغ الارب، جلد اول، صفحہ 552)

10- اجماع امت کے خلاف:

غامدی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن و سنت کے جن تفسیری امور پر اجماع امت ہے، اُس کے خلاف کوئی تاویل جائز نہیں۔ ایسی ہر تاویل گمراہی اور ضلالت کے سوا کچھ نہیں۔ سورہ فیل کی متفقہ اور مجمع علیہ تفسیر وہی ہے جو ہم اس مضمون کے آغاز میں بیان کرچکے ہیں، اس کے ہوتے ہوئے بعض اختلاف کے شوق میں نئی تفسیر کرنا ہرگز درست نہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ چودہ برس سے پوری امت مسلمہ تو قرآن مجید کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکی اور صرف آج کل کے غامدی صاحب جیسے نام نہاد دانشوار اسے سمجھتے ہیں۔ کیا عقل سلیم یہ مان سکتی ہے کہ سلف و خلف کے علماء اسلام تو کتاب میں کی صحیح تفسیر نہیں کر سکتے اور آج کے وہ لوگ جن کا سرمایہ افخارتی مغرب زدگی اور روشن خیالی ہے۔ جن کے اذہان مغرب سے مرعوب ہو کر اصول دین کو بگاذنے میں سرگرم عمل ہیں۔ جو ”سبیل المؤمنین“ کی شاہراہ کو چھوڑ کر ادھر اور ہر کی گڈٹندیوں میں بھلک رہے ہیں۔ جن کے جنون اختلاف نے ان کو گمراہی کے گڑھے میں دھکیل دیا ہے؛ کتاب اللہ کی پہلی بار درست تفسیر فرمائے ہیں؟

در اصل سورہ فیل کا مرکزی مضمون اور موضوع قریش کو ہیر و بنا کر پیش کرنا اور اللہ تعالیٰ کو ان کا بعض معاون و مددگار ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ اس سورہ کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ذریعے سے نوع انسانی کے سامنے یہ حقیقت کھول کر بیان کی ہے کہ فی الواقع وہی قادر مطلق ہے۔ وہ اپنی قدرت کا مدد سے جو چاہے کر سکتا ہے۔ سب کے سامنے اصحاب فیل کا واقعہ ہوا تھا اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت قاہرہ تھی جس نے خاتم کعبہ کی حفاظت فرمائی کیوں کہ قریش کے لیے بیت اللہ کا دفاع کرنا ممکن نہ تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک کمزور اور حقیر مخلوق پر پرندوں کے ذریعے ایک بڑے طاقتو ر دشمن کو نیست و

تابود کر دیا اور قریش کو بھی ہلاکت و بر بادی سے بچالیا۔ شرک کے پیماری اور ان کے جھوٹے معبود سب بے بس تھے، مگر اس موقع پر صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ تھی، جس نے اپنے گھر کو اور اہل مکہ کو ایک عظیم خطرے اور آفت سے محفوظ رکھا۔ لہذا اللہ تعالیٰ ہی قادرِ مطلق اور معبودِ حقیقی ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور بندوں کو صرف اُسی کی عبادت کرنی چاہیے۔



6۔ غشائے اخوی کا ترجمہ و تفسیر

ہم ذیل میں غامدی صاحب کے ایک غلط ترجیح کی نشان دہی کریں گے جو انہوں نے
قرآن مجید کی سورہ اعلیٰ کے درج ذیل مقام پر کیا ہے:
﴿وَاللَّذِي أَخْرَجَ الْمُرْغَبِ فَجَعَلَهُ غُشَاءً أَخْوَى﴾ (الاعلیٰ: 4-5)

اپنی اعلیٰ تفسیر "البيان" (جو آخری سورتوں سے پہلی سورتوں کی طرف ائمہ رضا پر آتی ہے اور
تمکل ہے) میں غامدی صاحب نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے:
”اور جس نے بزرہ نکالا، پھر اسے گھنائے سبز و شاداب بنا دیا۔“
(البيان، صفحہ 165)

یہ ترجمہ ہمارے نزدیک بالکل غلط ہے اور اس ترجیح اور مفہوم پر ہمارے اعتراضات یہ ہیں:
1۔ یہ ترجمہ و مفہوم عربیت کے خلاف ہے۔ عربی میں غشائے کا لفظ ”گھنے بزرے“ کے معنوں
میں نہیں آتا۔

2۔ یہ ترجمہ خود قرآن مجید کے ظائز کے خلاف ہے۔

3۔ یہ ترجمہ احادیث کے شواہد کے بھی خلاف ہے۔

4۔ یہ ترجمہ صحابہ کرام ﷺ اور تابعین رشیدین کے اقوال کے بھی خلاف ہے۔

5۔ یہ ترجمہ اجماع امت کے بھی خلاف ہے کیونکہ کسی مفسر نے آج تک غشائے کے معنی
”گھنے بزرے“ کے نہیں کیے۔

ہمارے نزدیک اس مقام کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ:

”اور جس نے بزر چارہ نکالا اور پھر اسے سیاہ کوڑا کر کٹ بنا دیا۔“

اب ہم اپنے موقف کی تائید میں تفصیلی دلائل پیش کریں گے۔

1- عربی لغت کے دلائل:

مشہور عربی لغت لسان العرب میں اہل لغت کی یہ تصریحات موجود ہیں کہ "غَنَاءُ أَحْوَى" کے معنی سیاہ خشک گھاس یا خس و خاشک کے ہیں۔

1- ((الغراء في قوله تعالى: ﴿وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْغُنى٥ فَجَعَلَهُ غَنَاءً أَحْوَى٦﴾) قال: إذا صار النبت يبيسا فهو غثاء، والأحوى: الذي قد اسود من القدم والعتق، وقد يكون معناه أيضاً أخرج المرغنى أحوى أي أخضر فجعله غثاء بعد حضرته فيكون مؤخرا معناه التقديم. والأحوى: الأسود من الخضرة كما قال: ﴿مُدَهَّماً مَّا تَانَ﴾.)

(لسان العرب، جلد 14، صفحہ 207)

"فَرَأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى كَيْفَ ارْشَادَكُمْ ﴿وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْغُنى٥ فَجَعَلَهُ غَنَاءً أَحْوَى٦﴾" کے بارے میں کہا ہے کہ جب نباتات سوکھ کر خشک ہو جائے تو اسے غثاء کہتے ہیں اور أحوى اس چیز کو کہتے ہیں جو بوسیدگی اور قدامت کی وجہ سے سیاہ ہو جائے۔ اس کے معنی یہ بھی بیان کیے گئے ہیں کہ أَخْرَجَ الْمَرْغُنى کے اسے بزرگ کیا اور پھر خشک کر دیا اور اس طرح دونوں جملوں میں تاخیر و تقدیم ہو گئی ہے اور أحوى کے معنی زیادہ سر بزر و شاداب ہونے کی وجہ سے سیاہ ہونے کے بھی ہیں جیسے (قرآن میں) مُدَهَّماً مَّا تَانَ "دوسرے سیاہی مائل باع" آیا ہے۔"

2- ((وقال الزجاج في قوله تعالى: ﴿وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْغُنى٥ فَجَعَلَهُ غَنَاءً أَحْوَى٦﴾) قال: غثاء جففة حتى صيره هشيمًا جافا كالغثاء الذي تراه فوق السيل، وقيل معناه آخر جه المرغنى

الأَحْوَى أَيُّ أَخْضَرٍ فَجَعَلَهُ غُثَاءً بَعْدَ ذَلِكَ أَيُّ يَابِسًا۔))

(السان العربي، از این منظور، جلد 15، صفحه 116)

”الرجاج نے اللہ کے اس ارشاد: (وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْغُنىٰ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَى) کے بارے میں لکھا ہے کہ غثاء بنا دینے سے مراد یہ ہے کہ اس بزرے اور نباتات کو خشک اور چورا بنا دیا جیسے سیاپ کے اوپر خس و خاشک نظر آتے ہیں۔“

اور یہ بھی لکھا گیا ہے کہ اس کے معنی أَخْرَجَ الْمَرْغُنىٰ الأَحْوَى یعنی سبز نباتات کو اگایا اور پھر اس کے بعد اسے غثاء یعنی خشک کر دیا۔

3۔ ابن تیمیہ نے ”تفہیر غریب القرآن“ میں لکھا ہے کہ:

((فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَيُّ يَابِسًا۔))

”پھر اسے غثاء بنا دیا یعنی خشک بنا دیا۔“

((أَحْوَى أَسْوَدٌ مِّنْ قَدْمِهِ وَاحْتِرَاقُهُ۔))

”جو یوسیدگی یا جل کر را کہ ہونے کی وجہ سے سیاہ ہو چکا ہو۔“

(تفہیر غریب القرآن، صفحہ 524، طبع بیروت)

4۔ مشہور لغوی مفسر علامہ زمخشیری نے غثاء کے بارے میں یہ تحقیق کی ہے:

((وَهُوَ الْحَمِيلُ السَّيْلُ مِمَا بَلَىٰ وَأَسْوَدُ مِنْ الْعِيدَانِ وَالْوَرْقِ۔))

(الکشاف للزمخشیری، جلد 3، صفحہ 32، طبع بیروت)

”(غثاء) سے مراد سیاپ کے خشک اور سیاہ خس و خاشک ہیں جو اصل میں یوسیدہ لکڑیوں کے نکٹے اور درختوں اور پودوں کے سوکھے ہوئے چتے ہوتے ہیں۔“

5۔ امام راغب اصفہانی ”المفردات فی غریب القرآن“ میں لکھتے ہیں:

((قُولَهُ عَزُوجَلٌ: (فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَى) أَيُّ شَدِيدُ السُّوَادِ۔))

(مادہ "حوا" کے تحت) و قیل تقدیرہ: والذی أخْرَجَ الْمَرْعَیَ اَحْوَیِ

فَجَعَلَهُ غُنَاءً، وَالْحَوَّةُ: شَدَّةُ الْخَضْرَةِ۔)) (صفحہ 271)

"اللہ تعالیٰ کے ارشاد: (فَجَعَلَهُ غُنَاءً اَحْوَیِ) سے مراد گھری سیاہی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ترتیب کلام یوں ہے کہ وہ جس نے بزر چارہ نکالا پھر اسے سیاہ کر دیا۔ دیسے حوة گھرے بزرگ کو بھی کہتے ہیں۔"

پھر مادہ غنا کے تحت تحریر کیا ہے کہ:

((الغثاء: غشاء السيل والقدر، ويضرب به المثل فيما يضيع

ويذهب غير معتمد به۔))

(من 602، طبع دار القلم، دمشق 1416ھ)

"(غنا) سے مراد سیاہ کا خس و خاشک ہے۔ یہ مثال اُس چیز کے بارے میں دی جاتی ہے جو ضائع ہو کر ختم ہو جائے۔"

2۔ عربی تفاسیر کے خواہیں سے:

1۔ تفسیر طبری میں علامہ ابن جریر طبری نے (فَجَعَلَهُ غُنَاءً اَحْوَیِ) کے تحت لکھا ہے کہ: ((فَجَعَلَهُ غُنَاءً)) فجعل المرعى غثاء، وهو ما جف من النبت ويس، فطارت به الريح (الأحوى) متغير إلى الحوة، وهو السواد بعد البياض، أو الخضرة)).

(تفسیر طبری، سورۃ الاعلیٰ)

"پھر چارے کو غناہ بنادیا اور غناہ کہتے ہیں اُس بنا تات کو جو خشک ہو جائے اور ہے ہوا اڑائے پھرتی ہو۔ الأحوى بنادیا یعنی حوة میں تبدیل کر دیا اور حوة کہتے ہیں اُس سیاہی کو جو سفیدی یا سبزی کے بعد ہو جائے۔"

2۔ تفسیر الکشاف میں غناہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے امام زخیری رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ:

((أَحْوَى صَفَةً لِغُذَاءٍ: أَيْ 『أَخْرَجَ الْمَرْعَى』 أَبْنَتْهُ 『فَجَعَلَهُ』
بَعْدَ خَضْرَتِهِ وَرَفِيفِهِ 『غُذَاءً أَحْوَى』 دریناً أَسْوَد، وَيَجُوزُ أَنْ
يَكُونَ حَالًا مِنَ الْمَرْعَى، أَيْ أَخْرَجَهُ أَحْوَى أَسْوَد مِنْ شَدَّةِ
الْخَضْرَةِ وَالرِّيْفِ فَجَعَلَهُ غُذَاءً بَعْدَ حَوْتَهِ.))

(الکشاف، جلد 4، صفحہ 243، طبع مصر)

"احوی یہاں غذاء کی صفت کے طور پر آیا ہے۔ گویا اخراج المرعى سے
مراد ہے کہ نباتات اگائی اور فوجعله غذاء احوي یعنی اس کو تروتازہ بزرہ
بنانے کے بعد سیاہ خشک کر دیا۔ اور یہ معنی بھی جائز ہیں کہ اخزوی حال ہو
المرعى کا۔ اس صورت میں مفہوم یہ ہے کہ بزرہ اگایا جو تروتازگی اور شادابی
کی وجہ سے سیاہی مائل تھا اور اس کے بعد اسے خشک سیاہ بنادیا۔"

3۔ مشہور مضرقرطبی نے غذاء کی لغوی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

((الغذاء: الشيء اليابس.))

"یعنی غذاء سے خشک چیز مراد ہے۔"

پھر اس کی مزید تشریح کی ہے کہ:

((الغذاء ما يقذف به السيل على جوانب الوادي من الحشيش
والنبات والقماش ويقال للبلقل والخشيش إذا تحطم ويس: غذاء
وهشيم.))

"غذاء سے مراد وہ گھاس چھوٹ اور کوڑا کر کر ہے جسے سیاہ وادیوں کے
کناروں پر پھینک دیتا ہے۔ جب بزرہ اور گھاس ریزہ ریزہ اور خشک ہو جائیں تو
اُسے غذاء یا هشيم کہا جاتا ہے۔"

پھر اسی تفسیر میں غذاء اخزوی کے بارے میں مشہور ماہرین الفتن ابو عبیدہ راشد اور
عبد الرحمن بن زید برلن کے یہ اقوال بھی ہیں:

((وقال أبو عبيدة: فجعله أسود من احتراقه وقدمه، والرطب إذا يiss أسود، وقال عبد الرحمن بن زيد: آخر جه المرعى أحضر، ثم لما يiss أسود من احتراقه، فصار غشاء تذهب به الرياح والسيول.))

”ابو عبيدة نے اس غشاءَ أحُواي کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ اسے بوسیدہ ہونے یا جل کر راکھ ہونے کی وجہ سے سیاہ کوڑا کر دیا، اور بزرہ جب خشک ہو جائے تو سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور عبد الرحمن بن زید کا قول ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بزر بنا تات آگئی۔ پھر جب وہ خشک ہوئی اور سیاہ را کھ بن گئی تو وہ غشاء ہے، جسے ہوا میں اڑاتی ہیں اور سیال بہالے جاتے ہیں۔“

(لاحظہ: تفسیر قرطبی، جلد 10، صفحہ 17، 18، طبع یوردت)

4۔ تفسیر الحرم الخطیط میں ابن حیان اندلسی را اللہ نے غشاءَ أحُواي کے ضمن میں لکھا ہے:
((قال ابن عباس المغنى فجعله غشاءَ أحُواي: أي أسود لأن الغشاء إذا قدم وأصابته الأمطار أسود وتعفن فصار أحوي.))

(الحرم الخطیط، جلد 8، صفحہ 458)

”ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ غشاءَ أحُواي کے معنی ہیں کہ غشاءَ یعنی خشک بنا تات سیاہ ہو گئی۔ کیوں کہ خشک بنا تات جب بوسیدہ ہو جاتی ہے تو بارش وغیرہ کے اثر سے گل سڑ کر سیاہ ہو جاتی ہے اور أحُواي ہونے کے بھی معنی ہیں۔“

5۔ امام شوکانی را اللہ نے اپنی تفسیر فتح القدير میں ((فجعله غشاءَ أحُواي)) کے تحت لکھتے ہیں:
((أي: فجعله بعد أن كان أحضر غشاء، أي: هشيمما جافا كالغشاء يكون فوق السيل: (أحوي) أي: أسود بعد احضاره، وذلك أن الكلأ إذا يiss أسود. قال قنادة: الغشاء الشيء اليابس.))

”مطلوب یہ ہے کہ اس بزرے کو غُناءٰ بنادیا اور غُناءٰ اُس خس و خاشاک کو کہتے ہیں جو سیلاب کے اوپر آ جاتا ہے اور اُخْوَیٰ بنادیا یعنی جو پہلے بزر تھا، اُسے سیاہ بنادیا کیوں کہ گھاس پھونس جب خشک ہو جائے تو سیاہ ہو جاتی ہے۔ (مشہور تابعی) قادة رَحْمَةُ اللهِ کہتے ہیں غُناءٰ خشک چیز کو کہتے ہیں۔“

6۔ تفسیر قاسمی (محاسن التاویل) میں محمد جمال الدین قاسمی نے لکھا ہے کہ:

((السمرعى: أي أخرج من الأرض مرعى الأنعمام من صنوف النبات (فَجَعَلَهُ) أي بعد حضرته ونصرته (غُناءٰ) أي جافاً يابساً تطير به الريح. (أُخْوَى) أي أسود، صفة مؤكدة (لغثاءً) لأن النبات إذا يبس تغير إلى (الحوة) وهي السواد.))

(تفسیر قاسمی، جلد 10، صفحہ 126، طبع چروت)

”الْمَرْغُنى“ کے معنی ہیں کہ زمین سے مختلف قسم کے نباتات اگائیں جو مویشیوں کے لیے گھاس چارہ ہے۔ فَجَعَلَهُ غُناءٰ یعنی اس نباتات کو سر بزری و شادابی کے بعد اُسے ایسا خشک کر دیا جسے ہوا اڑائے پھرتی ہے۔ اور اُخْوَى کے معنی ”سیاہ“ کے ہیں اور یہ غُناءٰ کی صفت کے طور پر آیا ہے کیوں کہ جب بزرہ خشک ہو جاتا ہے تو اس کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے۔“

7۔ تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے غُناءٰ اُخْوَى کی تفسیر بھی منقول ہے کہ: ((فَجَعَلَهُ غُناءٰ أُخْوَى) قال ابن عباس هشیما متغیراً.)

(بحوالی تفسیر ابن کثیر، 4/500)

”یعنی اس سے مراد سیاہ رنگ میں تبدیل شدہ کوڑا، چورا۔“

لغت و تفسیر کی ان تصریحات سے درج ذیل امور بالکل واضح ہیں:

1۔ لفظ غُناءٰ کے لغوی معنی یہ ہیں:

”خس و خاشاک، سوکھی ہوئی گھاس پھونس، خشک نباتات، خشک چورا اور کوڑا“

کرکٹ وغیرہ۔“

2۔ لفظ اُخْوَى کے لغوی معنی دو ہیں:

(i) ایسی باتات جو بوسیدہ اور پرانی ہونے کی وجہ سے سیاہ ہو چکی ہو۔

(ii) ایسی باتات جوتازگی و شادابی اور زرخیزی کی وجہ سے سیاہ مائل بزر ہو گئی ہو۔

3۔ پھر جن لوگوں نے لفظ اُخْوَى کو عَشَاء کی صفت مانا ہے، انہوں نے اس کے پہلے معنی مراد لیے ہیں۔ یعنی کہنگی اور بوسیدگی کی وجہ سے سیاہ ہونے کا مفہوم اور ان کے نزدیک دونوں آیات کا مطلب یہ ہے کہ:

”وَهُجَسْ نَمَّنَ بَاتَاتَ أَكَانِي اُور پھر اسے سیاہ خس و خاشاک بنادیا۔“

4۔ جن لوگوں نے احمری کو السمرعی کی صفتِ مَوْخَرْ قرار دیا ہے، انہوں نے احمری کو مذکورہ دوسرے معنوں میں لیا ہے اور ان کی رائے میں دونوں آیات کا مفہوم یہ ہے:

”وَهُجَسْ نَمَّنَ بَاتَاتَ أَكَانِي اُور پھر اسے خس و خاشاک بنادیا۔“

گویا اُخْوَى کے دو مختلف لغوی معنوں کے باوصاف جس مفہوم پر علماء لغت اور مفسرین کرام مشتیخ کا کامل اتفاق اور اجماع ہے، وہ یہ ہے کہ:

”اللَّهُ تَعَالَى كَيْ قَدْرَتْ كَالْمَدْ وَعَجَيْبَهُ ہے کہ اس نے پہلے بزرہ پیدا کیا اور ہر طرح کی طباتات أَكَانِي اُور پھر کچھ عرصے کے بعد اسے خس و خاشاک اور خلک و سیاہ چورے میں تبدیل کر دیا۔“

سورہ اعلیٰ کی ان دونوں آیات کی یہی تفسیر قرآن مجید کے دوسرے نصوص اور نظائر سے مطابقت رکھتی ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کی درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

3۔ قرآن مجید کے نظائر:

1۔ سورہ زمر میں ارشاد ہوا:

»أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنْ السَّمَاءِ مَاءً فَسَلَّكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ

يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُخْتَلِفًا الْوَاهِنَةَ ثُمَّ يَهْبِطُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حَطَامًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِأُولَى الْأَلْبَابِ ۝

(الزمر: 21)

”کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی آسمان سے پانی آتا رہا ہے۔ پھر اسے چشمے بنا کر زمین میں چلا دیتا ہے۔ پھر اس کے ذریعے سے مختلف رنگوں کی سمجھتی آگاہات ہے، پھر وہ خوب بڑھتی ہے۔ پھر تو اسے زرد شدہ دیکھتا ہے، پھر وہ اسے ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ بے شک اس میں عقل مندوں کے لیے بڑی فضیحت ہے۔“

2۔ سورہ حیدد میں فرمایا گیا ہے:

﴿إِعْلَمُوا أَنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعْبٌ وَلَهُوَ وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بِئْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأُرْلَادِ كَمَثْلِ غَيْثٍ أَعْجَبَ الْكُفَّارَ لَبَّاهُ ثُمَّ يَهْبِطُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًا ثُمَّ يَكُونُ حَطَامًا ۝﴾

(الحديد: 20)

”جان لو کہ دنیا کی زندگی حضن کھیل تماشا اور زیبائش اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر جانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال اور اولاد چاہنا ہے، جیسے بارش کی حالت کہ اس کی روئیدگی سے کسان خوش ہو جائیں پھر وہ ابھرے اور تم اسے زرد کیھو، پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔“

3۔ سورہ کہف میں بیان ہوا:

﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءِ انْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاثُ الْأَرْضِ فَاصْبَحَ هَشِيمًا تَذَرُوْهُ الرِّيحُ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُقْتَدِرًا ۝﴾

(الکھف: 45)

”اور ان سے بیان کی زندگی کی مثال بیان کرو جیسے پانی کہ جسے ہم نے آسمان

سے برسایا پھر زمین کی روئیدگی پانی کے ساتھ مل گئی۔ پھر وہ ریزہ ریزہ ہو گئی جسے ہوا میں اڑاتی پھرتی ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنا والا ہے۔“

آخری آیت میں ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِراً﴾ اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔“ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ سربراہ نباتات آگانا اور پھر اسے زرد خشک اور سیاہ خس و خاشاک کرو دینا اور اسے چورا بنا دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے۔ اور یہی مضمون سورہ اعلیٰ کی زیر بحث آیات میں بھی دہرایا گیا ہے اور یہ چیز قرآن مجید میں تصریف آیات کے اسلوب کے بالکل مطابق ہے کہ ایک ہی مضمون بار بار کئی طرح بیان ہوتا ہے اور اس سے ایک اور مقصود بھی پورا ہو جاتا ہے کہ ((القرآن یفسر بعضہ بعضاً)). یعنی ”قرآن کا بعض حصہ اس کے بعض حصے کی تفسیر کرتا ہے۔“ گویا قرآن اپنی تفسیر آپ کر دیتا ہے۔

4- حدیث سے دلیل:

قیامت کے بارے میں ایک حدیث میں غُنَّاء کا لفظ یوں آیا ہے:
((كما تنبت الحبة في غشاء السيل.))

(سن داری: 1/61، مندرجہ: 2013)

”جیسے سیلا ب کے خس و خاشاک میں دانہ آگتا ہے۔“

اس میں لفظ غُنَّاء کی وضاحت ابن اثیر رحمہ نے اپنی کتاب النہایۃ میں یوں کی ہے کہ: ((الغُنَّاء بالضم والمد: ما يجيء فوق السيل مما يحمله من الذبد والوسخ وغيره.))

(النہایۃ فی غریب الہدیث والاثر، جلد 3، صفحہ 343)

”مطلوب یہ ہے کہ غُنَّاء اس جھاگ اور کوڑا کرکٹ کو کہتے ہیں جو سیلا ب کے پانی کے اوپر آتا ہے۔“

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ سورہ اعلیٰ کی زیر بحث آیات کا وہی مفہوم صحیح اور معتر ہے جس کی تائید لغت سے ہوتی ہے اور جس کی موافقت قرآن و حدیث کے نصوص اور نظائر سے بھی موجود ہے اور جو امت مسلمہ کے تمام جلیل الفدر مفسرین کرام کی متفقہ تفہیم کے بالکل مطابق ہے۔

5۔ اردو تراجم:

اب ہم مذکورہ آیت کے ملٹے میں پاک و ہند کے علمائے کرام کے مستند اور متداول تراجم پیش کرتے ہیں:

(1) شاہ ولی اللہ دھلویؒ:

شاہ ولی اللہ دھلویؒ نے اپنے فارسی ترجمے "فتح الرحمن" میں مذکورہ آیت کا یہ ترجمہ کیا ہے:

وانکہ برآورد کیاہ تازہ را۔ باز ساخت آں را خشک شدہ سیاہ گشتہ۔

"اور جس نے تازہ چارا نکالا۔ پھر اسے خشک سیاہ بنا دیا۔" (رقم)

(2) شاہ رفیع الدین دھلویؒ کا ترجمہ:

"اور جس نے نکالا چارہ، پس کر دیا اس کو کوڑا سیاہ۔"

(3) شاہ عبدالقدار دھلویؒ کا ترجمہ:

"اور جس نے نکالا چارہ۔ پھر کر دیا اس کو کوڑا کالا۔"

(4) مولانا فتح محمد خان جالندھریؒ کا ترجمہ:

"اور جس نے چارہ اگایا، پھر اس کو سیاہ رنگ کا کوڑا کر دیا۔"

(5) مولانا شنا، اللہ امرتسریؒ کا ترجمہ:

"اور جس نے چارہ پیدا کیا۔ پھر اس کو خشک سیاہ کر دیا۔"

(6) نواب وحید الزمانؒ کا ترجمہ:

”اور جس نے (جانوروں کے لیے) چارہ نکالا۔ پھر اس کو (سکھا کر) کوڑا بنادیا کالا کر دیا۔“

(7) مولانا محمود حسن دیو بندی کا ترجمہ:

”اور جس نے نکالا چارہ۔ پھر کڑا اس کو کوڑا سیاہ۔“

(8) مولانا اشرف علی تھانوی کا ترجمہ:

”اور جس نے (زمین سے) چارہ نکالا، پھر اس کو نیتاہ کوڑا کر دیا۔“

(9) مولانا عبدالماجد دریابادی کا ترجمہ:

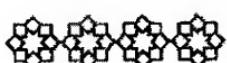
”اور جس نے چارہ (زمین سے) نکالا، پھر اس سے سیاہ کوڑا کر دیا۔“

(10) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا ترجمہ:

”جس نے نباتات اگائیں، پھر ان کو سیاہ کوڑا کر کر بنا دیا۔“

(تفہیم القرآن: 6/310)

کیا یہ سب حضرات عربیت سے نا بلد تھے اور ان کو عربی نہیں آتی تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ جب مذکورہ آیت کے ایک ہی ترجمے اور مفہوم پر صحابہؓؑ اور تابعینؓؑ سمیت پوری امت مسلمہ کے مفسرین متفق ہیں تو یہی ترجمہ لغت کی رو سے درست ہے۔ قرآن و حدیث کے نظائر و شواہد کے مطابق بھی یہی ترجمہ ہے تو پھر اس سے ہٹ کر غامدی صاحب کے لیے اس آیت کا کوئی اور ترجمہ اخذ کرنا جہالت اور گمراہی کے سوا کچھ نہیں !!



7۔ کیا کوئی رسول کبھی قتل نہیں ہوا؟

غامدی صاحب نے نبی اور رسول کے درمیان منصب اور درجے کے لحاظ سے فرق و امتیاز کی بحث کرتے ہوئے یہ نکتہ آفرینی بھی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں کو تو ان کی قوم بعض اوقات قتل بھی کر دیتی رہی ہے مگر کسی قوم کے ہاتھوں کوئی رسول کبھی قتل نہیں ہوا۔ غامدی صاحب اس امر کو ایک اصول، ایک عقیدہ اور قانونِ الہی قرار دیتے ہیں کہ نبی کے لیے وفات پانے یا قتل ہونے کی دونوں صورتیں تو ممکن ہیں مگر رسول کبھی قتل نہیں ہو سکتا۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”رسولوں کے بارے میں اس اہتمام کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کی زمین پر خدا کی کامل جنت بن کر آتے ہیں۔ وہ آفتاب نیم روز کی طرح قوم کے آسمان پر چکتے ہیں۔ کوئی دانا و پینا کسی دلیل دبرہاں کی بنا پر ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کسی حال میں ان کی تکذیب کرنے والوں کے حوالے نہیں کرتا۔ نبیوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی قوم ان کی تکذیب ہی نہیں کرتی، بارہا ان کے قتل کے درپے ہو جاتی ہے اور ایسا ہوا بھی ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہو جاتی ہے..... لیکن قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں کے معاملے میں اللہ کا قانون اس سے مختلف ہے۔“

(ماہنامہ ”اشراف“ اگست 1988ء، صفحہ 68، نیز ”میزان“ حصہ اول، صفحہ 21، مطبوعہ مئی 1985ء)

پھر مزید ارشاد فرمایا ہے کہ:

”نبی اپنی قوم کے مقابلے میں ناکام ہو سکتا ہے لیکن رسولوں کے لیے غلبہ لازمی ہے۔“ (میزان حصہ، صفحہ 23، مطبوعہ مئی 1985ء)

مگر غامدی صاحب کی یہ نکتہ طرازی بالکل غلط ہے اور خود قرآن مجید کے نصوص اور واضح احکام کے خلاف ہے۔ قرآن مجید کی اکثر آیات اس قدر واضح اور صریح انداز میں (عبارات انص کے طریقے پر) اس حقیقت کو بیان کرتی ہیں کہ انبیاء کرام کی طرح رسولوں کا قتل ہو جانا بھی ایک امر واقعہ ہے۔ تبی اور رسول کے درمیان کچھ فرق و امتیاز درست ہی مگر قتل یا عدم قتل کا معاملہ ان کے درمیان ہرگز فرق و امتیاز نہیں رکھتا۔

قرآن مجید کے نصوص:

قرآن مجید کے جن نصوص کی بنیاد پر ہم اس "معنی عقیدے" اور اس "زاں اصول دین" کو غلط قرار دیتے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

1۔ سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ دوسرے رسولوں کی طرح حضرت محمد ﷺ کے لیے بھی وفات پانے یا قتل ہو جانے کی دونوں صورتوں کا امکان موجود ہے۔ گویا آپ ﷺ کو طبعی موت بھی آسکتی ہے اور آپ ﷺ مقتول بھی ہو سکتے ہیں:
 ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ فَمَنْ خَلَقْتُ مِنْ قَبْلِهِ الرَّسُولُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَى أَغْفَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقِلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَ اللَّهُ شَيْئًا﴾

(آل عمران: 144)

"اور محمد تو بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں۔ پس اگر یہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اُن لئے پاؤں واپس چلے جاؤ گے اور جو کوئی بھی اُن لئے پاؤں واپس چلا جائے گا وہ اللہ کا کچھ بھی تقاضا نہ کرے گا۔"

2۔ سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل سے فرمایا گیا کہ:

﴿أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهُوَى النُّفُسُكُمْ اسْتَكْرِرُتُمْ فَقَرِيرًا كَذَبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتَلُونَ ۝﴾ (البقرة: 87)

”تو کیا جب بھی کوئی رسول تمہارے پاس وہ چیز لے کر آیا جو تمہارے نفس کو پسند نہ آئی تو تم نے تکبر کی راہ اختیار کی۔ پھر بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو تم قتل کرتے تھے۔“

اس آیت نے واضح طور پر معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کے ہاتھوں کئی رسول قتل ہوئے تھے۔

3۔ سورہ مائدہ میں ارشاد ہوا کہ:

﴿لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رُسُلًا كُلُّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهُوَى أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفِرِيقًا يَقْتُلُونَ ۝﴾

(المائدة: 70)

”بیشک ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کے پاس کئی رسول بھیجی۔ جب کبھی کوئی رسول ان کے پاس وہ چیز لایا جو ان کو پسند نہ آئی تو بعض کو وہ جھٹلاتے اور بعض کو قتل کر دلتے تھے۔“

اس آیت سے بھی صریح طور پر معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کئی رسولوں کو قتل کیا تھا۔

4۔ سورہ آل عمران میں بنی اسرائیل کے بارے میں ارشاد ہوا کہ:

﴿الَّذِينَ قَاتَلُوا إِنَّ اللَّهَ عَاهَدَ إِلَيْنَا أَلَا نُؤْمِنَ بِرَسُولِنَا حَتَّى يَأْتِيَنَا بِفُرَّبَانٍ تَأْكِلُهُ النَّارُ قُلْ فَدَجَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قَاتَلْتُمْ قَلِيمٌ قَاتَلْتُمُوهُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِينَ ۝﴾

(آل عمران: 183)

”یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمازے سامنے ایسی قربانی نہ پیش کرے جسے آگ کھا جائے۔ آپ کہہ دیجیے کہ مجھ سے پہلے تمہارے پاس کئی رسول آئے، نشانیاں لے کر اور اس

دوسرا باب:

حدیث و سنت

9۔ شادی شدہ زانی کے لیے سزا نے رجم کا انکار

غامدی صاحب نے شادی شدہ زانی کے لیے رجم یعنی سنگساری کی شرعی سزا (حد) ہونے کا بھی انکار کیا ہے، حالانکہ یہ سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔ چنانچہ وہ سورہ النور، آیت 2: ﴿الرَّأْيَةُ وَالرَّازِنَى فَاجْلِدُو اُنْكَلَ وَاحِدَ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ ”زانی“ عورت اور زانی مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو.....“ کے حکم کو عام حکم مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زانی خواہ کنوارا ہو یا شادی شدہ دونوں کے لیے اسلام میں صرف سو کوڑوں کی سزا مقرر ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ شریعت میں شادی شدہ زانی کے لیے رجم (سنگساری) کی سزا نہیں ہے۔

اس طرح غامدی صاحب نے شادی شدہ زانیوں کے لیے رجم یعنی سنگساری کی اس حد کا انکار کیا ہے جو سنت اور اجماع امت سے ثابت شدہ ہے۔

غامدی صاحب اپنا موقف یوں بیان کرتے ہیں کہ:

1۔ ”کوئی زانی کنوارا ہو یا شادی شدہ دونوں کی اصل سزا تو جلد (تازیانہ) ہی ہے۔“

(میران، حصہ اول، صفحہ 183، مطبوعہ می 1985ء)

2۔ ”تعجب ہوتا ہے کہ یہ اصحاب عقل و بصیرت آخركس طرح فرض کر لیتے ہیں کہ قرآن میں تو لا محالہ صرف کنوارے زانیوں ہی کی سزا بیان ہوئی ہے، رہے شادی شدہ زانی تو ان کی سزا چونکہ ”عقل و حکمت“ اور ”عدل و انصاف“ کی رو سے زیادہ ہوئی چاہیے۔

اس لیے قرآن سے نہ بھی ملے تو کسی اور جگہ سے تلاش کر کے وہ ان پر نافذ کر دینی چاہیے۔“

(میران، حصہ اول، صفحہ 168، مطبوعہ می 1985ء)

3۔ ”لخت عرب سے واقف کوئی شخص اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ ”آل زائیۃ وَالزَّانیٰ“ کے الفاظ سے محض کنوار از اپنی اور کنواری زانیہ بھی مراد یہی جا سکتے ہیں۔

(میران، حصہ اول، صفحہ 135، مطبع می 1985ء)

4۔ ”موت کی سزا قرآن کی رو سے قتل اور فساد فی الارض کے سوا کسی جرم میں بھی نہیں دی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے پوری صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ ان دو جرائم کو چھوڑ کر، فرد ہو یا حکومت، یہ حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی جان کے درپے ہو اور قتل کر ڈالے۔ مائدہ میں ہے:

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أُوْ فَسَادٌ فِي الْأَرْضِ فَكَانَ مَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا﴾ (5:32)

”جس نے کسی کو قتل کیا، اس کے بغیر کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا زمین میں فساد برپا کیا ہو تو اس نے گویا سب انسانوں کو قتل کیا۔“

(میران، صفحہ 283، مطبع دوم، اپریل 2002ء)

شادی شدہ زانی کی سزا کے بارے میں غامدی صاحب کا یہ موقف کہ اسے وہی سزا (سو کوڑے) دی جائے گی جو کنوارے زانیوں کے لیے مقرر ہے، سنت ثابتہ، اجماع امت اور عقل عام کے بھی خلاف ہے۔

اب ہم اس سٹے پر تفصیل سے بحث کریں گے:

جرم زنا کی شناخت:

ایک صالح معاشرے کے قیام کے لیے صالح خاندان کا وجود ناگزیر ہے اور ایک صالح

خاندان و وجود میں آنہیں سکتا اگر مرد اور عورت کے تعلق کی بنیاد نکاح پر نہ ہو۔ معاهدة نکاح ہی ایک ایسی چیز ہے جس کی رو سے ایک صالح خاندان و وجود میں آتا ہے۔ اسی سے زوجین کے درمیان حقوق و فرائض کی عادلانہ تقسیم ہوتی ہے۔ اسی کے تحت اولاد اور والدین کا باہمی تعلق اور صحیح خون و نسب کا پاکیزہ رحمی رشتہ قرار پاتا ہے۔ پھر یہی رحمی رشتہ انسان کے صالح جذبات و احساسات کے ساتھ استوار ہوتا ہے۔

اس کے برعکس اگر مرد اور عورت کے درمیان نکاح کے جائز تعلق کی بجائے زنا کا ناجائز تعلق قائم ہو تو اس چیز کے نتیجے میں نہ تو کوئی صالح خاندان و وجود میں آسکتا ہے اور نہ اس کی بنیاد پر کسی صالح معاشرے کی تشکیل ہو سکتی ہے بلکہ ایسے معاشرے کو انسانی معاشرہ کہنے کی بجائے جانوروں کا ایک گلہ کہنا زیادہ مناسب ہے۔

اسلام نے زنا کو کبائر گناہوں میں شمار کیا ہے۔ قرآن حکیم نے جہاں شرک اور قتل ناجح کا تذکرہ کیا ہے وہاں زنا کو بھی ان کے ساتھ ساتھ بیان کیا ہے۔ اس کے بعد تینوں گناہوں کا یکساں انجام بیان فرمایا ہے۔ جس سے زنا کے گناہ کبیرہ ہونے میں کوئی شہر باقی نہیں رہتا۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَيْهَا الْأَخْرَى وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ إِلَيْهِ حَرَمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَرْزُقُونَ وَمَنْ يَقْعُلْ ذِلِكَ يُلْقَ أَلَامًا ۝ يُضْعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَيُخْلَدُ فِيهِ مُهَانًا ۝ ﴾

(الفرقان: 28)

”اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے، اللہ کی حرام ٹھہرائی ہوئی کسی جان کو ناجحت قتل نہیں کرتے اور نہ ہی زنا کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ اپنے گناہوں کے انجام سے دوچار ہو گا اور قیامت کے روز اسے کئی گناہ عذاب ہو گا اور اسی میں وہ ہمیشہ ذلیل و خوار رہے گا۔“

اسی سلسلے میں ایک حدیث صحیح ملاحظہ ہو:

((عن عبد الله (بن مسعود) قال سئلت النبي ﷺ أى الذنب اعظم عند الله. قال ان تجعل لله ندأ و هو خلقك، قلت ان ذلك لعظيم. قلت ثم اى؟ قال و ان تقتل ولدك تخاف ان يطعم معلتك. قلت ثم اى؟ قال ان تزانى حليلة جارك .))

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 6، صفحہ 22، طبع مصر 1345ھ)

”حضرت عبد اللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ اللہ کے ہاں سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تو کسی کو اللہ کا شریک نہ ہرائے حالانکہ تیرا خالق تو اللہ ہی ہے۔ میں نے پھر کہایہ تو تسلیم جرم ہے۔ میں نے پھر پوچھا ”اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے؟“ فرمایا: ”کسی شخص کا اپنے بیٹھے کو اس اندیشے سے قتل کر دینا کہ وہ اس کے کھانے میں حصہ دار نہ ہو جائے۔“ میں نے تیرسی بار پوچھا کہ: ”اس کے بعد کون سا بڑا گناہ ہے؟“ فرمایا: ”کسی شخص کا اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرنا۔“

اس حدیث نے مذکورہ بالاقرآنی آیت کی گویا تفسیر کر دی ہے۔

زنہ مجموعہ جرام ہے:

زنہ کوئی مفرد جرم نہیں بلکہ مجموعہ جرام ہے اور ایک زانی بیک وقت حسب ذیل جرام کا مرتبہ ہوتا ہے:

1۔ قرآن نے مرد اور عورت کو غرض بصر کا حکم دیا ہے اور ارتکاب زنا اس حکم قرآنی کی خلاف ورزی کے بعد ہی ممکن ہوتا ہے۔

2۔ اسلام نے عورت کو غیر محروم مرد سے پرداہ کرنے کا حکم دیا ہے اور ایک زانیہ عورت اسلام کے اس حکم کی پرواہیں کرتی۔

3۔ وین اسلام میں حیا کو جواہیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ حدیث نبوی ﷺ ہے: ((الْحَيَاةُ مِنَ الْإِيمَانِ)). یعنی ”حیا ایمان کا حصہ ہے۔“ زنا کا جرم حیاداری کے

بنیادی تقاضوں کو ملکرا دیتا ہے۔

4. اسلام نے مرد اور عورت کے مابین آزادانہ میں جول اور بے تکلفانہ گفتگو کو ناپسند کیا ہے۔ زنا کا مرتكب اسلام کے اس ضابطے کو توڑ دیتا ہے۔
5. قرآن نے فرمایا ہے کہ: ”لَا تَقْرِبُوا النِّنَاءَ“ یعنی ”زنا کے قریب بھی نہ پہلو۔“ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ فعلی زنا کے تمام حرکات و دواعی سے بھی اجتناب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ زنا کا مجرم قرآن کے اس حکم کی صریح خلاف ورزی کرتا ہے۔
6. اسلام نے غیر مجرم مرد اور عورت کو باہمی ملاست یعنی ایک دوسرے کو چھونے سے منع کیا ہے۔ اسلام کا یہ ضابطہ ایک زانی کے ہاتھوں ٹوٹ جاتا ہے۔
7. اسلام نے مرد اور عورت کو اپنے ستر ڈھانکے کا حکم دیا ہے اور سوائے شوہر اور بیوی کی مخصوص حالت کے، کسی اور کے سامنے ستر کھونے سے منع کیا ہے۔ زنا کے جرم میں اسلام کے اس حکم کی خلاف ورزی موجود ہوتی ہے۔
8. قرآن نے طیبات یعنی پاکیزہ چیزوں کو حلال اور خباثت یعنی ناپاک چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔ اس کے نزدیک نکاح ایک حلال اور طیب چیز ہے اور زنا کو اس نے حرام اور بے حیائی کا کام بتایا ہے۔ زنا کا مرتكب شخص قرآن کے اس ضابطہ حلت و حرمت کو توڑ دیتا ہے۔
9. اسلام نے وراثت کے احکام محض قرابت داری کی بنیاد پر دیے ہیں۔ اولاد اپنے والدین کے ترکے کی جائز وارث ہوتی ہے۔ مگر زنا کے نتیجے میں پیدا شدہ ناجائز اولاد اپنے نام نہاد ”باپ“ کی جائیداد اور وراثت سے بلا قصور محروم ہو جاتی ہے اور اس محرومی کی تمام تر ذمہ داری ”زانی باپ“ پر عائد ہو جاتی ہے۔
10. قرآن نے عورت کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ گھر میں نک کر رہے اور کسی خاص ضرورت کے سوا گھر سے باہر نہ لٹکے۔ اس کے ساتھ ہی قرآن نے عورت کو یہ حکم بھی دیا ہے کہ وہ ”تیرج“، یعنی بن مٹھن کر پھر نے سے اجتناب کرے۔ ایک زانیہ عورت بالعموم قرآن

کے ان احکامات کی خلاف ورزی کرتی ہے۔ وہ ایسی جگہ زنا کی مرتبہ ہوتی ہے جہاں اسے ایک چھوٹ چار آدمی بھی با آسانی دیکھ سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت حال اس کے گھر میں تقریباً ناممکن ہے۔

11۔ قرآن مجید نے اشاعتِ فاحشہ یعنی بے حیائی پھیلانے والوں کو دنیا اور آخرت کے عذاب کی وعید سنائی ہے اور اس حرکت کو سخت ناپسند کیا ہے۔ زنا کا مرتبہ اشاعتِ فاحشہ کا مجرم بھی ہوتا ہے جس کے نتیجے میں ابتداء ہی میں کئی آدمیوں تک بے حیائی کے برے اثرات پہنچتے ہیں۔ جو بعد میں دبا کی طرح پورے معاشرے میں پھیل جاتے ہیں۔

12۔ زنا کے نتیجے میں بعض اوقات خودکشی کے واقعات جنم لیتے ہیں۔ فریقین کے متعلقین میں اشتغال پیدا ہوتا ہے جس کا انجام اتفاق جان و مال کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ پھر قتل و فساد اور انتقام کی وہ آگ بھڑک لختی ہے جو بھائے نہیں بھجتی۔

شادی شدہ آدمی کا جرم زنا:

شادی شدہ زانی کا معاملہ اس سے بھی بدر جہا زیادہ قیچ ہے۔ اس میں علاوہ ان تمام برائیوں کے جو اذ پر نہ کور ہوئیں، مزید یہ برائیاں مضر ہوتی ہیں۔

1۔ قرآن مجید کی رو سے ایک شخص کی منکوحہ بیوی کے لیے کسی اور مرد سے نکاح کرنا حرام ہے، اس کے بعد زنا تو بدرجہ اولی حرام ٹھہرا۔ ایک زانیہ عورت قرآن حکیم کی قائم کردہ اس حرمت کو پامال کرتی ہے۔

2۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ ایک خواہر کے لیے اس کی بیوی بخوبی حرث یعنی بھیت کی حیثیت رکھتی ہے جس سے اولاد کی پیداوار حاصل ہوتی ہے۔ مگر ایک زانیہ بیوی بھیت کی اپنی اس حیثیت کو بدلت کر ایک کھلی چراغاں میں تبدیل کر لیتی ہے جس کے بعد صحیح اولاد کی پیدا آوری ممکن نہیں رہتی اور عورت کا مقصد تخلیق پورا نہیں ہوتا۔ اس طرح ایک شادی شدہ زانیہ عورت اللہ کی ٹھہرائی ہوئی فطرت اور حیثیت بدلنے کی مرتبہ ہوتی ہے۔

3۔ قرآن کی رو سے نکاح ایک معاهدہ ہے جو مرد اور عورت کے مابین ہوتا ہے۔ اسی معاهدے کی رو سے وہ میاں بیوی ہوتے ہیں۔ قرآن اس معاهدے کو ”میثاق غلیظ“ یعنی پختہ معاهدہ قرار دیتا ہے۔ اسی معاهدے کے تحت میاں بیوی ایک دوسرے کی عفت و عصمت کے حفاظ اور امین ہوتے ہیں۔ اس کے بعد کسی فریق کی طرف سے معاهدے کی اس حیثیت کو ختم کرنا قرآن حکیم کی صریحًا خلاف ورزی ہے۔

4۔ نکاح کے بعد ایک میاں اور ایک بیوی کو اپنی جنسی خواہش کی تسلیم کا ایک جائزہ ذریعہ مسرا آ جاتا ہے۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک فریق دوسرے کے لیے جنسی طور پر تسلیم کا باعث نہیں بنتا تو دوسرا فریق اس سے علیحدگی حاصل کر سکتا ہے اور مرد کو اسلام نے ایک سے چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت بھی دی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب کسی مرد یا عورت کو اپنی جنسی خواہش پوری کرنے کا ایک جائز ذریعہ حاصل ہے تو یہ اس رب العالمین کی کھلی نافرمانی کے سوا اوز کیا ہے جس نے نکاح کو حلال اور زنا کو حرام نہ کر رکھا ہے؟

5۔ اس دنیا میں سب سے بڑی بے وفاکی کی بندے کا اپنے خدا سے بے وفاکی کرنا ہے اس کے بعد دوسرے درجے پر وہ بے وفاکی ہے جو ایک بیوی اپنے خاوند سے کرتی ہے۔ قدیم چیزوں میں شرک آدمی کو اس زانیہ عورت سے تشبیہ دی گئی ہے جو کسی کی بیوی ہو۔ توریت میں کئی جگہ یہ مضمون آیا ہے کہ تمہارا خداوند خدا بہادر غیر ہے۔ جس طرح تم یہ گوارا نہیں کرتے کہ تمہاری بیوی کسی اور کے بستر پر سوئے اسی طرح وہ بھی یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کا بندہ غیر کی بندگی کرے۔

قرآن مجید نے بھی سورہ نور میں شرک اور زنا کو ایک ساتھ بیان کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں برے کاموں میں ایک گہری مناسبت ہے۔ شرک اپنے رب کا اقرار کرتا ہے، اس کی دی ہوئی تمام نعمتوں سے مستحق ہوتا ہے۔ مگر اس کے باوجود غیر کی اطاعت کرتا ہے۔ یہی حال ایک زانیہ بیوی کا ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک شوہر کی زوجیت میں دیتی اور

اسے اپنی عصمت و ناموس کا مالک بناتی ہے۔ نان و لفقة اور دیگر تمام حقوق اسی سے حاصل کرتی ہے۔ اور پھر اس کے حق زوجت میں غیر مرد کو شریک کر کے اپنے شوہر سے خیانت کی اور بے وقاری کی مرتکب ہوتی ہے۔ ایک مشرک کی اللہ سے بے وقاری اور خیانت کی مثال اگر اس دنیا میں کوئی اور ہو سکتی ہے تو وہ کسی زانیہ بیوی کی وہ بے وقاری اور خیانت ہے جو وہ اپنے شوہر سے روکھتی ہے۔

اس تفصیل سے یہ باث واضح ہو جاتی ہے کہ زنا ایک ایسا جرم عظیم ہے جس سے بے شمار مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ سے خاندانی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ لڑائی جھگڑے اور قتل و فساد تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ بعض اوقات خودکشی کے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ لوگوں کا امن و سکون غارت ہوتا ہے اور فتنہ و فساد پھیلتا ہے۔ اس کے سبب سے معاشرے میں جنسی بے راہروی اور انمار کی پیدا ہوتی ہے اور انسانوں کا اخلاق جانوروں کی سطح تک گر جاتا ہے۔

قرآن میں جرم زنا کی سزا:

قرآن حکیم نے زنا کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے آغاز میں یہ مزایاں کی تھی کہ اگر چار گواہ اس امر کی شہادت دے دیں کہ انہوں نے کسی مرد اور عورت کو زنا کرتے دیکھا ہے تو ان دونوں کو زد و کوب کیا جائے اور زانیہ عورت کو گھر میں قید کر دیا جائے۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَالَّتِي يَأْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَاءِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ ۝ فَإِنْ شَهَدُوْا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّهُنَّ الْمُوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ۝ وَالَّذِنْ يَأْتِيْنَهَا مِنْكُمْ فَاذْوَهُمَا فَإِنْ تَابَا وَأَضْلَلَهَا فَأَغْرِضُهُمَا طَإِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَابًا رَّحِيمًا ۝﴾

[النساء: 15: 16]

”اور تمہاری عورتوں میں سے جو بد کاری کی مرتکب ہوں تو ان پر اپنے میں سے

چار آدمیوں کی گواہی طلب کرو۔ اگر چار آدمی گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو، یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے یا کسی موقع پر ان کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی راستہ نکال دے، اور اگر تم میں سے مرد اسی جرم کا ارتکاب کریں تو ان کو ایذا دو۔ پھر اگر وہ توبہ اور اصلاح کر لیں تو ان کو چھوڑ دو۔ بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے۔“

جرائم زنا کی مذکورہ بالاسرا قرآن مجید کا ایک ابتدائی اور عارضی نوعیت کا حکم تھا جس کی طرف ”اوْ يَجْعَلُ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا“ (ان کے لیے اللہ کوئی راستہ نکال دے گا) کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں۔

اس کے بعد سورہ نور کی آیت 2 میں اس سلسلے کا مستقل حکم نازل ہوا:

﴿الرَّأْيَةُ وَالرَّأْيُ فَاجْلِدُوا أَكْلَلَ وَاحِدِ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذُكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَيُشَهِّدُ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۵﴾

(النور: 2)

”زانیہ عورت اور زانی مردوں نوں میں سے ہر ایک کو سوسوکوڑے مارو اور اللہ کے قانون کے معاملے میں قطعاً کوئی نزی اختیار نہ کرو، اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور ضروری ہے کہ ان کو سزا دیتے وقت مسلمانوں کا ایک گردہ موجود رہے۔“

اس آیت کے نزول کے بعد سورہ نساء کے مذکورہ بالا احکام منسوخ ہو گئے۔ اب آئندہ کے لیے جرم زنا کی سزا سوسوکوڑے مقرر ہو گئی۔

مگر آیت جلد کا یہ حکم درحقیقت کوئی حکم عام نہ تھا کہ اس میں ہر قسم کا مرتكب زنا شامل ہو، کیونکہ قرآن حکیم نے زانیہ لوٹیوں (اور ان کے ساتھ غلاموں) پر اس حکم کا اطلاق نہیں کیا، بلکہ ان کی تخصیص کرتے ہوئے فرمایا:

»فِإِذَا أَحْسِنَ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاجِحَةٍ فَعَلَيْهِنَ نِصْفُ مَا عَلَى
الْمُحْسِنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ۝

(النساء: 25)

”جب وہ لوٹیاں قید نکاح میں آ جائیں اور پھر اگر وہ کوئی بد کاری کریں تو ان کے لیے اس سزا کا نصف ہے جو ”محضنات“ (آزاد حمورتوں) کے لیے مقرر ہے۔“

واضح رہے کہ یہاں پر ”العذاب“ کی جو سزا بیان ہوئی ہے یہ وہی سزا ہے۔ جسے آیت جلد میں عذابہمما کہا گیا ہے، اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے۔

اس طرح قرآن مجید نے قید نکاح میں آئی ہوئی لوٹیوں (اور ان کے ساتھ غلاموں) کے لیے ارتکاب زنا کی صورت میں نصف سزا یعنی پچاس کوڑوں کی سزا مقرر کی ہے۔ دوسرے الفاظ میں قرآن حکیم نے زنا کے آزاد اور غلام مجرموں کی دو قسمیں کرداری ہیں اور دونوں کے لیے الگ الگ سزا مین فرمائی ہے۔ آزاد زانی اور زادیہ جن کے لیے آیت جلد کی رو سے سوسو کوڑوں کی سزا ہے اور لوٹیاں (اور غلام) جن کے جرم زنا پر ان کو پچاس کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔

قرآن کی اس تخصیص سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہو گئی کہ آیت جلد کا حکم صرف ”محضنات“ کے ساتھ خاص ہے اور غلاموں اور لوٹیاں پر اس حکم کا اطلاق نہیں ہو گا۔ گویا وہ اس حکم سے مستثنی ہیں۔

اب یہ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیت مذکورہ الفاظ نصف ماغلی المحسنات میں محسنات سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ اسی لفظ کے مفہوم سے آیت جلد کے حکم کی گردھ کھلے گی اور یہ بات واضح ہو جائے گی کہ سو کوڑوں کی سزا کا حکم کس قسم کے افراد کے لیے آیا ہے۔ علم تفسیر کا ایک مسلمہ قاعدة یہ ہے کہ:

((القرآن یفسر بعضہ بعضًا))

”قرآن مجید کا ایک حصہ اس کے دوسرے حصے کی تفسیر بیان کرتا ہے۔“
”مُحْصَنَاتِ“ کا مفہوم:

”مُحْصَنَاتِ“ کالفظ احسان سے بنتا ہے جس کے معنی ہیں: ”روک یا قید میں آ جانا“، ”قلعہ بند ہونا“ اور ”محفوظ ہو جانا۔“ اس طرح مُحْصَنَاتِ کے لغوی معنی ”اخلاقی طور پر قلعہ بند یا محفوظ عورتوں“ کے ہیں۔

قرآن مجید میں لفظ ”مُحْصَنَاتِ“ درج ذیل تین معنوں میں سے کسی ایک معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس کے تینوں معنوں کی تفصیل یہ ہے:

1۔ شادی شدہ عورتیں

2۔ آزاد عورتیں

3۔ پاک دامن اور پاک باز عورتیں

گویا قرآن مجید کی رو سے:

ا: وہ لوٹدیاں بھی مُحْصَنَاتِ ہیں جو کسی کی قید نکاح میں آ جائیں۔ کیونکہ اس طرح ان کو اپنے شوہروں کی حفاظت و حمایت حاصل ہو جاتی ہے۔ سورہ نساء کی آیت 25 کے الفاظ (فَإِذَا آتَيْتَهُنَّا) اور (مُحْصَنَاتِ غَيْرِ مُسَافِحَاتِ) سے یہی لوٹدیاں مراد ہیں۔

ب: شادی شدہ عورتیں مُحْصَنَاتِ ہیں کیونکہ ان کو اپنے شوہروں اور اپنے خاندانوں کی دو ہری حفاظت و حمایت میسر ہوتی ہے اس معنی میں یہ لفظ سورہ نساء کی آیت نمبر 24، جہاں محمات نکاح کا تذکرہ ہوا ہے، کے الفاظ ”وَالْمُحْصَنَاتِ مِنَ النِّسَاءِ“ (اور شادی شدہ عورتیں) میں ”المُحْصَنَاتِ“ سے یہی شادی شدہ عورتیں مراد ہیں۔

ج: آزاد عورتیں بھی ”مُحْصَنَاتِ“ کہلاتی ہیں کیونکہ انہیں بھی اپنے خاندانوں کی حمایت و حفاظت حاصل ہوتی ہے۔ سورہ نساء کی آیت 25 کے آغاز میں ارشادِ الہی ہے:

(وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يُنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ)

”اور تم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔“

اس مقام پر المحسنات سے یہی آزاد عورتیں مراد ہیں۔

د: پاک دامن اور پاک بزار عورتیں بھی ”محسنات“ ہیں کیونکہ وہ ”اخلاقی“ طور پر ”قلعہ بند“ اور ”بدکاری سے حفاظ“ ہوتی ہیں۔ سورہ النور کی آیت 4 کے الفاظ۔

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْسَنَاتِ ﴾

”اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر بہتان لگاتے ہیں۔“

میں ”المحسنات“ کا لفظ انہی پاک دامن اور پاک بزار عورتوں کے لیے آیا ہے۔ لفظ محسنات کے معانی کی اس تفصیل کے بعد اب درج ذیل آیت پر غور کریں:

﴿وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مُنْكِمْ طُولًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْسَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ طَبَقُضُكُمْ مِنْ مَبْعَضٍ فَإِنَّكُمْ حُوَّهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَأَتُوهُنَّ أَجْهُورَهُنَّ بِالْمَغْرُوفِ فِي مُحْسَنَاتِ غَيْرِ مُسَاخِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتٍ أَخْدَانٍ هُنَّ فَإِذَا أَخْصَنَ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْسَنَاتِ مِنَ الْعَدَابِ ﴾

(النساء: 25)

”اور تم میں سے جو شخص مومنہ ”محسنات“ یعنی آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ ان مومنہ کنیزوں سے جو تمہارے قبیلے میں ہوں، نکاح کرے۔ اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ تم سب ایک ہی جنس ہو۔ ان کے مالکوں کی اجازت کے ساتھ ان کنیزوں سے نکاح کرلو اور دستور کے مطابق ان کے مہران کو ادا کرو۔ وہ قید نکاح میں آنے والی ہوں، بدکاری اور آشنائی کرنے والی نہ ہوں۔ پھر اگر وہ قید نکاح میں آجائے کے بعد بدکاری

کا ارتکاب کریں تو جو سزا "محضنات" کے لیے مقرر ہے، اس کی نصف سزا ان پر ہوگی۔"

اس ایک آیت میں لفظ "محضنات" تین مرتبہ آیا ہے۔ پہلی مرتبہ: ﴿أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ﴾ میں جس سے آزاد عورتیں، مراد ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ اس جگہ یہ لفظ فتیات یعنی لوٹیوں کے مقابل میں آیا ہے جس کی وجہ سے یہاں صرف آزاد عورتیں ہی مراد لی جا سکتی ہیں۔

دوسری مرتبہ لفظ "محضنات" آیت کے اس نکٹے ﴿مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ﴾ ان لوٹیوں کی حن سے نکاح کی اجازت ہے، یہ کیفیت و حالت بیان کرتا ہے کہ وہ "قید نکاح میں آنے والی ہوں، بدکاری کرنے والی ہوں۔" اس کے بعد فَإِذَا أَحْصِنَ میں بھی انہی لوٹیوں کے نکاح کا ذکر کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے شوہروں کی حفاظت و حمایت حاصل کر کے داخل احسان یعنی محسنات ہو جائیں گی۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ لوٹیاں جب بے شوہر تھیں تو وہ "محضنات" نہیں تھیں قید نکاح میں آجائے کے بعد "محضنات" یعنی شوہروں والیاں اور شادی شدہ ہو گئیں۔

تیسرا مرتبہ یہ لفظ "محضنات" اس آیت کے فقرے ﴿فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ میں وارد ہوا ہے۔ اس جگہ اس لفظ سے وہی "محضنات" مراد ہیں جو ابتدائے آیت میں مذکور ہوئی ہیں یعنی "آزاد عورتیں" اس مقام پر یہی معنی مراد لینے کے حق میں درج ذیل دلائل ہیں:

1۔ آیت مذکورہ کے آغاز سے فتیات یعنی لوٹیوں اور محسنات یعنی آزاد عورتوں کے جانبین کا بیان تقاضی انداز میں ہوا ہے اس سلسلہ کلام میں ایک جانب فتیات کی حالت میں یہ تبدیلی ہوئی ہے کہ وہ کسی کی قید نکاح میں آنے کی جانب کے انتبار سے ﴿مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ﴾ کے تحت محسنات ہو گئی ہیں اور پھر ان کی اس حالت کو ﴿فَإِذَا أَحْصِنَ﴾ (جب وہ محسنات ہو جائیں) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ

دوسری جانب محسنات یعنی آزاد عورتوں کی کیفیت میں قطعاً کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ اس کے بعد آخر میں انہی جانین کا تقابل سزا کے لحاظ سے باس الفاظ بیان ہوا ہے کہ:

**﴿فَإِذَا أُخْصِنَ فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَ نِصْفُ مَا عَلَى
الْمُحْسِنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ط﴾**

”پھر اگر وہ لوٹ دیاں قید نکاح میں آجائے کے بعد بدکاری کا ارتکاب کریں تو جو سزا“محسنات“ کے لیے مقرر ہے، اس کی نصف سزا ان پر ہوگی۔“

اس طرح شادی شدہ لوٹ دیوں کے لیے ارتکاب زنا پر اس سزا کا نصف بتایا ہے جو آزاد عورتوں کے مرتكب زنا ہونے پر قرآن نے مقرر کی ہے۔ یعنی شادی شدہ زانیہ لوٹ دیوں کے لیے پچاس کوڑے اور آزاد زانیہ عورتوں کے لیے سو کوڑے۔

آیت کا یہ سیاقی کلام ہی وہ واضح ترین ہے جو اس مقام پر لفظ ”محسنات“ کے معنی کو ”آزاد عورتوں“ کے ساتھ متعین کروتا ہے۔ گویا لوٹ دیوں کے مقابل میں جب لفظ محسنات آتا ہے تو اس سے صرف آزاد عورتوں میں مراد ہوتی ہیں اور اس مقام پر وہی مراد ہیں۔ خود اسی آیت کے آغاز میں قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

**﴿وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طُولًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْسِنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ
فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ط﴾**

(النساء: 25)

”اور تم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو ہوان مومنہ لوٹ دیوں سے جو تمہارے قبضے میں ہوں، نکاح کر لے۔“

اس جگہ ”محسنات“ کا لفظ لوٹ دیوں کے مقابل میں بھی آیا ہے اور اس سے صرف ”آزاد عورتوں“ ہی مراد ہو سکتی ہیں۔

2۔ حالت احسان کے پہلو سے دیکھا جائے تو معلوم ہے کہ ایک لوٹ دی غیر محسنة ہوتی ہے

اور کسی کی قید نکاح کے آنے کے بعد ہی وہ محسنة ہو سکتی ہے۔ اگر چند نکاح کے بعد بھی وہ حالت احسان کے اعتبار سے کامل طور پر محسنة نہیں ہوتی۔ کیونکہ ایک شوہر کی حفاظت حمایت میں آجائے کے باوجود وہ ان لوگوں کی بندگی سے آزاد نہیں ہوتی جن کی وہ ملکیت ہے اور نہ ہی معاشرت میں اسے وہ مقام حاصل ہوتا ہے جو ایک آزاد عورت کو میرہ ہوتا ہے۔

اس کے علی الرغم ایک آزاد عورت پہلے ہی سے محسنة ہوتی ہے۔ خواہ وہ غیر شادی شدہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا سبب یہ ہے کہ حریت کی بنا پر اسے ایک خاندان کی حفاظت و حمایت حاصل ہوتی ہے۔ اس کا مجر و حرہ ہونا ہی اس کے محسنة ہونے کے لیے کافی ہے۔ اس کے محسنة کہلانے کے لیے اس کا کسی کی ملکووحہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے اس زیر بحث مقام پر (محضنات) سے آزاد عورتیں ہی مراد ہیں۔

عقل و حکمت اور عدل و انصاف کی رو سے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جرم زنا کی سزا کے بارے میں اسلام کا منشا کیا ہے؟ اسلامی شریعت نے ایک ایسے شخص کے ارتکاب زنا میں کہ جس کو اپنی فطری جنسی خواہش پوری کرنے کا کوئی جائز ذریعہ حاصل نہیں ہوسکا..... اور ایک ایسے شخص کے ارتکاب زنا میں کہ جس کو اس کی فطری صفتی خواہش پوری کرنے کا ایک جائز ذریعہ میرآ چکا ہے..... بہر حال فرق کیا ہے اور دونوں کی حالتوں کے اختلاف کی بنا پر ان کے لیے الگ الگ سزا میں مقرر کی ہیں۔

فرض کبھی دو عورتیں مرتكب زنا ہوتی ہیں۔ ایک کتواری اور دوسری شادی شدہ عورت ہے۔ اپنی عورت اپنی جنسی خواہش کے بیجان میں تسلیم کا کوئی جائز راستہ نہیں پاتی اور زنا کا ارتکاب کرتی ہے۔ دوسری عورت ایک شوہر کی بیوی ہے۔ اگر اس کا شوہر اس کے لیے وجہ تسلیم نہیں بنتا تو وہ عورت اس سے خلع کر کے کسی اور مرد سے نکاح بھی کر سکتی ہے۔ مگر ایک خاوند کی بیوی ہوتے ہوئے وہ مرتكب زنا ہوتی ہے۔ اس کا یہ فعل اس کے شوہر کی حق علیقی، اس سے بدترین خیانت اور پر لے درجے کی بے وقاری ہے۔ اس نے اپنے خاوند سے باندھے

ہوئے اس معاهدے کا سر عنوان مٹا دالا ہے جس معاهدے کو قرآن مجید نے ”بیشاق غلیظ“، یعنی پختہ معاهدے سے تجیر کیا ہے۔ کیا ان دونوں عورتوں کا مقدمہ ایک جیسا ہے؟ نہیں! ہماری عقل ان کو مختلف مقدمے قرار دیتی ہے کیا ان دونوں عورتوں کا جرم زنا ایک ہی درجے کا ہے؟ نہیں! ہماری بصیرت کہتی ہے کہ دونوں کا جرم یکساں درجے کا نہیں ہے بلکہ متفاوت درجوں کا ہے۔ پھر اگر ایسا ہے تو کیا، ان دونوں کو ایک جیسی سزا ملنی چاہئے؟ ہرگز نہیں! اعدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ چونکہ کوواری عورتوں کا جرم سنجاتا کم ہے اور شادی شدہ عورت کا نسبتاً زیادہ، لہذا سزا میں بھی یہ فرق لحوظ رکھنا چاہئے۔ کیا ایک فطری اور عقلی شریعت کے لیے یہ امر ضروری نہیں کہ وہ پہلی مجرمہ کو نسبتاً کم اور دوسرا مجرمہ کو نسبتاً زیادہ سزا دے؟

ای حکمت کے پیش نظر اسلامی قانون میں غیر محسن زانی اور غیر محسنة زانی کے لیے تو سو سو کوڑوں کی سزا مقرر کی گئی ہے مگر محسن زانی اور محسنة زانی کے لیے رجم کی حد رکھی گئی ہے۔ و مختلف صورتوں کو یکساں حیثیت دے کر ان کے لیے ایک ہی سزا تجویز کرنا کسی طور پر بھی عقل و حکمت اور عدل و انصاف کے قرین قیاس نہیں ہے اور جو لوگ شریعت کے تمام تراحاکمات کو عقل و حکمت ہی پر بنی قرار دیتے ہیں ان کے لیے تو اس سے انکار کے لیے قطعاً کوئی سنبھالش نہیں ہے۔

الغرض مذکورہ بالقرآن و شواہد کی روشنی میں ہم یہ سمجھتے ہیں کہ زیر بحث مقام (فَعَلَيْهِنَّ بَصُرَضَ مَذْكُورَةِ الْقُرْآنِ وَشَوَاهِدِ كَيْ رُوشَنِي مِنْ هُمْ يَسْعَى) پر محسنات سے مراد صرف آزاد عورتوں ہیں اور سورہ نور کی آیت جلد کا حکم صرف غیر محسن زانیوں ہی کے ساتھ خاص ہے اور امت کے تمام مفسرین کرام کا اسی امر پر اجماع ہے۔

(مُحْسَنَاتٍ) کے مفہوم کے بارے میں مفسرین کرام کی آراء:

اب ہم زیر بحث مقام (فَعَلَيْهِنَّ بَصُرَضَ مَذْكُورَةِ الْمُحْسَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ) میں لفظ محسنات کے معنی کے بارے میں امت کے اکابر مفسرین کی آراء پیش کرتے ہیں۔

1۔ تفسیر طبری (ابن جریر طبری، متوفی 310ھ)

((فَعَلَيْهِنَ نَصْفٌ مَاعْلَى الْحُرَائِرِ مِنَ الْحَدِّ إِذَا هِنَ زَنِينَ قَبْلَ الْاْحْسَانِ بِالْأَزْوَاجِ))

”یعنی پھر ایسی لوگوں پر ان آزاد عورتوں کا حد کا نصف ہے۔ جو شادی سے پہلے زنا کا ارتکاب کریں۔“

2۔ احکام القرآن۔ (ابو بکر الجصاص، م 375ھ)

((أَرَادَ الْاْحْسَانَ مِنْ جِهَةِ الْحُرْبِيَّةِ لَا الْاْحْسَانَ الْمُوجَبُ الرِّجْمُ، لَأَنَّهُ لَوْ أَرَادَ ذَالِكَ لَمْ يَصُحُّ أَنْ يَقُولَ عَلَيْهَا نَصْفُ الرِّجْمِ لَأَنَّهُ لَا يَتَعَضُّ))

”اس گہے احسان باعتبار حریت مراد ہے اور وہ احسان مراد نہیں جس پر رجم کی حد واجب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر دوسرے معنی مراد ہوتے تو پھر رجم کا نصف کہنا صحیح نہ ہوتا کیونکہ رجم کی سزا ناقابل تقسیم ہے۔“

3۔ احکام القرآن (ابن العربي، م 542ھ)

((يَكُونُ التَّقْدِيرُ فَإِذَا تَزَوَّجُنَ فَعَلَيْهِنَ نَصْفٌ مَاعْلَى الْأَبْكَارِ مِنَ الْعَذَابِ وَهُوَ الْجَلْدُ))

”قدری کلام یوں ہے کہ جب وہ لوگوں قید نکاح میں آجائیں اور زنا کی مرتكب ہوں تو ان کے لیے آزاد کنوار یوں کی اس سزا کا نصف ہے جو (سو) کوڑوں کی ہے۔“

4۔ مفاتیح الغیب المعروف تفسیر کبیر (امام فخر الدین رازی، م 606ھ)

((أَمَانٌ يَكُونُ السَّرَادِمَنَهُ الْحُرَائِرُ الْمُتَزَوِّجَاتُ أَوْ الْمَرَادُ مِنْهُ الْحُرَائِرُ الْأَبْكَارُ، وَالسَّبْبُ فِي اطْلَاقِ اسْمِ الْمَحْصَنَاتِ عَلَيْهِنَ بِحُرْبِتِهِنَ وَالْأُولُ مشَكَّلٌ لَانَ الْوَاجِبُ عَلَى الْحُرَائِرِ الْمُتَزَوِّجَاتِ

فی الزنا الرجم فهذا يقتضي أن يجب في زنا الاماء نصف الرجم
و معلوم أن ذلك باطل والثاني وهو أن يكون المراد الحرائر
الابكار فنصف ماعليهن هو خمسون جلدة ومحصنة هذا القدر

واجب في زنا الأمة سواء كانت محصنة أو لم يكن .))
”اس مقام پر محصنات سے یا تو شادی شدہ آزاد عورتیں مراد ہو سکتی ہیں یا کنواری
آزاد عورتیں۔ اس کا سبب ہے، کہ ان دونوں قسم کی عورتوں پر ان کی حریت کی
وجہ سے لفظ محصنات کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ پہلی صورت محال ہے کیونکہ شادی شدہ
عورتوں کا ارتکاب زنا کی حد رجم ہے اور اس صورت میں یہ امر مقتضی ہے کہ
لوٹیوں کو زنا کے ارتکاب پر نصف رجم کی سزا دی جائے اور ظاہر ہے کہ یہ ایک
بے معنی بات ہے۔ دوسرے صورت میں محصنات کے معنی کنواری آزاد عورتوں
کے ہو سکتے ہیں جس کے بعد زانیہ لوٹیوں کے لیے نصف سزا یعنی پچاس کوڑے
ہوں گے اور یہ حد ہرزانیہ لوٹی کے لیے ہے خواہ وہ شادی شدہ ہو یا شادی شدہ
نہ ہو۔“

5۔ الجامع الاحکام القرآن (امام قرطبي، م 571ھ)

((ويعني المحصنات ها هنا الا بكار الحرائر .))

”اس جگہ محصنات کے معنی ہیں：“کنواری آزاد عورتیں۔“

6۔ تفسیر مدارک (علامہ حافظ الدین نشی، م 710ھ)

((وان المحصنات هنا الحرائر اللاتى لم يزوجن .))

”اس مقام پر محصنات سے وہ آزاد عورتیں مراد ہیں جو غیر شادی شدہ ہوں۔“

7۔ تفسیر خازن (علامہ علاء الدین بغدادی، م 725ھ)

((يعنى الاماء اللاتى زنين نصف ماعلى الحرائر الا بكار
اذا زنين من الجلد .))

”یعنی زانیہ لوٹیوں پر اس سزا کا نصف ہے جو کنواری آزاد عورتوں کے لیے ان کے ارتکاب زنا پر کوڑوں کی صورت میں ہے۔

8۔ جامع البيان في تفہیر القرآن (شیخ محمد بن عبد الرحمن الثافعی، م 894ھ)

((المحصنات : الحرائر الابكار .))

”محصنات سے مراد ہیں: ”کنواری آزاد عورتیں“

9۔ تفسیر جلالین (علامہ جلال الدین سیوطی، م 911ھ و جلال الدین محلی)

((المحصنات : الحرائر الابكار اذا زنن .))

”محصنات یعنی کنواری آزاد عورتیں جب زنا کی مرتكب ہوں۔“

10۔ تفسیرات احمدیہ (ملا احمد جیون۔ سنہ تالیف 1075ھ)

((والمراد من هذه المحصنات الحرائر بلا تزویج .))

”اس جگہ ”محصنات“ سے مراد وہ آزاد عورتیں ہیں جو غیر شادی شدہ ہوں۔“

11۔ فتح القدر (امام شوکانی، م 1255ھ)

((المحصنات : أی الحرائر الابكار .))

”محصنات یعنی کنواری آزاد عورتیں۔“

یہاں ہم نے صرف دس گیارہ قابلی اعتماد مفسرین کی آراء درج کی ہیں اور طوالت سے بچنے کے لیے انہی پر اتفاق کرتے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ امت کے تمام تر مفسرین کی اس بارے میں متفق رائے ہیکی ہے کہ زیر بحث مقام پر ”محصنات“ سے صرف ”آزاد عورتیں“ ہی مراد ہیں۔

آیتِ جلد کا حکم:

لفظ ”محصنات“ کے مفہوم کی بحث اور اس بارے مفسرین کرام کی متفقہ رائے بیان کرنے کے بعد ہم سورہ نور کی آیت جلد پر از سر نوغور کریں گے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس کا

حکم کس قسم کے مرکبین زنا کے لیے آیا ہے۔

﴿الرَّازِيَةُ وَالرَّازِيَنِيُّ فَاجْلِدُوَا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَلَا تَأْخُذُكُمْ بِهِمَا رَأْفَةً فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَيُشَهِّدُ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾

(النور: 2)

”زانیہ عورت اور زانی مردوں نوں میں سے ہر ایک کو سوسوکوڑے مارو اور اللہ کے قانون کے معاملے میں قطعاً کوئی نرمی اختیار نہ کرو، اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور ضروری ہے کہ ان کو سزا دیتے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ موجود رہے۔“

آغاز بحث میں ہم نے اس بات کی وضاحت کی تھی کہ آیت جلد کا یہ حکم صرف آزاد مرد اور عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے لوٹیاں (اور غلام) اس حکم میں داخل نہیں۔ اس امر کی تصریح خود قرآن حکیم نے فرمادی ہے۔

﴿فَإِذَا أَخْصَنَ قَلْنَانِ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْسَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ۝﴾

(النساء: 25)

”جب وہ لوٹیاں قید نکاح میں آ جائیں اور پھر اگر وہ کوئی بد کاری کریں تو ان کے لیے اس سزا کا نصف ہے جو ”محضنات“ کے لیے مقرر ہے۔“

اس سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ آیت جلد کا حکم درحقیقت حکم عام نہیں ہے اور آیت جلد کے الفاظ ”الرَّازِيَةُ وَالرَّازِيَنِيُّ“ میں لام تعریف تعیم کے لیے نہیں بلکہ تحصیص کے لیے آیا ہے کیونکہ اس سے ہر قسم کے زانی لوگ مراد نہیں ہیں بلکہ لوٹیاں (اور غلاموں) کے ارتکاب زنا پر اس حکم کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ان کی تحصیص خود قرآن نے کروی ہے۔ یوں آیت جلد کے حکم کو حکم عام سمجھ لینا قرآن کی نص صریح کے خلاف ہے۔ اس لیے غامدی صاحب کا یہ

مواقف قرآن کے خلاف ہے کہ سورہ نور آیت 2 کا حکم عام ہے۔

آیت جلد اور مفسرین کرام:

اب ہم آیت جلد کے حکم کے بارے میں امت مسلمہ کے معتمد علیہ مفسرین کی آراء نقل کرتے ہیں۔

- 1- تفسیر المقباس میں تفسیر ابن عباس (ابن عباس متوفی 68ھ)

((«الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي») وَهُمَا بِكُرَانِ زَنِيٍّ.)

”یعنی ”الزنانیةُ وَالزنانی“ میں دونوں کنوارے قسم کے لوگ مراد ہیں جو زنا کے مرتكب ہوں۔“
- 2- تفسیر طبری (ابن جریر طبری، م 310ھ)

((يقول تعالى ذكره: من زنى من الرجال، أو زنت من النساء، وهو حد بكر غير محصن بزوج فاجلدوه ضرباً مائة جلدة.)

”الله تعالیٰ نے یہاں پر جن زانی مردوں اور زانی عورتوں کا تذکرہ کیا ہے اور اس میں جس حد کا حکم ہے وہ صرف غیر محصن کنوارے اور غیر محصنہ کنواری کے لیے ہے۔ پس ان کو سو کوڑے مارے جائیں۔“

- 3- تفسیر الکشاف (جاراللہزمشتری، م 528ھ)

((وَهُوَ حُكْمُ مَنْ لَيْسَ بِمُحْصَنٍ مِّنْهُمْ، فَإِنَّ الْمُحْصَنَ حُكْمُ الرَّجْمِ.)

”اس آیت کا حکم صرف کنوارے اور کنواری کے ارتکاب زنا کے لیے ہے اور شادی شدہ زانی کے لیے رجم کا حکم ہے۔“

- 4- احکام القرآن (ابن العربي، م 542ھ)

((قَوْلُهُ: «فَاجْلِدُوهُا») جعل الله كما تقدم حد الزنا قسمين

رجماً على الشيب وجلد على البكر وذلك لأن قوله: (الزانية
والزناني فاجلدوه كُلَّ واحِدٍ مِنْهُمَا) عام في كل زان ثم شرحت
السنة حال الشيب)).

”جیسا کہ پہلے گزر چکا، اللہ تعالیٰ نے حد ذات کی دو قسمیں کر دی ہیں۔ شادی شدہ
کے لیے رجم اور غیر شادی شدہ کے لیے سو کوڑوں کی سزا ہے۔ فرمایا ”زانیہ
عورت اور زانی مردوں کو کوڑے مارو۔“ تو یہ حکم ہر قسم کے زانی کے لیے عام
تھا۔ پھر سنت نے شادی شدہ کی الگ صورت واضح کی۔“

5۔ مفاتیح الغیب۔ تفسیر بکیر (امام فخر الدین رازی، م 606ھ)

((احتاج الجمهور من المجتهدين على وجوب رجم المحسن
لما ثبت بالتواتر أنه عليه الصلاة والسلام فعل ذلك، قال
أبو بكر الرazi روى الرجم أبوبكر و عمر و علي و جابر بن
عبد الله وأبو سعيد خدرى وأبو هريرة و بريدة الاسلامي و زيد بن
خالد فى آخرين من الصحابة وبعض هؤلاء الرواية روى خبر
رجم ماعز بعضهم خبر اللخمية والغامدية وقال عمر: ”لو لا ان
يقول الناس زاد عمر فى كتاب الله لا ثبته فى المصحف،
والجواب. عما احتجوا به او لا انه مخصوص بالجلد فان قيل
فيلزم تخصيص القرآن بخبر الواحد قلنا بل بالخبر المتواتر لما
بينا ان الرجم منقول بالتواتر ايضا فقد بينا فى اصول الفقه ان
تخصيص القرآن بخبر الواحد جائز)).

”جمهور مجتهدین نے نزدیک زانی محسن کے لیے رجم کی سزا مقرر ہے کیونکہ
آنحضرت ﷺ کے عمل سے متواتر کے ساتھ ہی بھی ثابت ہے۔ ابو بکر رازی نے
کہا ہے کہ رجم کی احادیث، ابو بکر، عمر، علی، جابر بن عبد اللہ، ابو سعيد خدری،

ابو ہریرہ، بُریزیدہ اسلی اور زید بن خالد رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے پھر ان میں سے بعض راویوں نے وہ احادیث روایت کی ہیں جن میں حضرت ماعز، تجیہ اور غامد یہ دونوں عورتوں کے رجم ہونے کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب نے فرمایا: ”اگر مجھے لوگوں کا اندیشہ نہ ہوتا کہ وہ کہیں کہ ”عمر بن الخطاب نے اللہ کی کتاب میں اضافہ کیا“ تو میں اس (حکم) کو قرآن میں لکھوادیتا۔

جن لوگوں نے اس آیت کے تحت یہ کہا ہے کہ اس میں صرف کوڑوں کی سزا مذکور ہوئی ہے اگر رجم کو مانا جائے تو پھر خبر واحد سے قرآن کے حکم کی تخصیص ماننی پڑتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رجم کی روایات متواتر ہیں۔ اس کے علاوہ اصول نقش میں بھی ہم نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ خبر واحد سے بھی قرآن کے حکم عام کی تخصیص ہو سکتی ہے۔“

6۔ الجامع الاحکام القرآن۔ تفسیر قرطبی (امام قرطبی، م 671ھ)

((«مائة جلد») هذا حد الزاني الحر بالغ البكر وكذلك الزانية البكر الحرة..... واما المحسن من الاحرار فعلية الرجم دون الجلد.)

”اس آیت میں آزاد، بالغ، کنوارے زانی کے لیے حد بیان کی گئی ہے اور اس طرح آزاد بالغہ کنواری زانیہ عورت کے لیے بھی یہی حد ہے۔ رہے آزاد محسن زانی اور محسنه زانیہ، تو ان کے لیے رجم کی حد ہے، کوڑوں کی حد نہیں ہے۔“

7۔ تفسیر مدارک (علامہ نفی، م 686ھ)

((وَهَذَا حَكْمُ حِرْ لَيْسَ بِمُحْسِنٍ، إِذَا حَكْمُ الْمُحْسِنِ الرِّجْمُ.))

”یہ حکم اس آزاد زانی اور زانیہ کے لیے ہے جو غیر محسن یعنی کنوارے ہوں جبکہ محسن کے لیے رجم کا حکم ہے۔“

8۔ تفسیر خازن (علاء الدین بغدادی، م 725ھ)

((وَإِنْ كَانَ الزَّانِي مَحْصُناً فَعَلَيْهِ الرِّجْمُ۔))

”اور اگر زانی شادی شدہ ہو تو اس کے لیے رجم کی سزا ہے۔“

9۔ تفسیر القرآن العظیم المعروف تفسیر ابن کثیر (حافظ ابن کثیر، م 774ھ)

((فَإِنَّمَا إِذَا كَانَ بَكْرٌ لَمْ يَتَزَوَّجْ فَإِنْ حَدَّهُ مائَةً جَلْدَةً كَمَا فِي الْآيَةِ

..... فَإِنَّمَا إِذَا كَانَ مَحْصُناً وَهُوَ الَّذِي قَدْ وُطِيَ فِي نَكَاحٍ صَحِيحٍ

وَهُوَ بِالغِيلِ عَاقِلٌ فَإِنَّهُ يَرْجِمُ۔))

”جب کوئی غیر شادی شدہ کنوار امر تکب زنا ہو تو آیت کے بحسب اس کی سزا سو کوڑے ہیں مگر جب کوئی شادی شدہ جس نے نکاح صحیح کے بعد مبادرت بھی کی ہو، مر تکب زنا ہو اور وہ عاقل بالغ بھی ہو، تو اسے رجم کیا جائے گا۔“

10۔ انوار التنزیل۔ تفسیر بیضاوی (قاضی بیضاوی، م 791ھ)

((وَهُوَ حَكْمٌ يَخْتَصُّ بِمَنْ لِيْسَ بِمَحْصُنٍ لِمَا دَلَّ عَلَى أَنْ حَدَّا

لِمَحْصُنٍ هُوَ الرِّجْمُ۔))

”اس آیت کا حکم اس زانی کے ساتھ خاص ہے جو شادی شدہ نہ ہو جبکہ یہ ثابت ہے کہ شادی شدہ زانی کی حد رجم ہے۔“

11۔ جامع القرآن فی تفسیر القرآن (شیخ محمد بن عبد الرحمن الشافعی، م 894ھ)

((فَاجْلِدُوهُ أَكْلَلٌ وَأَحِدٌ مِنْهُمَا مائَةً جَلْدَةً۔)) وهذا مطلق

محمول على بعض، هو حد بالغ عاقل ما جامع في نكاح شرعى

فإن حكم من جامع فيه الرجم باحاديث الصحاح۔))

”اس آیت کا حکم بظاہر عام ہے لیکن اس پر قیود عائد ہیں جو یہ ہیں، حریت،

عقل، بلوغ اور شرعی نکاح کے تحت عدم مبادرت، دوسرے قیود کے ساتھ

مبادرت بھی شامل ہو تو پھر احادیث صحیح کی رو سے رجم کی سزا ہے۔“

12۔ تفسیر جایلین (جلال الدین سیوطی، م 911ھ و جلال الدین حنفی)

- ((الزانیة و الزانی)) اُی غیر المحسن لرجمہما بالسنۃ .))
 ”((الزانیة و الزانی)) یعنی غیر محسن زانی اور غیر محسنه زانیہ کیونکہ محسن زانی اور محسنه زانی کو سنت کی رو سے رجم کرنے کا حکم ہے۔“
- 13- تفسیرات احمدیہ (ملا احمد جیون، سن تالیف 1075ھ)
 ((الحکم المذکور فی الآیة وہ الحجہ انما ہو لغير المحسن و
 للمحسن الرجم .))
 ”اس آیت میں جو حکم مذکور ہوا ہے وہ کوڑوں کی سزا ہے جو صرف غیر محسن زانی
 کے لیے ہے اور محسن زانی کے لیے رجم کی سزا ہے۔“
- 14- تفسیر مظہری (قاضی ثناء اللہ پانی پی، م 1225ھ)
 ((اجمع علماء الامة علی ان الزانیة و الزانی اذا کانا حرین
 عاقلين بالغين غير المحسنيين فحددهما ان یجلد کل واحد منها
 مائة جلدۃ بحکم هذه الآیة .))
 ”علمائے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس آیت کے حکم کی رو سے آزاد،
 عاقل، بالغ اور غیر محسن زانی اور غیر محسنه زانیہ دونوں کو سوسو کوڑے مارے
 جائیں۔“
- 15- فتح القدير (امام شوکانی، م 1255ھ)
 ((مائة جلدۃ)) هو حد الزانی الحد البالغ البکر و كذلك
 الزانیة اما من کان محسناً من الاحرار فعليه الرجم بالسنۃ
 المتواترة وباجماع اهل العلم .))
 ”اس آیت میں آزاد بالغ، کنوارے زانی اور کنواری زانیہ کی حد بیان کی گئی
 ہے، مگر آزاد محسن زانی اور آزاد محسنه زانیہ کو سنت متواترہ اور اجماع اہل علم کے
 مطابق رجم کرنے کا حکم ہے۔“

16۔ روح العالی (علامہ محمود آلوی، م 1210ھ)

((.... وقد اجمع الصحابة رضى الله تعالى عنهم ومن تقدم من السلف وعلماء الامة وائمه المسلمين على ان المحسن يرجم بالحجارة حتى يموت، وانكار الخوارج ذاللث باطل لأنهم ان انكروا احدة اجماع الصحابة رضى الله تعالى عنهم فجهل مرکب. وان الكروا وقوعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم لانكارهم حجية خبر الواحد فهو بعد بطلانه بالدليل ليس ما نحن فيه لان ثبوت السرجم منه عليه الصلاة والسلام متواتر المعنی.))

”اس امر پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، علمائے سلف وخلف اور ائمۃ اسلام کا اجماع ہے کہ شادی شدہ زانی اور زانیہ کو رجم کر کے ہلاک کیا جائے گا، اس بارے میں خوارج کا اختلاف باطل ہے کیونکہ اگر وہ اجتماع صحابہؓ کی جمیت کا انکار کرتے ہیں تو یہ جہل مرکب ہے اگر وہ محسن خیر واحد کی جمیت سے انکار کر کے رسول اللہ ﷺ سے اس حکم کے ثبوت کا انکار کرتے ہیں تو اس بات کے باطل ہونے کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ رجم متواتر المعنی احادیث سے ثابت ہے۔“

17۔ تفسیر مواہب الرحمن (سید امیر علی، م 1337ھ)

”اگر یہ کہا جائے کہ آیت میں زانیہ اور زانی بے شبه عموم پر ہیں خواہ محسن ہوں یا غیر محسن ہوں تو تم نے کیوں اس پر عمل نہ کیا؟ جواب یہ ہے کہ عموم سے تخصیص واقع ہوئی ہے یعنی زانیہ باندی وزانی غلام کے واسطے سودرے کا حکم نہیں بدیں قطعی قولہ تعالیٰ:

﴿فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْسِنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ۚ﴾

”تو ان (لوٹیوں) پر ”محسنات“ کی سزا کا نصف ہے۔“

پس جب علوم نہیں رہا تو ہم نے معلوم کیا بذریعہ مشہور حدیث رجم و اجماع کے کہ زانیہ غیر محسنة کا حکم درے ہیں اور محسنة کا حکم رجم ہے۔

18۔ تفسیر مراغی (احمد مصطفیٰ مراغی، م 1365ھ)

((ان کان الزانیان محسنین و استو فی الشروط الاتیه و هی ان يکون بالغین عاقلین حرین مسلمین متزوجین بعقد نکاح

صحیح، وجب رجمهما : ای رمیهما بالحجارة حتی یموتا .))

”لیکن اگر زانی محسن ہو اور زانیہ محسنة ہو اور ان میں درج ذیل شرائط بھی پائی جائیں یعنی بلوغ، عقل، حریت، اسلام، نکاح صحیح کی زوجیت تو پھر ان دونوں کے لیے رجم یعنی پھر مار کر ہلاک کرنے کی سزا ہے۔“

19۔ فی ظلال القرآن (سید قطب، م 1385ھ)

((والجلد هو حد البكر من الرجال والنساء وهو الذي لم يحصل بالزواج ويرفع عليه متى كان مسلما بالغا عاقلا حرا . فاما المحسن وهو من سبق له الوطى في نكاح صحيح ومسلم حر بالغ فتحده الرجم وقد ثبت الرجم بالسنة وثبت الجلد بالقرآن ولما كان النص القرآني مجتملا و عاما ، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد رجم الزانين المحسنين ، فقد تبين من هذا أن الجلد خاص لغير المحسنين .))

”کوڑوں کی یہ سزا اس کنوارے مرد اور کنواری عورت کے لیے ہے جن میں نکاح کی حالت احسان نہ پائی جاتی ہو۔ اور پھر وہ مسلمان ”بالغ عاقل اور آزاد رہتے ہوئے زنا کا ارتکاب کریں مگر جو محسن زانی اور محسنة زانیہ ہو اور وہ مباشرت بھی کر چکے ہوں تو ان کے لیے رجم کی سزا مقرر ہے۔ حد رجم سنت سے ثابت ہے

اور کوڑوں کی حد قرآن سے ثابت ہے اور جبکہ قرآن کی نص بجمل اور عام نویت کی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے محسن اور محسنة زانیوں کو چونکہ رجم کی سزا دی تو اس سے ظاہر ہوا کہ کوڑوں کی سرا صرف غیر محسن زانیوں کے لیے ہے۔“

20۔ تفہیم القرآن (ابوالاعلیٰ مودودی، م 1399ھ)

یہ امر کہ زن بعد احسان کی سزا کیا ہے قرآن مجید نہیں بتاتا بلکہ اس کا علم ہمیں حدیث سے حاصل ہوتا ہے۔ بکثرت روایات سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے نہ صرف قول اس کی سزا رجم (سنگاری) بیان فرمائی ہے بلکہ عملاً آپ نے متعدد مقامات میں یہی سزا نافذ بھی کی ہے۔ پھر آپ کے بعد چاروں خلفائے راشدین نے اپنے اپنے دور میں یہی سزا نافذ کی اور اس کے قانونی سزا ہونے کا پار بار اعلان کیا۔ صحابہ کرام اور تابعین تک یہ مسئلہ بالکل متفق علیہ تھا۔ کسی ایک شخص کا بھی کوئی قول ایسا موجود نہیں ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکے کہ قرن اول میں کسی کو اس کے ایک ثابت شدہ حکم شرعی ہونے میں کوئی شک تھا۔ اس کے بعد تمام زمانوں اور ملکوں کے فقہائے اسلام اس بات پر متفق رہے ہیں کہ یہ ایک سنت ثابت ہے کیونکہ اس کی صحت کے اتنے متواتر اور قوی ثبوت موجود ہیں جن کے ہوتے ہوئے کوئی صاحب علم اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ امت کی پوری تاریخ میں بجز خوارج اور بعض معتزلہ کے کسی نے بھی اس سے انکار نہیں کیا ہے اور ان کے انکار کی بنیاد یہ نہیں تھی کہ نبی ﷺ سے اس حکم کے ثبوت میں وہ کسی کمزوری کی نشان وہی کر سکے ہوں بلکہ وہ اسے قرآن کے خلاف قرار دیتے تھے۔ حالانکہ یہ ان کے اپنے فہم قرآن کا قصور تھا۔ وہ کہتے تھے قرآن ﴿الْزَانِيُّ وَالْزَانِي﴾ کے مطلق الفاظ استعمال کر کے اس کی سزا سوسوکوڑے بیان کرتا ہے لہذا قرآن کی رو سے ہر قسم کے زانی کی سزا بھی ہے اور اس سے زانی محسن کو الگ کر کے اس کی کوئی اور سزا تجویز کرنا قانونی خداوندی کی خلاف درزی ہے۔ مگر انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ قرآن کے الفاظ جو قانونی وزن رکھتے ہیں، وہی قانونی وزن ان کی اس تصریح کا بھی ہے جو نبی ﷺ نے کی ہو بشرطیکہ وہ آپ ﷺ سے ثابت ہو۔“

ان حوالوں کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ امت کے تمام معتمد علیہ مفسرین کی یہ متفقہ رائے ہے کہ آیت جلد کے حکم کا اطلاق صرف غیر شادی شدہ آزاد مردوں اور عورتوں کے ارتکاب زنا پر ہوتا ہے اور اس حکم میں شادی شدہ زانی مرد اور عورتیں شامل نہیں ہیں بلکہ ان کا معاملہ الگ نوعیت رکھتا ہے اور ان کے لیے رجم کی سزا مقرر ہے۔

قرآن حکیم اور قتل نفس:

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ قرآن مجید اصول و کلیات کی کتاب ہے اور اس میں بیشتر احکام ایسے ہیں جو محمل طور پر بیان ہوئے ہیں اور ان کی تفصیل قرآن مجید میں موجود نہیں ہے۔ ایسے محمل احکام کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے ہمیں سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ تاکہ قرآن کے کسی اجمالی حکم کی تفصیلی صورت سامنے آئے اور اس پر عمل کرنا ممکن اور آسان ہو جائے۔

اس کی ایک مثال نماز ہے۔ وہ نماز جو اسلام کا بنیادی رکن اور عماد الدین ہے، جو ایک مسلمان اور کافر کے درمیان عملی سرحد ہے، جس کا ادا کرنا سفر و حضرتی کے عین میدان جنگ میں بھی ضروری ہے۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید نے ﴿أَقِيمُوا الصَّلَاة﴾ (نماز قائم کرو) کا صرف محمل حکم دیا ہے اور اس کے پانچ اوقات کا تعین، اس کی رکعتات کی تعداد اور اس کی عملی ہیئت، ان میں سے کوئی بھی قرآن میں مذکور نہیں ہوئی ہے۔ یہ ساری تفصیلات ہمیں سنت کے ذریعے ملتی ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر سنت نے نماز پڑھنے کی تفصیل نہ بیان کی ہوتی تو کوئی شخص بھی قرآن کی مطلوبہ نماز ادا نہ کر سکتا۔

اس طرح قرآن مجید نے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے جو نماز کے بعد دوسرا ہم ترین رکن دین ہے؟ زکوٰۃ کب اور کتنی ادا کی جائے؟ یہ ساری تفصیل ہمیں سنت مبارکہ میں ملتی ہے جس کے بعد زکوٰۃ کے قرآنی حکم پر عمل کرنے کی صورت سامنے آتی ہے۔

اسی طرح قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ۵۰

(الانعام: 151)

”اور کسی جان کو نا حق قتل نہ کرو جس کا قتل کیا جانا اللہ نے حرام نہیں ہے۔“

مذکورہ بالا آیت میں اہل ایمان کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ کسی جان کو نا حق قتل نہ کریں۔ البتہ اگر کوئی جان **إِلَّا بِالْحَقِّ** کے تحت مباح الدم ہو جائے تو اسے قتل کر سکتے ہیں۔

إِلَّا بِالْحَقِّ کی وضاحت:

حدیث کی رو سے کسی مسلمان کا خون اس وقت مباح ہو جاتا ہے جب وہ:

1۔ کسی شخص کو قتل کر دے۔

2۔ شادی شدہ ہو اور پھر اتناب زنا کرے۔

3۔ دین اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیح بخاری (کتاب الدیات) میں بیان کیا ہے اور سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابو امامہ بن سہل عن عثمان کی روایات میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔

اب ہم سورہ انعام کی اس آیت کے لئے **﴿إِلَّا بِالْحَقِّ﴾** کے بارے میں مفسرین کرام کی آراء درج کریں گے۔

1۔ تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہا۔

”**﴿إِلَّا بِالْحَقِّ﴾** بالعدل یعنی بالقود والرجم والارتداد۔“

”**﴿إِلَّا بِالْحَقِّ﴾** کے معنی ہیں عدل و انصاف کی رو سے، یعنی قصاص رجم اور امداد کی صورتوں میں کسی جان کو قتل کیا جا سکتا ہے۔“

2۔ تفسیر طبری۔

”**﴿إِلَّا بِالْحَقِّ﴾** یعنی اباح قتلہا به، من ان تقتل نفسا، فتفتت

قوادابها، او تزئی وہی محصنة، فترجم او ترتد عن دینها الحق
فتقتل، فذالک الحق الذی أباح اللہ جل ثناء وہ قتل النفس التي
حرم على المؤمنين قتلها به۔))

”یعنی وہ صورت جس میں کوئی جان مباح الدم قرار پاتی ہے یہ ہے کہ کوئی جان
دوسری جان کو قتل کر دے اور پھر قصاص کے طور پر قتل کی جائے۔ یا وہ شادی شدہ
ہونے کے بعد زنا کی مرتكب ہو اور پھر اسے رجم کر دیا جائے، یا وہ وسیں حق سے
مرتد ہو جائے اور پھر مارڈا لی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمودہ یہی وہ ”حق“ ہے جس
کے تحت مسلمانوں کے لیے کسی جان کو قتل کرنا مباح تھا تھا ہے۔“

3۔ معالم التزیل (امام بغوی، متوفی 516ھ)

((اَلَا بِالْحَقِّ) الا بما ابیح قتلہ من ردة او قصاص او زنا
وجب الرجم۔))

”الا بالحق سے مراد وہ حق شرعی ہے جس کے تحت کسی شخص کو قتل کیا جا سکتا ہے جیسے
ارتداد، قصاص اور وہ زنا جس پر حد رجم ہے۔“

4۔ تفسیر کشاف۔

((اَلَا بِالْحَقِّ..... کالقصاص والقتل على الردة والرجم۔))
”قصاص، مرتدین کا قتل اور رجم سب الباختی میں داخل ہیں۔“

5۔ تفسیر کبیر۔

((اَلَا بِالْحَقِّ..... ای قتل النفس المحمر مه قد یکون حقال مجرم
یصدر منها، والحدیث أيضاً موافق له وہ قوله عليه السلام ”لا
یحل دم امری مسلم الا باحدی ثلاث: کفر بعد ایمان، وزنا بعد
احسان وقتل نفس بغير نفس“ والقرآن دل على سب الرابع
وہ قوله تعالیٰ: »إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ

وَرَسُولُهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يَقْتَلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا))))
”یعنی کسی جان محترم کو اس کے جرم کی وجہ سے قتل کر دینا واجب بھی ہو جاتا ہے
اور قرآن کے اس حکم کے موافق وہ حدیث ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا:
”مسلمان کا خون بغیر تم صورتوں کے حلال نہیں۔

- 1۔ اگر وہ ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرے یعنی مرتد ہو جائے۔
- 2۔ اگر وہ شادی ہو جانے کے بعد زنا کا ارتکاب کرے۔
- 3۔ اگر وہ کسی کو تحقیق قتل کرے۔“

اور قرآن نے چوتھا سبب یہ بتایا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”جو لوگ اللہ اور
اس کے رسول سے لاثتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلانے میں سرگرم عمل ہیں ان
کی سزا بس یہ ہے کہ وہ ہن ہن کر قتل کر دیئے جائیں یا سولی پر لٹکائے جائیں۔“

6۔ تفسیر قرطبی۔

((إِلَّا بِالْحَقِّ الَّذِي يُوجَبُ قُتْلَهَا وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِي مُسْلِمٍ إِلَّا بِاحْدَى ثَلَاثَةِ: الشَّيْبُ الزَّانِي وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ.”))

”الا بالحق یعنی جس کے تحت کوئی جان واجب القتل ہو جاتی ہے
آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”کسی مسلمان کا خون مباح نہیں سوائے اس کے کہ
تمن صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہو۔ یہ کہ: (1) وہ شادی شدہ ہو اور پھر
مرتکب زنا ہو۔ (2) یہ کہ وہ قاتل ہو۔ (3) یہ کہ وہ دین کو چھوڑ کر جماعت
مسلمین سے الگ ہو جائے۔“

7۔ مجمع البیان فی تفسیر القرآن (شیخ ابو علی طبری)

((الْحَقُّ الَّذِي يُسْتَبَحُ قُتْلُ النَّفْسِ الْمُحْرَمٍ قُتْلُهَا ثَلَاثَةُ أَشْيَاءٍ:
الْقُودُ وَالْزِنَا بَعْدَ احْسَانٍ وَالْكُفُرُ بَعْدَ اِيمَانٍ.))

((فقد جاء في الصحيحين عن ابن مسعود رضي الله عنه قال قال رسول الله صلي الله عليه وسلم: " لا يحل دم امرى مسلم يشهد ان لا إله الا الله واني رسول الله الا باحدى ثلاث، الشيب الزانى والنفس بالنفس والتارك لدينه المفارق للجماعه .))

" صحیحین میں یعنی بخاری و مسلم میں حضرت (عبداللہ) ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: " کسی مسلمان کا خون حلال نہیں اس حال میں کہ وہ یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا برحق رسول ہوں۔ سوائے تین حالتوں کے (جن میں اس کا خون مباح ہو جاتا ہے) (1) جبکہ وہ زانی محسن ہو۔ (2) جبکہ اس پر قصاص واجب ہو۔ (3) جب وہ دین اسلام کو چھوڑ کر جماعتِ مسلمین سے الگ ہو جائے۔ "

((وعن امير المؤمنين عثمان بن عفان رضي الله عنه انه، قال وهو محصور: سمعت رسول الله صلي الله عليه وسلم يقول: "رجل كفر بعد اسلامه، او زنى بعد احسانه، او قتل نفسا بغیر نفس". فوالله ما زنيت في جاهلية الاسلام ولا تمنيت أن لي بدینی بدلا منه بعد اذ هداني الله، ولا قلت نفسا، فلم تقتلوني؟ رواه الامام احمد والترمذی والنمسائی وابن ماجه وقال الترمذی وهذا حديث حسن .))

" امير المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے جب وہ شہنوں کے زخمے میں تھے، کہا: " میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنائے کہ " کسی مسلمان کا خون حلال نہیں بغیر تین صورتوں کے اول یہ کہ وہ اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کرے، دوم یہ کہ وہ شادی کے بعد زنا کا ارتکاب کرے سوم یہ کہ وہ کسی کو ناحن قتل کرڈا لے۔ " خدا کی قسم! میں نہ تو جاہلیت میں کسی زنا

کامر تکب ہوا اور نہ اسلام لانے کے بعد اور میں نے کبھی اپنادین بدلنے کا ارادہ نہیں کیا جب سے مجھے اللہ نے ہدایت بخشی اور نہ ہی میں نے کسی کو قتل کیا ہے پھر مجھے کس بنا پر قتل کرنا چاہتے ہو؟ اس روایت کو امام احمد، ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے اور امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔“

11- تفسیر بیضاوی

((إِلَّا بِالْحَقِّ كَالْقُوْدُ وَ قُتْلُ الْمُرْتَدٍ وَ رِجْمُ الْمُحْصَنِ .))
”قاتل سے قصاص لینا، مرتد کو قتل کرنا اور شادی شدہ زانی کو رجم کرنا «إِلَّا بِالْحَقِّ» کے تحت داخل ہے۔“

12- تفسیر جلالیں

((إِلَّا بِالْحَقِّ كَالْقُوْدُ وَ حَدُّ لِرْدَةٍ وَ رِجْمُ الْمُحْصَنِ .))
”قصاص، حد امرداد اور زانی حصن پر حد رجم الا بالحق میں شامل ہیں۔“

13- تفسیر مظہری

((أَيْ بِالْحَقِّ يَبْيَحُ قَتْلَهُ مِنْ رَدَةٍ أَوْ قَصَاصٍ أَوْ زَنَبَةً بَعْدَ احْصَانٍ أَوْ
نقض عهد او بغی اوقطع طریق .))

”یعنی وہ حق شرعی جس کے سبب سے کسی شخص کا قتل مباح ہو جاتا ہے وہ امرداد ہے، یا قصاص ہے یا شادی کے بعد زنا کا ارتکاب ہے یا اسلامی حکومت سے غیر مسلم کی عہد شکنی ہے یا بغاوت ہے یا رہنمی ہے۔“

14- تفسیر فتح القدير

((وَمِنَ الْحَقِّ قَتْلُهَا قَصَاصًا وَ قَتْلُهَا بِسَبَبِ زَنَبَةِ الْمُحْصَنِ، وَ قَتْلُهَا
بِسَبَبِ الرَّدَةِ وَنَحْوُ ذَلِكَ مِنَ الْأَسْبَابِ الَّتِي وَرَدَ الشَّرْعُ بِهَا .))
”اور وہ ”حق“ یہ ہے: کسی کو قصاص میں قتل کرنا، کسی شادی شدہ کو زنا کے جرم میں قتل کرنا، کسی کے مرتد ہو جانے پر اسے قتل کرنا اور اسی قبل کے وہ اسباب قتل

جو شریعت میں وارد ہوئے ہیں۔“

15۔ تفسیر روح المعانی

((وَ ﴿بِالْحَقِّ﴾ الَّذِي هُوَ أَمْرُ الشَّرِيعَةِ بِقُتْلِهَا وَذَلِكَ كَمَا رُوِىَ فِي الْخُبُرِ بِالْكُفَّرِ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَالزِّنَا بَعْدَ الْأَحْصَانِ وَقُتْلُ النَّفْسِ الْمُعْصُومَةِ.))

”اور ”الحق“ سے مراد وہ صورتیں ہیں جن کے تحت قتل نفس واجب ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ارتداد سے، شادی کے بعد زنا کا ارتکاب کرنے سے، اور کسی بے گناہ جان کو قتل کرنے سے کسی شخص کا خون مباح ہو جاتا ہے۔“

16۔ تفسیر مراغی

((وَقُولُهُ ﴿إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ إِيمَاءُ إِلَى أَنْ قُتْلُ النَّفْسِ قَدْ يَكُونُ لِجُرمٍ يُصْدُرُ مِنْهَا كَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ: ”لَا يَحِلُّ دَمُ امْرَىءٍ مُسْلِمٍ إِلَّا مَسْوُرٌ ثَلَاثَةً: كُفَّرٌ بَعْدَ إِيمَانٍ، وَزِنَا بَعْدَ أَحْصَانٍ وَقُتْلُ نَفْسٍ بِغَيْرِ حَقِّ.))

”((إِلَّا بِالْحَقِّ)) کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ کسی جرم کے صادر ہونے کے بعد اس مجرم جان کو قتل کیا جا سکتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ ”کسی مسلمان کا خون بغیر تین صورتوں کے مباح نہیں ہے یہ کہ وہ ایمان لانے کے بعد کافر یعنی مرتد ہو جائے۔ یہ کہ وہ شادی شدہ ہو اور پھر مرتكب زنا ہو، یہ کہ وہ کسی اور جان کو ناخن قتل کر دے۔“

((وَالْخَلاصَةُ، إِنْ قُتْلُهَا بِالْحَقِّ هُوَ أَمْرُ الشَّارِعِ بِاِبَاحةِ قُتْلِهَا كَقُتْلِ القاتلِ عَمَدًا أَوْ قُتْلِ الزَّانِي المُحْصَنِ.))

”خلاصہ کلام یہ ہے کہ کسی شخص کو حق شرعی کے تحقیق مباح الدم قرار دینے کے بعد قتل کر دینا شارع علیہ السلام کا حکم ہے جیسے قاتل کو قتل کرنا یا شادی شدہ زانی کو

قتل کر دینا۔“

17- تفسیر کاشف

((الأصل في قتل النفس التحرير، ولا يحل الا بسب موجب، وهو واحد من أربعة: نصت السنة النبوية على ثلاثة منها، وهي قوله (ص) لا يحل دم امرئ مسلم الا باحدى ثلاث: كفر بعد ايمان، وزنا بعد احسان وقتل نفس بغير حق.“ ونص الكتاب على السبب الرابع في الآية 33 من سورة المائدہ:

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقْتَلُوا أَوْ يُصْلَبُوا﴾

”کسی جان کے قتل کے بارے میں اصل چیز حرمت ہے اور کسی شرعی عذر کے بغیر قتل نفس جائز نہیں ہے۔ شرعی اسباب چار ہیں جن میں سے تین اسbab کے بارے میں سنت کی نص موجود ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کسی مسلمان کا خون سوائے تین حالتوں کے مباح نہیں ہے: (1) یہ کہ وہ مرتد ہو جائے۔ (2) یہ کہ وہ شادی شدہ ہو اور پھر زنا کا مرتكب ہو۔ (3) یہ کہ وہ کسی کو ناحق قتل کر دے۔“ اور قرآن میں سورہ مائدہ کی آیت 33 کے اندر چوتھی حالت یہ بیان ہوتی ہے کہ ”ج لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور ملک میں فساد مچاتے ہیں ان کی سزا تو یہ ہے کہ وہ چھن ٹھن کر قتل کئے جائیں یا سولی پر لکا دیئے جائیں۔“

18- تفسیر غلال القرآن (سید قطب)

((والحق الذي تؤخذ به النفس بينه الله في شريعته ولم يتركه للتقدير والتأويل: فهو القصاص وهو القتل في ردة عن الاسلام وهو القتل لحد في زنا المحسن وهو القتل

للافساد فی الارض، والخروج بالقوه لتفیدا لنص هذه الحاله
 ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ
 فَمَاذَا أُنْ يُقْتَلُوا أَوْ يُسْمَهُ لَبِّوْا أَوْ تُقْطَعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ
 خِلَافٍ﴾.....)

”اور وہ ”حق“ جس کے تحت کسی کی جان لی جاسکتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت میں بیان فرمادیا ہے اور اسے لوگوں کی رائے یا قیاس پر نہیں چھوڑا ہے اور وہ قصاص ہے..... اور وہ ارتداد ہے..... اور وہ شادی شدہ زانی کی حد ہے..... اور وہ فساد فی الارض ہے اور وہ بغاوت ہے۔ قرآن کی اس نص کے مطابق کہ ”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں ان کی سزا تو یہ ہے کہ وہ ذہونہ کر قتل کر دیئے جائیں یا سولی پر لٹکا دیئے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں اللہ ترتیب سے کاٹ دالے جائیں۔“

19۔ معارف القرآن (مفتي محمد شفعي مرحوم 11 شوال 1396ھ)

”یعنی جس شخص کا خون اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو، ہاں مگر حق پر۔“ اور اس حق کی تفصیل رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں بیان فرمائی ہے جو برداشت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ علیہ السلام میں مسلم نے نقل کی ہے وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ کسی مسلمان کا خون طال نہیں مگر تین چیزوں سے۔ ایک یہ کہ وہ شادی شدہ ہونے کے باوجود بدکاری میں بتلا ہو جائے، دوسرا یہ کہ اس نے کسی کو نا حق قتل کر دیا ہو، اس کے قصاص میں مارا جائے، تیسرا یہ کہ اپنا دین حق چھوڑ کر مرتد ہو گیا ہو۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جس وقت باغیوں کے زرعے میں محصور تھے اور لوگ ان کو قتل کرنا چاہتے تھے اس وقت بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو یہ حدیث سنائی کہا کہ محمد اللہ میں ان تینوں چیزوں سے..... بری ہوں۔ میں نے زمانہ اسلام

میں تو کیا زمانہ جالمیت میں بھی کبھی بدکاری نہیں کی، اور نہ میں نے کسی کو قتل کیا اور نہ کبھی میرے دل میں یہ وسوسة آیا کہ میں اپنے دین اسلام کو چھوڑ دوں، پھر تم مجھے کس ہنا پر قتل کرتے ہو۔“

(معارف القرآن جلد 3، صفحہ 486)

سنن اور سرزائے رجم:

اب ہم تفصیل کے ساتھ ان تمام احادیث صحیح کا استقصاء کریں گے جن سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شادی شدہ آزاد زانیوں پر کوڑوں کی بجائے رجم کی سزا نافذ کی۔ اس مسئلے میں ہم پہلے قولی رسول اور اس کے بعد فعلی رسول بیان کرتے ہیں:

(قول رسول اللہ ﷺ)

1 - ((عن عائشة رضي الله عنها، قالت قال رسول الله ﷺ: "لا يحل دم امرئ مسلم يشهد ان لا إله الا الله وان محمد رسول الله، الا باحدى ثلاث: رجل ذنى بعد احسان فانه يرجمن ورجل خرج محارباً بالله ورسوله فانه يقتل او يصلب او ينفي من الارض، او يقتل نفساً فيقتل بها.))

(ابوداؤد، کتاب الحدود)

”حضرت عائشہ رضی عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”کسی مسلمان کا خون مباح نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں مگر تین صورتوں میں اس کا خون مباح ہو جاتا ہے۔ پہلی صورت یہ ہے کہ وہ شادی کے بعد زنا کا ارتکاب کرے، اس جرم پر اسے سنگار کیا جائے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کرے تو (تو اس جرم کی پاداش میں) اسے قتل کیا جائے گا اسے پھانسی دی جائے گی یا اسے جلاوطن کر دیا جائے

گا۔ تیری صورت یہ ہے کہ وہ کسی اور کو قتل کر دے تو اس پر اسے بھی (قصاص کے طور پر) قتل کر دیا جائے گا۔“

2- ((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ لَا يَحِلُّ دَمُ امْرَىءٍ مُسْلِمٍ يَشَهِدُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَإِنِّي رَسُولُ اللَّهِ، إِلَّا بِأَحَدِي ثَلَاثَةِ النُّفُسِ بِالنَّفُوسِ وَالثَّيْبِ الزَّانِي، وَالْمَارِقِ مِنَ الدِّينِ التَّارِكِ الْجَمَاعَةِ)).

(صحیح بن حارثی، کتاب الدینات)

”حضرت عبد اللہ (ابن مسعود) سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی مسلمان کا خون مباح نہیں جب کہ وہ یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں مگر تم حالتوں میں اس کا خون مباح ہو گا۔ پہلی یہ کہ قصاص کی حالت میں دوسرا یہ کہ شادی شدہ زانی ہونے کی صورت میں اور تیسرا یہ کہ دین کو چھوڑے اور جماعت مسلمین سے الگ ہونے کی شکل میں۔“

3- ((عَنْ أَبِي إِمَامَةَ بْنِ سَهْلٍ: قَالَ: كَانَ مَعَ عُثْمَانَ وَهُوَ مَعَ عُثْمَانَ وَهُوَ مَحْصُورٌ فِي الدَّارِ، وَكَانَ فِي الدَّارِ مَدْخُلٌ مِنْ دَخْلِهِ سَمِعَ كَلَامَ مِنْ عَلَى الْبَلَاطِ فَدَخَلَهُ عُثْمَانٌ، فَخَرَجَ إِلَيْنَا وَهُوَ مُتَغَيِّرٌ لَوْنَهُ فَقَالَ: إِنَّهُمْ لَيَتَوَعَّدُنِي بِالْقَتْلِ أَنْفَاقَالَ: قَلَنا يَكْفِيكُمُ اللَّهُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ وَلَمْ يَقْتُلُنِي؟))

((سمعت رسول اللہ ﷺ يقول: ”لا يحل دم امرئ مسلم الا باحدى ثلاث: كفر بعد اسلام او زنا بعد احسان، او قتل نفس بغير نفس، فوالله ما زنيت في جاهلية ولا في اسلام قط، ولا احببت ان لى بدینی بدلًا من ذهدا نی الله ولا قلت نفساً فیم

یقتلونتی؟۔))

(عن أبي داود، کتاب الدیات)

”حضرت ابو امامہ بن سہل کہتے ہیں کہ میں اور دوسرے لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے جب وہ اپنے گھر میں محصور تھے اور اس گھر کا ایک راستہ تھا جس کے اندر کھڑا آدمی مقام بلاط پر کھڑے لوگوں کی بات آسانی سے سکتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے، ان کے چہرے کا رنگ متغیر تھا، وہ باہر نکلے اور فرمایا: ”ابھی یہ لوگ مجھے قتل کر دینے کی دھمکی دے رہے تھے۔“ ہم نے عرض کیا: ”اے امیر المؤمنین! ان کے مقابل میں اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ہے۔“ فرمایا: ”یہ لوگ کیوں میرے قتل کے درپے ہیں۔“

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ”کسی مسلمان کا خون حلال نہیں سوائے اس کے کہ تمیں صورتوں میں سے کوئی ایک صورت واقع ہو، وہ اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کر لے یا شادی کے بعد زنا کا ارتکاب کرے، یا کسی کو نا حق قتل کر دے۔ خدا کی قسم! میں نہ تو جاہلیت میں زنا کا مرتكب ہوا اور نہ اسلام لانے کے بعد دوسرے یہ کہ میں نے اپنادین بدلا بھی پسند نہیں کیا جب سے مجھے اللہ نے ہدایت کی توفیق دی ہے۔“ تیسرے یہ کہ میں نے کسی کو نا حق قتل بھی نہیں کیا، پھر یہ لوگ مجھے کس بنا پر قتل کرنا چاہتے ہیں؟“

ان تینوں قولی احادیث کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ از روئے سنت شادی شدہ کے لیے کوڑوں کی بجائے قتل بصورت رجم کی سزا مقرر ہے۔
ب) قتل رسول اللہ ﷺ!

4- ((عن ابی هریونه ﷺ قال اتنی رجل رسول الله ﷺ وهو فى المسجد فناداه فقال يا رسول الله ﷺ! انى زنيت، فاعرض عنه حتى رد عليه اربع مرات، فلما شهد على نفسه اربع شهادات.

دعاہ النبی ﷺ فقال: ”أبک جنون؟“ قال: ”لا“ قال: ”فهل احصنت؟“ قال: ”نعم“ فقال النبی ﷺ: ”اذهروا به فارجموه۔“ (فارجموہ۔))

(صحیح بخاری)

”حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرماتھے۔ اس آدمی نے آپ ﷺ کو آواز دی اور کہا: ”اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔“ آپ ﷺ نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی۔ اس آدمی نے آپ کو چار مرتبہ متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ پھر جس وقت اس نے چار دفعہ قسم کھا کر اپنے جرم کا اقرار کر لیا تو نبی ﷺ نے اسے بلا کر پوچھا: ”کیا تو پاگل ہے؟ وہ بولا: ”نہیں۔“ آپ نے پوچھا: ”کیا تو شادی شدہ ہے؟ جواب ملا ”جی ہاں۔“ اس کے بعد نبی ﷺ نے حکم دیا ”لوگو! اسے لے جا کر سنگسار کر دو۔“

5- ((عن جابر بن عبد الله الانصاری أن رجلاً من اسلام أتى رسول الله ﷺ فحدثه أنه قد زنى، فشهد على نفسه أربع شهادات، فامر به رسول الله ﷺ فرجم و كان قد أحصن)).

(صحیح بخاری، حدیث: 6814)

”حضرت جابر بن عبد الله انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ قبلیہ اسلام کا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔ پھر اس نے چار دفعہ قسم کھاتے ہوئے اپنے جرم کا اعتراف کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اسے رجم کئے جانے کا حکم دیا اور پھر اسے رجم کیا گیا اور وہ شخص شادی شدہ تھا۔“

6- ((عن ابی هریرة انه قال اتى رجل من المسلمين رسول الله ﷺ

وهو في المسجد فناداه فقال يا رسول الله! انى زنيت فاعرض
عنه ففتحي تلقاء وجهه ، فقال له يا رسول الله! انى زنيت فاعرض
عنه حتى ثنى ذلك عليه اربع مرات فلما شهد على نفسه اربع
شهادات دعاه رسول الله ﷺ فقال: أبلت جنون؟ قال: "لا"
قال: فهل أخْصَنْتُ؟ قال: نعم ، فقال رسول الله ﷺ: إذهبوا به
فارجعواه .))

(صحیح مسلم، حدیث: 4420)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان رسول اللہ ﷺ کے
پاس آیا۔ آپ اس وقت مسجد میں تھے۔ اس شخص نے آواز دی اور کہا: اے اللہ
کے رسول! میں زنا کا مرتكب ہوا ہوں۔" حضور ﷺ نے اس کی طرف سے
منہ پھیر لیا۔ اس نے دوبارہ کہا: "اے اللہ کے رسول! میں زنا کا مرتكب ہوا
ہوں۔" آپ اس پر بھی متوجہ نہ ہوئے۔ اس نے چار دفعہ اپنی بات دہرائی۔ پھر
جب اس نے چار مرتبہ تم کھا کر اپنے جرم کا اقرار کیا تو رسول اللہ ﷺ نے
اسے بلا کر پوچھا: "تو پاگل تو نہیں؟" بولا: "نہیں" پھر آپ ﷺ نے پوچھا:
"کیا تو شادی شدہ ہے؟" وہ بولا: "جی ہاں" (میں شادی شدہ ہوں) اس کے
بعد رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اسے لے جا کر سنگار کر دو۔"

7 ((عن ابی هریرة و زید ابن خالد الجھنی انہما قالا ان رجلا من
الاعراب اتى رسول الله ﷺ فقال انشدك الله الا قضيت لى
بكتاب الله، فقال الخصم الآخر وهو افقه منه، نعم، فاقض بیننا
بكتاب الله واندن لى فقال رسول الله ﷺ قل! قال ان ابى كان
عسيفا على هذا فزني باماته وانى اخبرت ان على ابى الرجم
فافتديت منه بمائة شاة وليدة، فسألت اهل العلم فاخبروني انما

علی ابنی جلد ماءہ و تغیریب عام و ان علی امرءۃ هذا الرجم فقال
رسول الله ﷺ والذی نفسی بیده لا قضینَ بینکما بكتاب الله،
الوليدة والغم رد و علی ابنت جلد ماءہ و تغیریب عام و اخذ
یا ائیس الی امرءۃ هذَا فان اعترفت فارجمها قال فغدا علیها
فاعترفت فامریها رسول الله ﷺ فترجمت .))

(صحیح مسلم، کتاب الحدود)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور زید بن خالد چینی دونوں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک اعرابی آیا اور آ کر کہنے لگا: اے اللہ کے رسول! میں آپ کو خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آپ خدا کی کتاب کے مطابق میرا فیصلہ فرمادیں اور دوسرا شخص جو پہلے سے زیادہ سمجھدار تھا کہنے لگا: ”مجھے اجازت دیجئے کہ میں واقعہ بیان کروں۔“ آپ نے فرمایا: ”بیان کرو۔“ وہ بولا: ”میرا لڑکا اس شخص کے ہاں مزدور تھا اور وہ اس کی بیوی سے زنا کا مرتكب ہوا۔ مجھے بتایا گیا کہ میرے لڑکے پر رجم کی سزا واجب ہے تو میں اس کے فدیے کے طور پر اس آدمی کو ایک سو بکریاں اور ایک لوٹھی دی ہے، پھر جب میں نے اہل علم لوگوں سے مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ میرے لڑکے پر سو کوڑوں کی سزا واجب ہے اور اس کے ساتھ ایک سال کی جلاوطنی اور عورت پر رجم کی سزا واجب ہے۔“ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں تمہارے درمیان کتاب الہی کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ لوٹھیاں اور بکریاں واپس کر دی جاتی ہے۔ تمہارے لڑکے پر سو کوڑوں کی سزا واجب ہے اور ایک سال کے لیے جلاوطنی اور اے ائیس [ایک انصاری صحابی کا نام ہے] اس عورت کے ساتھ جاؤ اگر یہ اپنے جرم کا اعتراف کر لے تو اسے رجم کر دینا، پھر جب وہ (صحابی) اس عورت کے ساتھ گئے تو اس

نے اعتراف جرم کر لیا اور پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اسے رجم کیا گیا۔“

8- ((عن جابر بن عبد الله ﷺ ان زجلا من اسلم جاء الى رسول الله ﷺ فاعترف بالزنا فعرض عنه ثم اعترف عنه، حتى شهد على نفسه اربع شهادات فقال له النبي ﷺ : "أبلك جنون؟" قال: "لا" قال: "احصنت؟" قال: "نعم" قال: فأمر به النبي ﷺ فرجم في المصلى فلما اذلقته الحجارة، فر، فادرك فرجم حتى مات.))

(سن الی وادی، کتاب الحدود)

"حضرت جابر بن عبد الله رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ اسلم کا ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے آپ کے سامنے جرم زنا کا اعتراف کیا، آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، اس نے پھر اقرار کیا، اور جب چار دفعہ قسم کھا چکا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: "کیا تو پاگل ہے؟" اس نے جواب دیا: "نہیں" آپ نے پوچھا: "کیا تو شادی شدہ ہے۔" وہ بولا: "بھی ہاں" پھر نبی ﷺ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ لوگ اسے عید گاہ کی طرف لے گئے اور رجم کرنے لگے۔ جب اس پر پھر پڑے تو وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ لوگوں نے تعاقب کر کے اسے پھر جالیا اور سنگسار کر دیا۔"

ان تمام فعلی احادیث کی روشنی میں یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ سنت نے زانی محسن کے لیے رجم کی سزا مقرر کی ہے اور حضور ﷺ نے مقدماتِ زنا میں ملزم کے عاقل ہونے کے ساتھ ان کی حالتِ احسان کو بھی مجملہ ان شرائط کے پیش نظر رکھا ہے جن کی تحقیق کے بعد آپ نے حد رجم کا نفاذ فرمایا ہے۔ دورِ رسالت کے درجنہ مقدماتِ زنا میں سے کسی ایک مقدمہ زنا کی روادا میں بھی یہ بات نہیں ملتی کہ:

1- آپ ﷺ نے ملزم کی "غندہ گردی" کا اثبات فرمانے کے بعد اسے غندہ قرار دیا ہو

”امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس بارے میں خوب غور و تال سے کام لے۔ جب اُسے معلوم ہو کہ وزنا کا ملزم صحیح الحقیل ہے تو پھر ملزم سے احسان (شادی شدہ ہونے) کے بارے میں پوچھئے کیونکہ حالتِ احسان کے ہونے سے سزا مختلف ہو جاتی ہے ممکن ہے اس کے بعد جلد فیصلہ ہو سکے اور قاضی کو اس بات کے ثبوت میں گواہی طلب نہ کرنی پڑے۔ پھر جب ملزم اقرار کر لے کہ وہ محسن ہے اس سے مزید پوچھا جائے کیونکہ احسان کا الفاظ کئی ایک مفہوم رکھتا ہے اور بعض اوقات ملزم ان مفہوم کو نہیں جانتا۔ اس لیے اس کی حالتِ احسان کا صحیح تعین کرنے کے بعد ہی اس کے بارے میں رجم کیے جانے کا حکم دے۔“

(امبوط، کتاب الحدو، ج 9، ص 94، طبع مصر)

ب ((وَإِذَا وَاجَبَ الْحَدُّ وَكَانَ الْفَازِيَ مَحْصُناً رَجْمَهُ بِالْحَجَارَةِ حَتَّى يَمُوتَ لَا نَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، رَجْمٌ مَا عَزَّاً وَقَدْ أَحْصَنَ وَقَالَ فِي الْحَدِيثِ الْمُعْرُوفِ ”وَزَنَا بَعْدَ أَحْسَانٍ“ وَعَلَى هَذَا اجْمَاعُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ .))

(الحمدی، شرح بدایۃ المبتدی، شیخ الاسلام ربان الدین مرغینانی، ج 2، ص 72، طبع مصر)

”اور جب کسی زانی محسن پر حد واجب ہو جائے تو اسے رجم کر دینا چاہئے۔ یہاں تک کہ وہ مر جائے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ماعز کو رجم کرایا جبکہ وہ شادی شدہ تھا مزید برآں ایک مشہور حدیث میں آپ نے شادی شدہ آدمی کو جرم زنا کے ارتکاب پر مباح الدم قرار دیا ہے۔ اور اسی پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا اجماع ہے۔“

2- مالکیہ کی دائرے:

((والثیب حده الرجم بغیر جلد والبکر جده الجلد بغیر رجم .))

(المدونۃ الکبریٰ، جلد 4)

”شادی شدہ زانی کی حد رجم ہے بغیر کوڑوں کے اور غیر شادی شدہ زانی کی حد کوڑے ہیں بغیر رجم کے۔“

3-شافعیہ کی رائے:

((وَحَدَ الْمُحْسِنُ وَالْمُحْصَنُ أَنْ يَرْجِمَا بِالْحَجَارَةِ حَتَّىٰ يَمُوتَا،))
”شادی شدہ زانی اور شادی شدہ زانی کی حد شرعی یہ ہے کہ دونوں کو سکسار کر دیا جائے۔“

(امام شافعی، کتاب الام، کتاب الحدود، ج 6، ص 154)

4-حنابلہ کی رائے:

((الرجم لا يجب الا على المحسن باجماع اهل العلم وفي
حديث عمر رضي الله عنه: ان الرجم حق على من زنا وقد احسن وقال
النبي ﷺ: ”لا يحل دم امرئ مسلم الا باحدى ثلاث ذكر منها.“
او زنا بعد احسان)).

(ابن قاسم، جلد 9، مطبوعۃ قبرہ)

”اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ رجم کی حد صرف شادی شدہ زانی کے لیے ہے۔ حضرت عمر رضي الله عنه کا فرمان ہے: ”رجم حد شرعی ہے اس زانی کے لیے جو شادی شدہ ہو۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا کہ: مسلمان کا خون بغیر تین صورتوں کے مباح نہیں اور ان میں آپ نے ایک صورت یہ فرمائی کہ ”شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کا ارتکاب کرنا۔“

5-ائمه مجتهدین کی متفقہ رائے اور اجماع امت:

((فَإِنَّ الْيَهُودَ الْأَحْرَارَ الْمُحْصَنَوْنَ فَإِنَّ الْمُسْلِمِينَ اجْمَعُوا عَلَىٰ إِنْ
حَدِّهِ الرِّجْمُ))

”رہے آزاد شادی شدہ زانی تو اس بارے میں اجماع امت یہی ہے کہ ان کے

لیے رجم کی حد واجب ہے۔“

(بدیۃ الحجہ، ج 2، ص 426)

ب) ((اتفق الائمه علی ان من كملت فيه شروط الاحسان ثم زنا بأمرء قد كملت فيها شروط الاحسان بان كانت حرة بالغة عاقلة مدخولًا بها في نكاح صحيح وهي مسلمة . فهـما زانـيـاـنـ مـحـصـنـاـنـ يـجـبـ عـلـىـ كـلـ وـاحـدـ مـنـهـ الرـجـمـ حـتـىـ يـمـوـتـ .))

(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعة از عبدالرحمن جزیری، جلد پنجم، کتاب الحدود)

”ائمه کا اس پر اتفاق ہے کہ جس شخص میں احسان کی سب شرطیں پائی جائیں اور پھر وہ کسی ایسی عورت سے زنا کا مرتكب ہو جس میں بھی احسان کی تمام شرائط موجود ہوں یعنی وہ آزاد بالغہ عاقلہ ہو اور نکاح صحیح کے بعد مدخلہ ہو چکی ہو اور مسلمان بھی ہو۔ تو ایسے حسن زانی اور محضہ زانیہ میں سے ہر ایک کو رجم کرنا واجب ہے۔“

ج) ((اجمع العلماء وجوب جلد الزانی البکر ماءة ورجم المحسن وهو الشیب .))

”علمائے امت کا اس پر اجماع ہے کہ کنوارے زانی پر سو کوڑے اور شدی شدہ زانی پر حد رجم واجب ہے۔“

(شرح صحیح مسلم از امام نووی، جلد دوم)

6- فقه جعفریہ:

ا) ((عن ابی عبدالله علیہ السلام قال: الرجم حد الله الا کبر والجلد حد الله الا صغیر فإذا زنى الرجل والمحسن يرجم ولم يجعلد .))

”حضرت ابو عبد الله علیہ السلام نے فرمایا کہ حد رجم اللہ کی سب سے بڑی حد شرعی ہے

اور کوڑوں کی سزا اس سے کمتر ہے۔ اگر کوئی شادی شدہ مرتكب زنا ہو تو اس کوڑے مارنے کی بجائے رجم کیا جائے گا۔“

(الفروع من الکافی از ابو یحییٰ محمد بن یعقوب البخشنی، م 328، کتاب الحدود، جلد 7، ص 177)

ب) ((عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال: الحر والحرة اذا زنيا جلد كل واحد منها مائة جلد فاما المحسن والمحسنة فعليها الرجم.))

”حضرت عبد اللہ ؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: آزاد غیر شادی شدہ زانی مرد اور زانیہ عورت دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارنے جائیں مگر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے رجم واجب ہے۔“

ج) ((وأما الرجم فيجب على المحسن اذا زنى ببالغة عاقلة.))
 ”رجم کی سزا یہ شادی شدہ پر واجب ہوتی ہے جو کسی بالغ اور عاقل عورت سے زنا کا مرتكب ہو۔“

(ثریات الاسلام از جعفر بن الجیز کیا، متوفی 672ھ)

7- فقه ظاهريہ:

((حد الحر والحرة المحسنين قالت طائفۃ: الحر والحرة اذا زنيا و هما محسنان فانهما يرجمان حتى يموتا، وقالت طائفۃ: يجعلد ان مائة ثم يرجمان حتى يموتا فاما الازارقة فليسوا من فرق الاسلام لانهم الذين اخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عنهم بأنهم يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية فانهم قالوا لا رجم أصلاً وانما هو الجلد فقط.))

”یعنی آزاد شادی شدہ زانیوں کی حد کے بارے میں ایک گروہ نے کہا ہے کہ ”آزاد شادی شدہ زانی مرد اور زانیہ عورت کو رجم کیا جائے یہاں تک کہ وہ مز

جائیں۔ ”دوسرے گروہ کی رائے یہ ہے کہ پہلے ان کو سوکوڑے مارے جائیں اور پھر رجم کیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائیں جہاں تک آزارہ (خوارج کا ایک گروہ) کا تعلق ہے وہ فرقہ اسلام نہیں ہے کیونکہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ دین سے ایسے نکل گئے ہیں جسے تیر شکار کیے ہوئے جانور سے پار نکل جاتا ہے۔ ان لوگوں کی رائے یہ تھی کہ اس باب میں رجم کی کوئی سزا نہیں ہے بلکہ صرف کوڑے مارنے کی سزا ہے۔“

(المحلى از ابن حزم ظاہری، کتاب المحدود، جلد 11، ص 231-233)

8- امام شاطبیؒ کی دائیٰ:

((من زعم ان قوله تعالى في الاماء: ﴿فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَحَاجَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ لا يعقل ما جاء في الحديث ان النبي ﷺ رجم ورجمت الائمة بعده لانه يقتضي ان الرجم يتصرف وهذا غير معقول فكيف يكون نصفه على الاماء؟ ذهاباً منهم الى ان المحسنات هن ذوات الازواج، وليس كذلك، بل المحسنات هنا المراد بهن الحرائر، بدليل قوله اول لایۃ: ﴿وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ فَتَاهَاتُكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ وليس المراد هنا الا الحرائر، لأن ذوات الازواج لا تنکح .))

(الاعتصام، امام شاطبی، ج 2، ص 315، 316)

”جو کوئی یہ گمان کرے کہ اللہ تعالیٰ نے تو لوڈیوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ”پھر اگر وہ بد کاری کا ارتکاب کریں تو ان پر محسنات کے مقابل میں آدمی سزا واجب ہے۔“ اور نبی ﷺ اور خلفاء راشدین نے تورجم کی سزادی ہے۔ جبکہ رجم کا نصف ممکن نہیں تو پھر قرآن و حدیث میں تقطیق کی کیا صورت ہے؟ اور

لوندیوں کے لیے نصف سزا کیا ہوگی؟ ایسے شخص نے قرآن کے اس مقام پر محسنات کے معنی شادی شدہ عورت کے لیے ہیں، حالانکہ یہاں یہ معنی یعنی صحیح نہیں بلکہ اس جگہ محسنات سے آزاد عورتیں مراد ہیں۔ اس کی دلیل خود اسی آیت کے آغاز میں موجود ہے کہ ”جوتم میں سے محسنات مومنات یعنی آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ ان مومنہ کنیزوں سے جو تمہارے قبضے میں ہوں، نکاح کر لے۔“ اس مقام پر محسنات سے صرف آزاد عورتیں مراد ہیں کیونکہ شادی شدہ عورتوں سے تو نکاح نہیں کیا جاسکتا۔“

ان حوالوں کی روشنی میں یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ شادی شدہ زانی کے لیے حد رجم واجب ہونے پر امت کے تمام فقہاء کرام کا اجماع ہے اور سب نے اسے سنت کی نص صریح قرار دیا ہے جس میں قیاس و اجتہاد کو کوئی دخل نہیں۔ چونکہ غامدی صاحب کا موقف سنت اور اجماع امت کے بالکل خلاف ہے، اس لیے ہرگز صحیح نہیں ہے۔

حد رجم کا اثبات:

گذشتہ صفحات میں ہم نے ان امور کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے جن کی رو سے اسلامی شریعت میں زانی محسن پر حد رجم واجب ہوئی ہے۔ اب اس ساری بحث کو سیکھتے ہوئے ہم اپنے دلائل کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

- ۱۔ قرآن مجید کی سورہ نور میں جرم زنا کی سزا کے بارے میں جو حکم آیا ہے وہ دراصل کوئی ”حکم عام“ نہیں ہے جس میں ہر قسم کا مرتكب زنا شامل ہو بلکہ اس حکم کا اطلاق صرف آزاد زانیوں پر ہوتا ہے جبکہ لوندیوں (اور ان کے ساتھ غلاموں) کے ارتکاب زنا پر اس حکم کا اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ خود قرآن نے اسی جرم زنا پر ان کے لیے پچاس کوڑوں کی حد بیان فرمائی ہے۔ لہذا یہ سمجھنا بالکل غلط ہے کہ آیت جلد کا حکم ہر قسم کے زانیوں کے لیے عام ہے کیونکہ اس سے قرآن کی ایک نص صریح کی خلاف درزی ہوتی ہے۔

2۔ قرآن کی آیت جلد کا مفہوم صرف وہی معتبر ہو سکتا ہے جو صاحب وحی رسول اللہ ﷺ نے ثابت ہو۔ اس لیے کہ رسول ﷺ کو از روئے قرآن یہ حیثیت حاصل ہے کہ وہ قرآن کے الفاظ کا صحیح مدعای غشاء، ان کی صحیح تعبیر اور ان کا عملی انباطاق (Practical Application) واضح کریں۔

3۔ روایات صحیح سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی بیان کردہ کوڑوں کی سزا صرف غیر شادی شدہ زانیوں کو دی ہے اور آپ ﷺ نے شادی شدہ زانیوں پر قرآن کے اس حکم کا اطلاق نہیں کیا، بلکہ ان کو الگ سے رجم کی سزا دی ہے۔ اس سلسلے میں حضور ﷺ ہر مقدمہ زنا میں ملزم کے بارے میں یہ امر بالخصوص دریافت فرمائیتے کہ آیا وہ شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ؟ پھر ثبوت جرم پر پہلی صورت میں آپ ﷺ سو کوڑوں کی حد نافذ کرتے اور دوسری صورت میں مجرم پر رجم کی حد جاری فرماتے تھے۔

پھر جس طرح ایک مسلمان پر کتاب اللہ کی اطاعت واجب ہے بالکل اسی طرح اس پر رسول ﷺ کی اطاعت بھی واجب ہے اور آج سنت چونکہ رسول اللہ ﷺ ہی کی قائم مقام ہے اس لیے اس کی اطاعت بھی ہر مسلمان پر واجب ہے۔

4۔ خلافے راشدین کے دور میں بھی شادی شدہ زانی کے لیے حد رجم نافذ تھی اور اس دور میں سے ایک ”سنۃ ثابتہ“ کی حیثیت حاصل تھی۔ پھر اس امر کے تاریخ شواہد بھی موجود ہیں کہ خلافتِ راشدہ کے دور مبارک کے بعد بھی مسلمان حکمرانوں نے جن میں عمر بن عبدالعزیز بھی شامل ہیں زانی محسن پر حد رجم نافذ کی۔

5۔ امتِ مسلمہ کے ہر دور کے فقہاء و مجتہدین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ سنت کی رو سے زانی محسن پر حد رجم واجب ہے۔ اس بات کے ثبوت میں انہوں نے درج ذیل امور پیش نظر رکھے ہیں:

الف۔ قرآن عکیم کی آیت جلد کا حکم کوئی ”حکم عام“ نہیں ہے جس سے ہر قسم کے زانی مراد

کے لیے جائیں اس لیے کہ خود قرآن نے زانیہ لوٹھیوں کے لیے پچاس کوڑوں کی سزا مقرر کی ہے۔ اگرچہ یہ ”حکم عام“ ہوتا تو قرآن اسی جرم پر لوٹھیوں کے لیے اگر سزا کیوں مقرر کرتا؟ اس لیے سورہ نور آیت 2 کے حکم کو عام سمجھنا خود قرآن کی رو سے غلط ہے۔

ب آیت جلد کے حکم کو اگر بالفرض ”حکم عام“ بھی مان لیا جائے جب بھی سنت (خبر متواتر یا مشہور) کے ذریعے قرآن کے کسی ”حکم عام“ میں تخصیص ہو سکتی ہے اور سنت نے چونکہ اس قرآنی حکم میں آزاد زانی محسن کی تخصیص کر دی ہے لہذا اس حکم کا اطلاق آزاد محسن زانی پر نہیں کیا جائے گا بلکہ اس از روئے سنت رجم کی حد واجب ہو گی۔

ج آیت جلد کے حکم کو اگر ”مطلق حکم“ بھی مانا جائے جب بھی اس میں سنت (خبر متواتر یا مشہور) کے ذریعے تقيید یا تحدید ہو سکتی ہے بلکہ اسی طرح جس طرح آیت سرقہ (الماں ۳۸) کے بظاہر مطلق حکم میں سنت نے یہ تقيید و تحدید کی ہے کہ ایک خاص نصاب سے کم مالیت اور غیر محفوظ مال کی چوری پر اس کا اطلاق نہیں کیا، یعنی اس آیت جلد میں بھی سنت (خبر متواتر یا مشہور) نے یہ تقيید و تحدید کی ہے کہ آزاد زانی محسن پر اس حکم کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ صرف غیر محسن زانی پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

5۔ ملت اسلامیہ کے تقریباً تمام مفسرین کرام بھی اس بات پر تشقق ہیں کہ سورہ نور کی آیت جلد کا حکم صرف آزاد غیر شادی شدہ کنوواری اور کنواریوں کے ارتکاب زنا کے بارے میں آیا ہے اور آیت کے الفاظ: (الْزَانِيَةُ وَالْزَانِيُّ) میں لام تعریف تعیم کیے لیے نہیں بلکہ تخصیص کے لیے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ بظاہر قسم کے زانیوں کے لیے نہیں ہے۔ اپنادا اس بات کے ثبوت میں انہوں نے مندرجہ ذیل دلائل دیئے ہیں:

الف: قرآن مجید نے اپنے ایک اور مقام پر فرمایا ہے:

﴿فَإِذَا أَحْسِنَ قَلْنَ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِ نُصْفُ مَا عَلَى الْمُحْسَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ (آلہ النساء: ۲۵)

”پھر اگر وہ قید نکاح میں آجائے کے بعد بدکاری کا ارتکاب کریں تو جو سزا ”محضنات“ کے لیے مقرر ہے اس کی نصف سزا ان (لوٹیوں) پر ہو گی۔“ اور ”القرآن یفسر بعضہ بعضًا“ کے اصول تفسیر کے مطابق آیت جلد کی سزا کو محضنات کی سزا قرار دیا ہے اور سیاق و سبق کا واضح فرینہ اس بات پر شاہد ہے کہ اس سے ”آزاد غیر شادی شدہ عورتیں“ مراد ہیں کیوں کہ ابتدائے آیت میں یہ لفظ ان آزاد عورتوں کے لیے استعمال ہوا ہے جن سے نکاح ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں شادی شدہ عورتیں مراد نہیں ہو سکتیں اس لیے کہ ان سے نکاح کرنا ازروئے قرآن حرام ہے۔ محضنات پر پوری بحث باب 3 میں گزر چکی ہے۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آیت جلد کا حکم صرف غیر شادی شدہ آزاد زانیوں کے لیے ہے۔

ب: قرآن مجید کی وہی تفسیر معتبر ہو سکتی ہے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو اور آپ کی سنت ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے آیت جلد کے حکم کا اطلاق صرف غیر شادی شدہ آزاد زانیوں پر کیا ہے اور ان پر سوکوڑوں کی حد جاری فرمائی ہے۔ باقی رہے شادی شدہ آزاد زانی، تو ان کو آپ ﷺ نے ہمیشہ رجم کی سزادی ہے۔

ج: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾

(الانعام: 151)

”اور کسی جان کو نا حق قتل نہ کرو جس کا قتل کیا جانا اللہ نے حرام نہیں کیا ہے۔“ اور ”إِلَّا بِالْحَقِّ“ کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ کی وہ معروف حدیث ملتی ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مردی ہے اور جس میں تجملہ قاتل اور مرتد کے شادی شدہ زانی کو بھی مباح الدم قرار دیا گیا ہے جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آیت جلد کا حکم شادی شدہ آزاد زانی کے بارے میں نہیں ہے بلکہ صرف

غیر شادی شدہ آزاد زانی کے ساتھ خاص ہے۔

6۔ سلف سے لے کر خلف تک تمام علمائے اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ سنت کے حکم کی رو سے ہر شادی شدہ آزاد زانی پر حد رجم واجب ہے اور قرآن مجید میں جرم زنا پر جو سو (۱۰۰) کوڑوں کی سزا اوارد ہوتی ہے وہ صرف غیر شادی شدہ آزاد زانیوں کے لیے خاص ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ اسلامی قانون میں زانی محسن کے لیے رجم کی سزا مقرر ہے اور اس امر کی تائید میں قرآن مجید کے تراجم و شواہد ملتے ہیں، اس کے ثبوت میں سنت نبویہ کے نصوص موجود ہیں، اس کی حمایت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل شامل ہیں، اس پر ائمہ مجتہدین متفق ہیں، اس کے بارے میں امت کے فقهاء، محدثین اور مفسرین کے درمیان اتفاقی رائے پایا جاتا ہے اور اس پر قرون اول سے لے کر آج تک ہر دور کے تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ لہذا ایسے منصوص اور اجتماعی معاملے میں اختلاف رائے کی قطعاً کوئی مجباش باتی نہیں ہے ایسا اختلاف رائے مگر اسی اور مخلافت ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص "ذوق اخلاق" اور "شوق اجتہاد" میں اس متفق علیہ چیز کا انکار کرتا ہے تو ایسے شخص کے بارے میں قرآن حکیم کا ارشاد یہ ہے کہ:

﴿وَمَنْ يُشَاطِقِ الرَّوْسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبَعُ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِيهِ جَهَنَّمَ ۚ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝﴾

(النساء: 115)

"جو شخص ہدایت واضح ہو جانے کے بعد رسول ﷺ کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کی راہ کے سوا کسی اور راہ پر چلے تو ایسے شخص کو ہم اسی طرف پھیر دیں گے جس طرف وہ پھرنا چاہتا ہے اور پھر اسے واصل جہنم کریں گے جو ایک برا ٹھکانہ ہے۔"



10۔ مرتد کی سزا کے قتل کا انکار

غامدی صاحب نے مرتد کے لیے قتل کی سزا ہونے کا بھی انکار کیا ہے۔

ارتداد کے لغوی معنی "لوٹ جانے" اور "پھر جانے" کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں ارتداد کا مطلب ہے: "دوین اسلام کو چھوڑ کر اختیار کر لینا" یہ ارتداد قوی بھی ہو سکتا ہے اور فعلی بھی۔ "مرتد" وہ شخص ہے جو دوین اسلام کو چھوڑ کر اختیار کر لے۔

اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے جو صحیح احادیث، تعالیٰ صحابہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

مگر غامدی صاحب اس منصوص اور اجماعی امر کو نہیں مانتے اور مرتد کے لیے سزا کے قتل ہونے کے مفکر ہیں۔ ہم سب سے پہلے مرتد کے واجب القتل ہونے کے شرعی اور عقلی دلائل دیں گے، اس کے بعد غامدی صاحب کے موقف کا جائزہ لیں گے۔

صحیح احادیث:

نبی کریم ﷺ کے جن مستند فرائیں کی بنا پر علماء امت کا مرتد کی سزا قتل ہونے پر اجماع ہے، وہ درج ذیل ہیں:

1۔ صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت:

((منْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ.))

(صحیح بخاری، رقم: 6922)

"جو (مسلمان) اپنادین بدال لے، اُسے قتل کر دو۔"

اسی ضمنوں کی احادیث بعض جلیل القدر صحابہ کرام: حضرت ابو بکر صدیق، حضرت علی،

حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت خالد بن ولید اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہیں۔ مذکورہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ سنن ابو داؤد، سنن ابن ماجہ اور موطا امام مالک میں بھی موجود ہے۔

2۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک متفق علیہ حدیث یہ بھی ہے کہ:

((عن عبد الله قال: قال رسول الله ﷺ: "لا يحل دم امرئ مسلم يشهد أن لا إله إلا الله، وأن رسول الله إلا بإحدى ثلاث: النفس بالنفس، والثيب الزاني، والمفارق لدينه التارك للجماعة.").)

(صحیح بخاری، رقم: 2878)

"حضرت عبد اللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبد نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، مساوائے تین صورتوں کے: ایک یہ کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو، دوسری یہ کہ وہ شادی شدہ زانی ہو اور تیسرا یہ کہ وہ اپنا دین چھوڑ کر (مسلمانوں کی) جماعت سے الگ ہو جائے۔"

یہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی اور مسنند احمد بن حنبل میں بھی موجود ہے اور اسے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے۔

3۔ سنن ابو داؤد کی حدیث ہے کہ:

((عن أبي أمامة بن سهل قال: كنا مع عثمان وهو محصور في الدار، وكان في الدار مدخل من دخله سمع كلام من على البلاء، فدخله عثمان، فخرجه إلينا وهو متغير لونه، فقال: إنهم ليتواعدونني بالقتل آنفاً، قال: قلنا يكفيكم الله يا أمير المؤمنين

قال: ولم يقتلونني؟ سمعت رسول الله يقول: "لا يحل دم امرئ مسلم إلا بآحدى ثلاث: كفر بعد إسلام، أو زنا بعد إحسان، أو قتل نفس بغير نفس." فوالله ما زنيت في جاهلية ولا في إسلام قط، ولا أحببت أن لي بدلاً من ذهدي الله، ولا قتلت نفسي فلم يقتلوني؟))

(سنابوداود، کتاب الدیات، رقم: 4502)

"حضرت ابو امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں اور دوسرے لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے، جب وہ اپنے گھر میں محصور تھے۔ اس گھر کا ایک راستہ تھا، جس کے اندر کھڑا آدمی گھر کی بالکوئی پر کھڑے لوگوں کی بات آسانی سے سن سکتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے، ان کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ وہ باہر نکلے اور فرمایا: ابھی یہ لوگ مجھے قتل کر دینے کی دھمکی دے رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! ان کے مقابلے میں اللہ آپ کے لیے کافی ہے۔ پھر فرمایا: یہ لوگ مجھے کیوں قتل کر دینا چاہتے ہیں؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں، سو ائے اس کے کہ تین صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہو۔ وہ اسلام لانے کے بعد کفر اختیار کرے۔ (مرتد ہو جائے) یا شادی کے بعد زنا کرے، یا کسی کو ناق قتل کرو۔ اللہ کی قسم! میں نہ تو جاہلیت میں زنا کا مرتكب ہوا اور نہ اسلام لانے کے بعد۔ دوسرے یہ کہ میں نے اپنادین بدلتا کبھی پسند نہیں کیا جب سے اللہ نے مجھے ہدایت عطا فرمائی ہے۔ تیسرا یہ کہ میں نے کسی کو ناق قتل بھی نہیں کیا۔ پھر یہ لوگ کس بنا پر مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں؟"

مذکورہ بالصحیح احادیث سے یہ امر بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں مرتد شخص مباح الدم اور واجب القتل ہوتا ہے۔ چنانچہ انہی احادیث صحیح کی بنا پر تمام فقهاء اسلام کا اس پر

اجماع ہے کہ اسلامی شریعت میں مرتد کی سزا قتل ہے۔

کتب احادیث (جن میں صحیح بخاری بھی شامل ہے) اور معتبر کتب تاریخ سے ثابت ہے کہ چاروں خلفاء راشدین نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں مرتدین کو ہمیشہ قتل کی سزا دی لیکن طوالت کے خوف سے ہم بیہاں ان واقعات کی تفصیل نہیں دے رہے۔

اسی طرح خلفاء بنو امية اور خلفاء بنو عباس نے بھی مرتد پر سزا قتل نافذ کی۔

ائمه مجتهدین کا بھی اس پر اتفاق ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے اور اس پر اجماع امت ہے کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہی ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل حوالے ملاحظہ ہوں:

1۔ ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے فقیہی مسائل پر مبنی کتاب "الفقه علی المذاهب الاربعة" (از عبد الرحمن جزیری) میں ہے کہ:

((واتفق الأئمة الأربعه عليهم رحمة الله تعالى على أن من ثبت ارتداده عن الإسلام - والعياذ بالله - وجوب قتله، وأهدر دمه.))

(الفقہ علی المذاهب الاربعة، جلد 5، صفحہ 423)

"ائمه اربعہ رضی اللہ عنہم کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص اسلام سے پھر جائے اللہ پھائے اس کا قتل واجب ہے اور اس کا خون بہانا جائز ہے۔"

2۔ اسلامی فقہ کے اجتماعی مسائل پر مشتمل انسائیکلو پیڈیا موسوعۃ الاجماع میں ہے کہ مرتد کا خون بہانا جائز ہے:

((اتفقوا على أن من كان رجلاً مسلماً حرّاً ثم ارتد إلى دين كفر أنه حل دمه.))

(موسوعۃ الاجماع، جلد اول، ص 436)

"اس پر تمام فقہائے اسلام کا اتفاق ہے کہ آزاد مسلمان مرد مرتد ہو جائے تو اس کا خون بہانا جائز ہے۔"

3۔ اسلامی فقہ کی مشہور کتاب الفقه الاسلامی و ادله میں ڈاکٹر وہب زحلی بھی احکام

المرتد کے تحت مرتد کی سزا قتل ہونے پر اجماع امت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((اتفق العلماء على وجوب قتل المرتد لقوله ﷺ : "من بدل دينه فاقتلوه." وقوله ﷺ : "لا يحل دم امرى مسلم إلا بإحدى ثلاث: الشيب الزانى، والنفس بالنفس، والتارث لدینه المفارق للجماعة." وأجمع أهل العلم على وجوب قتل المرتد.))

(اتفاق الاسلامی وادatk جلد 6 صفحہ 186)

"علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مرتد کا قتل واجب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جو مسلمان اپنادین بدل لے، اسے قتل کرو۔ نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ کسی مسلمان شخص کا خون حلال اور مباح نہیں ہوتا مگر تین صورتوں میں: ایک یہ کہ وہ شادی شدہ زانی ہو، دوسرے یہ کہ وہ کسی جان کا قاتل ہو اور تیسرا یہ کہ وہ دین کو چھوڑ دے، یعنی مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے اور اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ مرتد واجب قتل ہے۔"

مذکورہ بالا شرعی دلائل کی تفصیل سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی شریعت میں مرتد کی سزا قتل ہے اور اس پر اجماع امت ہے۔

مرتد کی سزا کے عقلی دلائل:

اب تک ہم نے ایسے شرعی دلائل پیش کر دیئے ہیں جن سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اسلامی شریعت میں مرتد کی سزا قتل ہے اور اس کی بنیاد احادیث صحیحہ، تعامل صحابہ اور اجماع امت پر ہے۔ ان شرعی دلائل کو جان لینے کے بعد ایک صاحب ایمان کا دل تو مطمئن ہو جاتا ہے کہ اسلام میں ارتداد کی بھی سزا ہے۔ مگر کیا سمجھیے، آج کل بہت سے اہل ایمان کے دلوں کو کسی شرعی حکم کے بارے میں محض شرعی دلائل سےطمیان حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ اس کے علاوہ عقلی دلائل چاہتے ہیں تاکہ انھیں شرح صدر ہو۔ اس لیے ہم ذیل میں مرتد کی سزا قتل

کے بارے میں چند عقلی دلائل بھی پیش کرتے ہیں:

1۔ سب سے پہلے یہ حقیقت پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ اسلام دوسرے مذاہب کی طرح کا کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو انسانی زندگی کا محض ایک جزو یا ضمیمہ بن کر رہے اور جو ہر شخص کا ایک ذاتی اور خصی معااملہ (Private Matter) ہو۔ وہ کوئی لباس بھی نہیں جسے کوئی شخص آج پسند کر کے پہنے اور کل اُسے ناپسند کر کے اپنے جسم سے اٹا رکھ سکے۔ وہ دراصل ایک دین اور ایک نظام زندگی ہے۔ ایک مکمل ضابطہ حیات (Code of Life) ہے۔ وہ انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر محیط ایک منظم معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ وہ عبادات، معاشرت، میہشت، سیاست اور اخلاق، غرض انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے، وہ ایک ایسی منتظم و منضبط ریاست (Disciplined State) کی تشكیل کا خواہاں ہے جس کا ہر شہری اس کے جملہ احکام و قوانین کی پابندی کرے اور ان کی خلاف درزی سے باز رہے۔

اب اگر اسلامی ریاست کا کوئی شہری اس کے کسی قانون کو توڑتا ہے تو وہ اپنے شہری کو اپنے قانون کے مطابق سزا دینے میں حق بجانب ہے۔ جب کوئی مسلمان شہری مرتد ہو جائے گا تو اسلامی ریاست ایسے شخص کو ارتداد (Apostasy) کے جرم کا ارتکاب کرنے پر موت کی سزا دے گی۔ یہ اسلامی ریاست کا قانون ہے اور دنیا کی دوسری ریاستوں کی طرح اسے بھی اپنے قانون کے نفاذ کا اختیار ہے۔

2۔ اسلام نے اپنے دائرے میں داخل نہ ہونے والوں اور اس میں داخل ہو کر نکل جانے والوں میں فرق کیا ہے۔ وہ پہلے گروہ کو ”کفار“ اور دوسرے کو ”مرتدین“ کہتا ہے۔ وہ پہلے گروہ کو برداشت کرتا اور کچھ حقوق بھی دیتا ہے، مگر دوسرے گروہ کو برداشت نہیں کرتا اور اسے ہر حق سے محروم رکھتا ہے۔ پہلا گروہ بیگانوں کا ہے اور دوسرا بے وفا بیگانوں کا۔ اُسے بیگانوں کی بے مرمتی پر کوئی شکوہ نہیں، مگر اپنوں کی بے وقاری اُسے گوارا نہیں۔ وہ بیگانوں سے محتاط رہتا ہے اور ان کو اپنا راز دان نہیں بناتا۔ اس لیے

بیگانے اُسے زیادہ نقصان بھی نہیں پہنچا سکتے۔ مگر اپنوں سے اُس کی رازداری ہے جن کے چھوڑ جانے سے اُس کا دل کڑھتا ہے اور ان کی طرف سے اُسے بہت زیادہ نقصان پہنچنے کا اندریشہ لاحق ہو جاتا ہے کہ کہیں وہ سازش کر کے اُسے کسی بڑے خطرے سے دوچار نہ کر دیں، کیوں کہ ”گھر کا بھیدی لٹکاڑھائے“ ہے۔

مرتد کا معاملہ اسی دوسری قسم سے متعلق ہے، وہ اسلام کا رازدار ہوتا ہے۔ جب وہ ارتداد کا مرکب ہو کر دین اسلام سے الگ ہوتا ہے تو اپنے ساتھ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت اور دشمنی کے جذبات لیے اہل کفر کی صفائی میں شامل ہو جاتا ہے۔ اُس کے یہ مخفی جذبات کفار کی طرف سے اسلام اور اسلامی ریاست کے خلاف کسی بڑے خطرے اور سازش کا پیش خیمہ بن سکتے ہیں، جس کے انداد کے لیے اسلام نے مرتد کو موت کی سزا نتالی ہے۔

3۔ اسلام نے دنیا کے سامنے سوا چودہ سو برس پیشتر سے یہ اعلان کر رکھا ہے کہ اس کے دائرے میں داخل ہونے یا نہ ہونے کی بہت شخص کو کھلی آزادی حاصل ہے۔ اس کے لیے کسی کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (البقرة: 256) لیکن اس دائرے میں داخل ہونے کے بعد اس سے باہر نکلنے پر پابندی عاید ہے ارجو کوئی اس پابندی کو توڑے گا اُسے موت کے گھاث اٹھا راجائے گا۔

اب اگر کوئی شخص اسلام کا یہ اعلان سن لینے کے بعد اپنی آزاد مرضی سے اس کے دائرے میں داخل ہوتا ہے۔ پھر اپنی آزاد مرضی کے ساتھ اس سے باہر نکلنے پر عائد پابندی کو توڑتا ہے اور پھر اپنی اس حرکت پر اپنے کیے کی سزا پاتا ہے تو بتائیے اس میں اسلام کا کیا قصور ہے؟

4۔ ارتداد کو اسلام کے خلاف سازش کا ذریعہ بھی بنایا جاسکتا ہے اور مدنیت کے یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف یہ تھیار فی الواقع استعمال کیا تھا، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ:

﴿وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أَمْنُوا بِاللَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ

﴿أَمْنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَأَكْفُرُوا أَخْرَهُ لَعْلَهُمْ يَرْجِعُونَ ۝﴾

”اہل کتاب کا ایک گروہ (اپنے لوگوں سے) کہتا ہے: تم جا کر صح کو اس (دین) پر ایمان لے آؤ جو مسلمانوں پر اُترتا ہے اور پھر شام کو انکار کر دو تاکہ اس طرح اور (مسلمان) بھی (اپنے دین۔ یہ) پھر جائیں۔“

اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہودیوں نے یہ سازش کی تھی کہ اپنے ہاں کے کچھ پڑھے لکھے معتبر لوگوں کو مسلمانوں کی جماعت میں شامل کیا جائے، وہ بظاہر دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ پھر جلد ہی اسلام کو چھوڑ کر اس سے بیزاری کا اظہار کریں۔ اس کی ”خراپیاں“ دوسرے لوگوں تک پہنچائیں، اس طرح مسلمانوں بالخصوص نو مسلموں کا ایمان متزلزل کیا جاسکے اور وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں کہ جب پڑھنے لکھے معقول حضرات بھی اسلام کے قریب جا کر اس سے بدک جاتے ہیں تو ضرور اس دین میں کچھ خراپیاں ہیں۔ اس کے علاوہ اس طریقے سے عام لوگوں میں اسلام اور اہل اسلام کے لیے کوئی کشش اور ترغیب باقی نہ رہے گی۔ اگرچہ یہودیوں کی یہ سازش بوجہ ناکام رہی، تاہم آج بھی ارتداد کی کسی سازش کے ذریعے کمزور ایمان والے مسلمانوں کے لیے کسی مقام پر بھی کوئی فتنہ کھڑا کیا جاسکتا ہے۔

5۔ آج کی مہذب ریاستوں کے فوجی قانون کی رو سے کسی شخص کو فوجی ملازمت اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ مگر جب کوئی شخص اپنی مرضی سے فوجی ملازمت اختیار کر لیتا ہے تو اسے ایک خاص مدت سے پہلے نوکری چھوڑنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اگر وہ اپنی مرضی سے وقت سے پہلے نوکری چھوڑ دے تو اسے مجرم قرار دیا جاتا ہے۔ اس کا کورٹ مارشل کر کے اسے سزا دی جاتی ہے اور اگر وہ مفرور (Deserter) ہو جائے تو اسے سزا موت کا مستحق قرار دیا جاتا ہے۔

آخر ایسا کیوں ہے اور اس پر اعتراض کیوں نہیں کیا جاتا؟ اس لیے کہ فوج بھیزوں کا مغل نہیں ہوتا، وہ ایک منظم ادارہ ہوتا ہے۔ وہ اجتماعی ذمہ داریوں کا ایسا نظام ہے جو نظم و ضبط (Discipline) کی بخشی کے بغیر قائم نہیں رہ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ سول (Civil) میں جن

کاموں کو بالکل معمولی سمجھا جاتا ہے، وہی کام فوج میں جرائم قرار پاتے ہیں۔ وقت پر جامت نہ بنانا، اپنے بوث پالش نہ کرنا، ان کے تنسے نہ باندھنا، وقت پر کھانا نہ کھانا، اپنا بستر درست نہ رکھنا، سول (Vivil) میں کوئی جرائم نہیں مگر یہی کام فوج میں جرائم شمار ہوتے ہیں۔ یہی معاملہ اسلامی ریاست کا ہے، وہ بھی کوئی بکریوں کا ریوٹ نہیں ہوتی کہ جس بکری کا جب جی چاہا ریوٹ سے الگ ہو گئی اور جب چاہا اس میں پھر شامل ہو گئی۔ اسلامی ریاست ایک خدائی فوج (جذب اللہ) ہے جس کے لظم و ضبط میں عام فوجی لظم و ضبط سے بڑھ کرختی اور پابندی ہے۔ عام فوج کے لیے چوبیں گھنٹوں میں صرف دو دفعہ حاضری ہے، مگر اسلامی معاشرے کے افراد کو پانچ وقت مسجد میں حاضری دینی پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک اسلامی ریاست امرتد کو جرم قرار دیتی اور مرتد کو سخت ترین سزا دیتی ہے تاکہ اس کا اندر وہی لظم و ضبط قائم رہے۔ وہ ایک مرتد کو سزا دے کر اسی طرح اپنے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے ایمان کا تحفظ کرتی ہے جس طرح کسی قائل کو سزا دے کر پورے معاشرے کی زندگی کو تحفظ دیا جاتا ہے۔ لہذا اسلامی ریاست کے اس لظم و ضبط کی تختی پر اعتراض کرنے والوں کو پہلے اپنے ہاں کے فوجی لظم و ضبط کی تختی پر غور کرنا چاہیے۔

⦿ اس مقام پر بعض لوگ (جن میں غامدی صاحب بھی شامل ہیں) یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ جب کوئی مرتد مسلح ہو کر بغاوت کرے تو صرف اسی صورت میں وہ واجب القتل ہوتا ہے اور اگر وہ اسلامی ریاست کے خلاف مسلح جدو جہد اور بغاوت نہ کرے تو اسے قتل کی سزا نہیں دی جاسکتی۔

اس اعتراض کا شریعی جواب تو یہ ہے کہ جن احادیث صحیح کی بنیاد پر مرتد کے واجب القتل ہونے پر اجماع ہے، ان احادیث میں یہ بات مذکور نہیں ہے کہ مرتد جب تک مسلح بغاوت نہ کرے، وہ قتل کا مستحق نہیں ہے بلکہ ان احادیث میں مرتد کے محض مرتد ہونے پر اس کے لیے قتل کی سزا کا ذکر ہے۔

اور اس اعتراض کا عقلی جواب یہ ہے کہ جس طرح دنیا بھر میں کسی مفروض فوجی کو محض

مفرد ہو جانے پر فوجی قانون کی رو سے موت کی سزا کا مستوجب قرار دیا جاتا ہے اور اسے یہ سزا دینے کے لیے اُس کی طرف سے مسلح بغاوت ہونا کوئی شرط نہیں، بالکل اسی طرح ایک اسلامی ریاست بھی اپنے شرعی قانون کے مطابق مرتد کو، اس کی طرف سے مسلح بغاوت کیے بغیر بھی موت کی سزا دے سکتی ہے۔

مرتد کی سزا کے بارے میں غامدی صاحب کے موقف کا جائزہ:

جناب غامدی صاحب مرتد کے لیے قتل کی شرعی سزا کو نہیں مانتے۔ اس بارے میں ان کا موقف یہ ہے کہ مرتد کے لیے قتل کی سزا کا حکم تو ثابت ہے گریہ صرف رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے ان شرکیں عرب کے ساتھ خاص ہے جو اسلام قبول کر لینے کے بعد ارتد او اختیار کریں، باقی اور کسی قسم کے مرتد کے لیے قتل کی شرعی سزا کا کوئی وجود نہیں۔ غامدی صاحب اپنے اس موقف کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

”ارتدا کی سزا کا یہ منسلک محض ایک حدیث کا مدعا نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ اہن عباس بن عبای کی روایت ہے۔ یہ حدیث بخاری میں اس طرح نقل ہوئی ہے: ((من بدل دینه فاقتلوه .))..... ”جو شخص اپنا دین تبدیل کرے، اسے قتل کر دو۔“ ہمارے فقہاء سے بالعموم ایک حکم عام قرار دیتے ہیں جس کا اطلاق ان کے نزد یک ان سب لوگوں پر ہوتے ہے جو زمانہ رسالت سے لے کر قیامت تک اس زمین پر کہیں بھی اسلام کو چھوڑ کر فراخیار کریں گے۔ ان کی رائے کے مطابق ہر وہ مسلمان جو اپنی آزادانہ مرضی سے کفر اختیار کرے گا، اسے اس حدیث کی رو سے لازماً قتل کر دیا جائے گا۔ اس معاملے میں ان کے درمیان اگر کوئی اختلاف ہے تو بس یہ کہ قتل سے پہلے اسے توبہ کی بھلت دی جائے گی یا نہیں اور اگر دی جائے گی تو اس کی مدت کیا ہوئی چاہیے؟ فقہاء احتجاف البتہ، عورت کو اس حکم سے مستثنی قرار دیتے ہیں۔ ان کے علاوہ باقی تمام فقہاء اس بات

پر تحقیق ہیں کہ ہر مرتد کی سزا خواہ وہ عورت ہو یا مرد، اسلامی شریعت میں قتل ہے۔
”

(برہان، طبع چارم، جون 2006ء، صفحہ 139)

وہ مزید فرماتے ہیں کہ:

”لیکن فقہا کی یہ رائے کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم تو پیشک ثابت ہے مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی حکم عام نہ تھا بلکہ صرف انہی لوگوں کے ساتھ خاص تھا، جن میں آپ کی بعثت ہوئی اور جن کے لیے قرآن مجید میں اُمَّيْنَ یا مُشْرِكُيْنَ کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔“

(برہان، طبع چارم، صفحہ 140، جون 2006ء)

وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

”ہمارے فقہا کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے قرآن و سنت کے باہمی ربط سے اس حدیث کامدعا بخشنے کے بجائے اسے عام ٹھہرا کر ہر مرتد کی سزا موت قرار دی اور اس طرح اسلام کے حدود و تعزیرات میں ایک ایسی سزا کا اضافہ کر دیا، جس کا وجود ہی اسلامی شریعت میں ثابت نہیں ہے۔“

(برہان، صفحہ 143، طبع چارم، جون 2006ء)

ارتداد کی سزا کے بارے میں غامدی صاحب کے اس موقف کا جائزہ لیا جائے تو ان کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ:

1۔ فقہاء اسلام نے صحیح بخاری کی حدیث ((من بدل دینه فاقتلوه .)) ”جو مسلمان اپنادین بدل لے تو اسے قتل کر دو۔“ کو غلطی سے ایک عام حکم سمجھا ہے، جبکہ یہ ایک خاص حکم ہے۔

2۔ فقہاء اسلام نے مذکورہ بالا ایک ہی حدیث کی بنابر ہر قسم کے مرتد کے لیے قتل کی سزا بیان کر دی ہے۔

- 3۔ مذکورہ حدیث کی اصل قرآن مجید کی ایک آیت سورۃ التوبہ: 5 ہے، جس کے بعد ان حدیث کا حکم خاص ہو جاتا ہے۔
- 4۔ اسلام کے حدود و تعزیرات میں مرتد کے لیے قتل کی سزا کا کوئی وجوہ نہیں۔ اب غامدی صاحب کے اس موقف کا ہم تحریک کرتے ہیں۔

(1) کیا حدیث مذکورہ کا حکم عام نہیں؟

غامدی صاحب مذکورہ حدیث کے حکم کو عام نہیں مانتے جب کہ عربیت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے عام بانا جائے۔ اس حدیث: ((من بدل دینه فاقتلوه۔)) "جو مسلمان اپنادین بدل لے تو اسے قتل کر دو۔" میں مَنْ موصولہ کا اسلوب وہی ہے جو درج ذیل حدیث کا ہے:

((مَنْ غَشَّ فَلَيُسْ مِنَ)).

(جامع ترمذی، حدیث: 1315)

"جس نے دھوکہ دیا، وہ ہم میں سے نہیں۔"

اس حدیث میں بھی مَنْ (جو، جو کوئی، جس نے) موصولہ آیا ہے۔ اور اس کا حکم عام ہے۔ اس سے ہر دھوکہ دینے والا شخص مراد ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس سے دھوکہ دینے والا کوئی خاص فرد مراد ہے۔ عرب کے دھوکے باز مراد ہے، اور عجم کے دھوکے باز مراد نہیں ہو سکتا۔

غامدی صاحب نے حدیث: ((من بدل دینه فاقتلوه۔)) میں مَنْ موصولہ کو اس کے عام حکم معنوں میں لینے کی بجائے "مشرکین عرب" کے خاص معنوں میں لیا ہے جو کہ عربیت کے بالکل خلاف ہے اور قرآن و حدیث کا جو مفہوم بھی عربیت کے خلاف لیا جائے، وہ غلط ہے کیونکہ یہ قرآن و حدیث کی معنوی تحریف ہے جو قرآن و حدیث کے ائکار کے مترادف ہے اور اس حریبے سے سارے دین کو دور نبوی ﷺ تک محدود کر کے پوری شریعت اسلامیہ کا تباپا نچا کیا جا سکتا ہے اور یہ کارنامہ ہمارے زمانے کے منکریں حدیث، بالخصوص غامدی صاحب بڑی دیدہ ولیری سے سرانجام دے رہے ہیں۔

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

⑥ البتہ اس مقام پر عربیت کی رو سے ایک سوال یہ اٹھایا جاسکتا ہے کہ کیا اس مَنْ (جو) میں کافر بھی شامل ہے تو اس سوال کے جواب کی وضاحت خود نبی ﷺ نے اپنی دوسری احادیث میں فرمادی ہے کہ اس سے مسلمان مراد ہے۔ مثال کے طور پر ایک متفق علیہ حدیث ہے، جو پہچھے گزر چکی ہے:

((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: "لَا يَحِلُّ دمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنَّ رَسُولَ اللَّهِ إِلَّا يَأْخُذُ ثَلَاثَ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ، وَالثَّيْبَ الزَّانِي، وَالْمُفَارَقُ لِمَدِينَةِ النَّارِكَ لِلْجَمَاعَةِ.))

(صحیح بخاری، رقم: 2878)

"حضرت عبد اللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، مساوا تین صورتوں کے: ایک یہ کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو، دوسری یہ کہ وہ شادی شدہ زانی ہو اور تیسرا یہ کہ وہ اپنادین چھوڑ کر (مسلمانوں کی) جماعت سے الگ ہو جائے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کے مرتد ہو جانے پر اس کے لیے قتل کی سزا ہے، قطع نظر اس سے کہ وہ مسلمان ہونے سے پہلے عرب کا مشرق تھا یا گھم کا کافر تھا۔ دونوں صورتوں میں ایک ہی سزا ہے۔

(۲) کیا مرتد کی سزا کا مبنی اور بنیاد صرف ایک ہی حدیث ہے؟

عائدی صاحب کا کہنا ہے کہ فقہائے اسلام نے صرف صحیح بخاری کی ایک حدیث: ((مَنْ بَدَأَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ.)) کی بنیاد پر مرتد کے لیے قتل کی سزا بیان کر دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عائدی صاحب کا یہ دعویٰ علمی خیانت پر مبنی ہے اور وہ یہ بات عام لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے

فرما رہے ہیں۔ فقہائے اسلام کے اس اجتماعی فیصلے کی بنیاد صرف ایک حدیث پر نہیں بلکہ متعدد احادیث صحیح پر ہے جن کو ہم اس مضمون کے شروع میں بیان کر سکتے ہیں۔

غامدی صاحب کا یہ ”طريق واردات“ کہ کسی مسئلے پر بحث و استدلال کے لیے اس سے متعلق تمام احادیث کو پیش نظر رکھنے کی بجائے بعض حدیثوں کو لے لینا اور بعض کو چھوڑ دینا معروف دیانت داران طریق بحث و استدلال نہیں ہے بلکہ یہ کام ان کے لیے اپنے مسلمہ اصول کے بھی خلاف ہے۔ وہ خود مانتے ہیں کہ:

”چوتھی چیز یہ ہے کہ کسی حدیث کا مدعایاً متعین کرتے وقت اس بات کی تمام روایات پیش نظر رکھی جائیں۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی حدیث کا ایک مفہوم سمجھتا ہے لیکن اسی باب کی تمام روایات کا مطالعہ کیا جائے تو وہ مفہوم بالکل دوسری صورت میں نمایاں ہو جاتا ہے۔“

(میران، صفحہ 73، طبع دوم، اپریل 2002ء۔ اصول و مبادی، صفحہ 72، طبع فروری 2005ء)

مگر مرتد کی سزا کے معاملے میں اور شادی شدہ زانی کے لیے رجم یعنی سنگاری کی حد کے بارے میں غامدی صاحب نے اپنے اس اصول کا بھی خون کر دیا ہے۔ انہوں نے اس بارے میں صرف ایک حدیث کی بنا پر ایک غلط رائے قائم کر لی ہے اور باقی متعلقہ روایات سے چشم پوشی کر لی ہے۔

(۳) نذکورہ حدیث کا قرآن سے ربط:

غامدی صاحب کہتے ہیں کہ فقہائے اسلام نے حدیث ((مَنْ بَذَّلَ دِينِهِ فَاقْتُلُوهُ۔)) ”جو مسلمان اپنادین بدلتے، تو اسے قتل کر دو“ کو قرآن کی اصل سے متعلق نہیں کیا اور قرآن و سنت کے باہمی ربط سے اس حدیث کا مدعایا اور مطلب سمجھنے کی کوشش نہیں کی جس کے نتیجے میں انہوں نے مرتد کے لیے ایک الیٰ سزا (قتل) قرار دے دی جس کا اسلامی حدود و تعریفات میں کوئی وجود نہ تھا۔ اس کے بعد انہوں نے اس حدیث کا ربط قرآن مجید کی سورۃ التوبہ کی اس آیت ۵ سے جوڑا ہے، جسے ہم ان کے ترجمے کے ساتھ یہاں درج کرتے ہیں:

(فَإِذَا أَنْسَلْخَ الْأَشْهُرُ الْحَرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ
وَجَدُّتُمُوهُمْ وَلَا خُدُوْهُمْ وَأَخْضُرُوهُمْ وَأَقْعُدُوهُمْ كُلُّ مَرْضَدٍ فَإِنْ
تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَاتَّوْا الزَّكُوْةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ
رَّحِيمٌ) (التوبہ: 5)

(التوبہ: 5)

"پھر جب حرام میں گز رجا کیں تو ان مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور اس کے لیے ان کو پکڑو اور ان کو گھیرو اور ہر گھات میں ان کے لیے تاک لگاو، لیکن اگر وہ کفر و شرک سے توبہ کر لیں اور نماز کا احتیاط کریں اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو انھیں چھوڑ دو۔ بے شک اللہ مغفرت کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔"

آخر مرتد کے بارے میں مذکورہ حدیث اور اس قرآنی آیت میں کیا ربط و اشتراک ہو سکتا ہے؟ اسے ہر وہ شخص جان سکتا ہے جس نے زندگی میں کبھی ایک مرتبہ بھی قرآن مجید کو کھلے ذہن کے ساتھ کبھی کر پڑا ہو۔ قرآن مجید کی اس آیت کو جیسا کہ اس کے مضمون سے ظاہر ہے، مفسرین حضرات نے مشرکین کے خلاف جہاد و قتال سے متعلق قرار دیا ہے، جب کہ مذکورہ حدیث مرتد کے بارے میں حکم بیان کرتی ہے۔ اب ارتداد کی سزا اور جہاد و قتال کے درمیان کیا باہمی ربط ہے؟ اس عقدے کی گردہ کشاکی صرف غامدی صاحب کی عقل و منطق ہی کر سکتی ہے جو قرآن و حدیث کی عبارات میں اپنے خیالات پڑھنے کی عادی ہو چکی ہے۔ علمی دیانت کا تقاضا تو یہ تھا کہ مرتد کے بارے میں آمدہ حدیث کو قرآن مجید کی ان آیات سے جوڑا جانا جن میں ارتداد اور مرتدین کا ذکر آیا ہے مگر ایسا داشتہ طور پر نہیں کیا گیا، کیونکہ ۶

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

قرآن مجید میں ارتداد اور مرتدین کا ذکر درج ذیل مقامات پر موجود ہے اور جن اور

مولانا اصلاحی صاحب نے بھی اپنی تفسیر "تذہب قرآن" میں بیان کیا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت: 217 اور سورۃ المائدۃ کی آیت: 54۔ اپنی بات کی وضاحت کے لیے اس جگہ ہم ان میں سے صرف ایک ہی حوالے پر اتفاق کرتے ہیں:

﴿وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمْتُ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَئِكَ حَبْطُ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَلِيلُونَ ۝﴾

(البقرۃ: 217)

"اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھرے گا اور کفر کی حالت ہی میں مرے گا تو اس کے سارے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو جائیں گے۔ ایسے لوگ دوزخی ہوں گے اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔"

قرآن مجید کا یہ مقام اور دوسرے مذکورہ مقامات ایسے ہیں جن کو ارتدا اور مرتدین کے حوالے سے ان احادیث سے جوڑا جاسکتا ہے جن میں مرتد کے بادے میں کوئی حکم آیا ہے اور غامدی صاحب کے استاد، مولانا اصلاحی صاحب نے بھی اپنی تفسیر "تذہب قرآن" میں ان قرآنی مقامات کی وضاحت میں ارتدا اور مرتدین کا ذکر کیا ہے مگر انہوں نے سورۃ التوبہ کی آیت نمبر 5 میں مرتدین کا کوئی تذکرہ نہیں کیا، جسے غامدی صاحب خواہ مخواہ مرتد سے متعلق حدیث کے ساتھ جوڑا رہے ہیں۔

(۲) کیا مرتد کے لیے قتل اسلامی سزا نہیں؟

غامدی صاحب کے موقف کا آخری نکتہ یہ ہے کہ اسلام کے حدود و تعزیرات میں مرتد کے لیے سزا کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ تمام فقہائے اسلام کی مشترکہ اور متفقہ غلطی ہے کہ انہوں نے اسے اسلامی حدود و تعزیرات میں شامل کر رکھا ہے۔

ہم نے گزشتہ صفحات میں مرتد کے لیے سزاے قتل کو احادیث صحیحہ کے نصوص، تعامل

صحابہ، ائمہ مجتہدین اور تمام فقہائے اسلام کے اجماع سے ثابت کیا ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اسلام کے حدود و تعریفات میں مرتد کے لیے قتل کی سزا کا کوئی وجود نہیں ہے تو وہ اسلامی شریعت اجماع امت کا منکر ہے اور ایسا منکر شخص یقیناً گمراہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا یہ سلف سے خلف تک عرب و عجم کے تمام مجتہدین اور فقہائے اسلام عربیت سے نآشنا، قرآن و حدیث کو سمجھنے سے عاری اور شریعت کے احکام سے ناواقف تھے کہ سب نے مل کر یہ غلطی کر دی کہ مرتد کے لیے سزاۓ قتل قرار دے دی اور اسلام میں اپنی طرف سے بدعت کے طور پر ایک ایسی شرعی حد دا خل کر دی جس کا اسلامی حدود و تعریفات میں کوئی وجود نہ تھا؟ ایسی بات کہنے کی جарат صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کا دماغ درست نہ ہو، جس کے دل میں ذرا بھی خوف خدا نہ ہو اور جسے آخرت کا ذر نہ ہو۔



11- دیت (Blood Money) کا مسئلہ

دیت کے مسئلے میں بھی غامدی صاحب امت مسلمہ کے متفقہ اور اجماعی موقف کے خلاف ہیں۔ علاوہ اسلام کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ قتل خطا کی دیت مقرر ہے جو کہ سو اونٹ یا اُس کی تیجت ہے اور یہ کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدمی ہے۔ مگر غامدی صاحب کہتے ہیں کہ اسلام میں دیت کی مقدار مقرر نہیں ہے اور یہ کہ عورت اور مرد کی دیت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

”اسلام نے دیت کی کسی خاص مقدار کا ہمیشہ کے لیے تعین کیا ہے، نہ افراد کے لحاظ سے دیتوں میں کسی فرق کی پابندی ہمارے لیے لازم ٹھہرائی۔“.....

”عورت کی دیت، اس زمانے کے ارباب حل و عقد اگر چاہیں تو پوری مقرر کر سکتے ہیں۔“

(میران، حصہ اول، صفحہ 213، طبع مگی 1985ء، لاہور)

لیکن غامدی صاحب کا مذکورہ موقف مارے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا موقف سنت اور اجماع امت کے خلاف ہے۔

اب ہم دیت کے مسئلے کو تفصیل سے پیان کریں گے۔

قرآن اور مسئلہ دیت:

بہاں تک قرآن حکیم میں قتل خطا کی دیت کا تعلق ہے تو اس کے واجب ہونے کا شہود درج ذیل آیت میں ملتا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَا وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَا﴾

فَتَعْرِيرُ رَقْبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّ دِيَةً مُّسْلِمَةً إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَدِّقُوا
۝

(النساء: 92)

”کسی مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ دوسرے مومن کو قتل کرے مگر یہ کہ اس سے چوک ہو جائے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو غلامی سے آزاد کر دے اور مقتول کے وارثوں کو دیت دی جائے، البتہ یہ کہ وہ دیت معاف کر دیں۔“

اس آیت میں مقتول کے لیے ”مُؤْمِنًا“ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی عربی زبان میں ”مومن مرد“ کے ہیں اور مومن عورت کے لیے عربی زبان میں ”مُؤْمِنَةٌ“ کا لفظ آتا ہے جو یہاں مذکور نہیں ہے۔ لہذا مفسرین کرام اور فقهاء اسلام نے اس جگہ بغیر کسی معنوی تاویل کے صرف ”مسلمان مرد“ مرا دیا ہے اور آیت کے الفاظ ﴿ وَّ دِيَةً مُّسْلِمَةً إِلَى أَهْلِهِ ﴾ (اور مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کی جائے۔) سے دیت کی ادائیگی کے واجب ہونے کو قرآنی حکم فرار دیا ہے۔ لیکن دیت کی مقدار کا تعین اس آیت میں نہیں کیا گیا۔ مقدار دیت ہمیں صحیح احادیث سے ملتی ہے۔

جیسا کہ ابو بکر جاص نے ”احکام القرآن“ میں لکھا ہے کہ:

((لِمَا لَمْ يَكُنْ مَقْدَارُ الدِّيَةِ مِبْيَانًا فِي الْكِتَابِ كَانَ فَعْلُ النَّبِيِّ
فِي ذَلِكَ وَارِدًا مُورَدَ الْبَيَانِ وَفَعْلُهُ
إِذَا وَرَدَ مُورَدَ الْبَيَانِ فَهُوَ
عَلَى الْوَجُوبِ .))

(ج 2، ص 239)

”چونکہ الکتاب یعنی قرآن میں دیت کی مقدار بیان نہیں ہوئی ہے اس لیے نبی ﷺ کے عمل سے اس بارے میں وضاحت مل جاتی ہے اور نبی ﷺ کے عمل کی وضاحت سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ آیت میں صرف دیت کا واجب ہونا مراد ہے۔“

اس بارے میں قاضی شاء اللہ پانی پتی جل الله بھی اپنی مشہور تفسیر "تفسیر مظہری" میں لکھتے ہیں:

"دیت کی مقدار بجمل ہے اور کس پر دیت واجب ہے، اس کا بیان بھی آیت میں نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کو بیان فرمادیا ہے۔"

(تفسیر مظہری، ج 3، ص 201، مطبوعہ دہلی)

پھر لفظ "دیة" پر بحث کرتے ہوئے امام جصاص فرماتے ہیں:

((ان دیة المرأة لا يطلق عليها اسم الدية وإنما ينالها الاسم
مقیداً إلا ترى أنه يقال دية المرأة نصف الدية وأطلاق اسم الدية
إنما يقع على المتعارف المعتمد وهو كما لها)).

(أحكام القرآن، جلد 2، صفحہ 238)

"در حقیقت عورت کی دیت پر لفظ دیت کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ عورت کے لیے اس لفظ کا محدود مفہوم مراد ہوتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ عورت کی دیت آدمی دیت ہے دراصل لفظ دیت کا عام استعمال صرف پوری دیت کا مفہوم لیے ہوتا ہے۔"

گویا امام جصاص کے نزدیک آیت زیر بحث میں صرف مسلمان مرد کی دیت مراد ہے عورت یا اس کی دیت سرے سے مذکور ہی نہیں ہے۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ چونکہ عربی زبان میں عام طور پر مذکر کے صینے میں مؤنث بھی تعلیم شامل ہوتی ہے لہذا آیت مذکور میں مؤمنا کے لفظ میں عورت بھی داخل ہے۔ اس لیے جو دیت از روئے حدیث مقتول مسلمان مرد کی ہے وہی عورت کی بھی ہے۔ اور مقدار دیت کے لحاظ سے مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ "تقلیب" کا قاعدة عربی زبان کا کوئی ایسا قطعی اصول نہیں ہے جس کی بناء پر ہر جگہ مذکر کے صینے میں مؤنث کو شامل سمجھا جائے۔ خود قرآن حکیم میں بھی بہت سے ایسے نظائر ملتے ہیں جہاں قاعدة تقلیب باطل ہے اور مذکر کا صینہ صرف مذکور ہی کے لیے

آیا ہے۔ اس میں مؤنث ہرگز شامل نہیں ہے۔

1۔ مثال کے طور پر سورۃ نور کی آیت 33 میں ہے:

﴿فَلِلّٰمُؤْمِنِينَ يَعْصُوَا مِنْ أَهْسَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ﴾

”اے نبی! مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔“

اس جگہ المؤمنین مذکور کا صیغہ ہے اور اس میں مؤنث داخل نہیں ہے۔ گویا مومنین سے مراد صرف ”مرد مسلمان“ ہیں اور عورتیں ان میں شامل نہیں ہیں۔ اس لیے کہ بعد کی آیت: 31 میں یہی حکم مومنات (مسلمان عورتوں) کو دیا گیا ہے۔

2۔ سورۃ انفال آیت 65 میں ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّٰيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ ۚ﴾

”اے نبی! مومنوں کو جنگ پر ابھارو۔“

سب جانتے ہیں کہ جنگ و قتال کرنا صرف مردوں پر فرض ہے، عورتوں پر فرض نہیں ہے اس لیے آیت میں مومنین کے لفظ میں عورتیں شامل نہیں ہیں۔

3۔ سورۃ جمعہ آیت 9 میں ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّٰذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِي لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَأَسْعُوا

إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۖ﴾

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اجنب پکارا جائے نماز کے لیے جمعہ کے دن تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔“

اس آیت میں **﴿يَا أَيُّهَا الَّٰذِينَ آمَنُوا﴾** (اے مومنو!) اور پھر **﴿فَاسْعُوا﴾** (پھر دوڑو) دونوں کا خطاب مذکور کے صیغوں میں ہے مگر ان میں مؤنث شامل نہیں ہیں کیونکہ نماز جمعہ کی فرضیت صرف مردوں کے لیے ہے عورتوں کے لیے نہیں ہے۔ لہذا یہاں پر **﴿يَا أَيُّهَا الَّٰذِينَ آمَنُوا﴾** اور **﴿فَاسْعُوا﴾** کے مخاطب مردوں میں عورتیں شامل نہیں ہے۔

4۔ سورہ احزاب آیت 50 میں ہے:

﴿وَأَمْرَأٌ مُّؤْمِنَةٌ إِنْ وَهْتَ نَفْسَهَا لِنَبِيٍّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَكْحِهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۝﴾

”اور وہ مومن عورت جس نے اپنے آپ کو نبی کے لیے ہبہ کیا ہوا گئی اسے نکاح لینا چاہے، یہ رعایت خالصتاً تمہارے لیے ہے، دوسرے مومنوں کے لیے نہیں ہے۔“

اس آیت میں بھی مومنین کے ذکر سینے میں موئیث شامل نہیں ہیں۔ اس لیے کہ یہاں پر صرف عام مردوں کا ذکر ہو رہا ہے جن کے لیے تحدید نکاح کرنے کا حکم موجود ہے وار اس عام حکم کے عکس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بارے میں خصوصی اجازت کا اس آیت میں ذکر ہو رہا ہے۔ لہذا یہاں پر لفظ مومنین صرف مرد مسلمان کے لیے آیا ہے اور اس میں عورتیں شامل نہیں ہیں۔

5۔ سورہ احزاب آیت 36 میں ہے کہ:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونُ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۝﴾

”کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کروں تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔“

اس آیت میں بھی لفظ مومن سے مراد صرف مرد مسلمان ہے اور اس میں مسلمان عورت شامل نہیں ہے کیونکہ اس کے لیے الگ سے مُؤْمِنَة کا لفظ آیا ہے۔

6۔ سورہ توبہ آیت 71 میں ہے کہ:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أُولَائِاءِ بَعْضٍ ۝﴾

”مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔“

یہاں چونکہ المؤمنوں میں عورتیں شامل نہ تھیں اس لیے ان کا ذکر بعد میں الگ سے کیا گیا ہے۔

7۔ سورہ بقرہ آیت 128 میں ہے کہ:

﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ﴾

”اے ہمارے پروردگار اہم دونوں کو اپنا مطیع فرمان بنا۔“

اں مقام پر بھی لفظ مسلمین (دو مسلم) مذکور کا صیغہ ہے اور اس میں مؤنث داخل نہیں ہیں۔ کیونکہ یہاں پر دعا کرنے والے صرف دو مرد حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام ہی مراد ہیں اور کوئی عورت شامل نہیں ہے۔

⑤ قرآن مجید میں مومنوں (یا مومنین) اور مومنات یا مسلمین اور مسلمات کا یہی اسلوب کم از کم بارہ مقامات پر موجود ہے جہاں مردوں کے صیغے میں عورتیں شامل نہیں ہیں بلکہ ان کے لیے الگ طور پر تذکرہ کرنا ضروری تھا رہا ہے۔

مثال کے طور پر ملاحظہ ہو: سورہ فتح، آیت: 51، سورہ نور، آیت: 12۔ 13، سورہ توبہ، آیت: 72، سورہ احزاب، آیت: 35۔ 58۔ 73، سورہ نوح، آیت: 28، سورہ بروم، آیت: 12، سورہ محمد، آیت 19، نیز سورہ حدید، آیت 12۔

مندرجہ بالا نظائر کی روشنی میں ہم اس امر کو آسانی سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن مجید اور عربی زبان و بیان کا یہ کوئی قطعی اصول یا کلیئے نہیں ہے کہ ہر جگہ تغلیب کے تحت مردوں کے صیغے میں عورتوں کو بھی شامل سمجھا جائے۔ اگر کہیں تغلیب کے تحت ایسا ہوتا ہے کہ مذکور کے صیغے میں عورت داخل ہوتی ہے تو بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مذکور کے صیغے میں عورت شامل نہیں ہوتی اور تغلیب کا قاعدہ باطل ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آیت ز پر بحث میں مفسرین اور فقہاء حضرات نے مؤمنوں کے لفظ سے صرف مسلمان مرد ہی مراد لیا ہے اور عورت کو اس میں شامل نہیں سمجھا۔ جیسا کہ احکام القرآن میں امام ابو بکر جاص نے لکھا ہے کہ:

((ان الله تعالى انما ذكر الرجل في الآية.))

(أحكام القرآن، ج 2، ص 238)

”الله تعالیٰ نے اس آیت میں صرف (مسلمان) مرد کا ذکر کیا ہے (مسلمان عورت کا نہیں)۔“

تقلیب کی اس بحث کے بعد اب ہم مذکورہ آیت دیت پر غور کریں تو یہاں پر کوئی ایسا قرینہ قاطعہ موجود نہیں ہے جس کی وجہ سے لفظ مُؤْمِنَا میں مرد اور عورت دونوں کو شامل سمجھا جائے۔ اب اگر ایک شخص پورے زور سے یہ کہتا ہے کہ یہاں تقلیب کے تحت مُؤْمِنَا میں عورت بھی داخل ہو سکتی ہے تو کوئی دوسرا شخص بھی اسی قوت سے یہ کہہ سکتا ہے کہ یہاں پر تقلیب کا قاعدہ سرے سے موثر ہی نہیں ہے اور باطل ہے اور یہاں پر لفظ مُؤْمِنَا سے صرف اس کا لغوی مفہوم ”مسلمان مرد“ ہی مراد ہے۔ بلکہ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو دسرے شخص کا موقف کچھ وزنی مغلوم ہو گا، اس لیے کہ وہ لفظ ”مُؤْمِن“ کی کوئی معنوی تاویل نہیں کر رہا ہے بلکہ اسے تھیک لغوی اور اصطلاحی معنوں میں لے رہا ہے۔

حدیث اور مسئلہ دیت:

حدیث کی جن معتبر کتابوں میں صحیح سند کے ساتھ قتل خطا میں دیت کی جو روایات آئی ہیں ان کے الفاظ یہ ہیں:

((ان في النفس مائة من الابل.))

”نفس (جان) کی صورت میں (دیت) سوا اونٹ ہے۔“

(موطا امام مالک، کتاب المحتول، سنن نسائی، کتاب الصمام، والقواعد الدیات)

یہاں پر لفظ نفس استعمال ہوا ہے جس کے معنی جان کے ہیں یہ لفظ عربی زبان میں مذکور اور مَوْنَثَةَ دُوْنُونَ کے لیے بھی آتا ہے اور بعض اوقات یہ صرف مذکور کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔
1۔ مثال کے طور پر سورہ نساء آیت 1 میں ہے کہ:

4۔ سورہ قصص آیت 33 میں ہے کہ:

﴿قَالَ رَبِّيْ قُلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاخَافَ أَنْ يُقْتَلُونَ﴾
”مویٰ نے عرض کیا اے میرے رب: میں تو ان کا ایک آدمی قتل کر چکا ہوں،
ذرتا ہوں کہ وہ مجھے مارڈا لیں گے۔“

اس آیت میں نفس سے مراد ایک قبطی مرد ہے جو حضرت مویٰ کے ہاتھوں مصر میں مارا گیا تھا۔ اس امر کی تصریح خود قرآن میں دوسری جگہ (ملاحظہ ہو: القصص 15: 19) مذکور ہے۔

5۔ اسی طرح سورہ توبہ آیت 41 میں ہے:

﴿إِنْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِلُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفِسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾
”نکلو، خواہ ہلکے ہو یا بوجھل اور جہاد کرو، اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی
جانوں کے ساتھ۔“

سب جانتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جہاد و قال صرف مردوں پر فرض ہے اور زنفیر عام کے مخاطب صرف مرد ہیں۔ یہاں پر بھی نفس کے لفظ میں کوئی عورت شامل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو قرآن مجید میں دو مقامات پر نفس سے بھی تعبیر کیا ہے۔

﴿وَيَحْذِرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ﴾ (آل عمران: 28)

”اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے۔“

﴿كَتَبَ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (الانعام: 12)

”اس (اللہ) نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔“

ان دونوں جگہوں پر لفظ نفس کا اطلاق ذات باری تعالیٰ پر ہوا ہے۔ مزید برآں لفظ نفس کے مفہوم میں تو کافر و مشرک بھی شامل ہیں اور صحیح احادیث میں بعض خاص قسم کے کافروں کی دیت آدمی قرار دی گئی ہے۔

خود قرآن میں اسی آیت زیر بحث میں آگے ایک مومن مقتول کا کفارہ صرف ﴿تَخْرِيرُ
رَقْبَةٍ﴾ (ایک مسلمان غلام آزاد کرنا) قرار دیا ہے۔ اس کی دیت سرے سے نہیں رکھی

صرف کفارہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَذُولَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَعَلْجِرِيزَ رَقْبَةٌ مُؤْمِنَةٌ﴾^۶

(النساء: 92)

”پھر اگر وہ مسلمان مقتول کسی ایسی قوم سے تھا جس سے تمہاری دشمنی تھی تو اس کا کفارہ ایک مسلمان غلام آزاد کرتا ہے۔“

گویا ایسا مومن قتل خطا کے نتیجے میں ہلاک ہو تو از روئے قرآن و شریعت اس کی کوئی دیت ہی نہیں ہے۔ کیا حدیث کے لفظ نفس کا عمومی اطلاق اس مقتول مومن پر نہیں ہوتا۔ یقیناً نہیں ہوتا۔ درستہ اس مقتول مومن کے لیے بھی قرآن میں دیت کا ذکر آتا جس کی مقدار حدیث نے سواتھ مقرر کی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ حدیث کے لفظ نفس میں عموم نہیں ہے بلکہ اس حدیث میں صرف مرد کی دیت بیان ہوئی ہے۔ عورت اس میں شامل نہیں ہے۔

ان مثالوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس حدیث پر دوبارہ غور کریں جس کے الفاظ یہ ہیں:

((فِي النَّفْسِ مَاةٌ مِنَ الْأَبْلِ))

”جان میں دیت کی مقدار سو (100) اونٹ ہیں۔“

مطلوب یہ ہے کہ نفس کی دیت سو (100) اونٹ ہے۔ اب اگر کوئی شخص جس طرح یہ کہہ سکتا ہے کہ اس حدیث کے لفظ نفس میں عورت بھی شامل ہے تو بالکل اسی طرح سے کوئی دوسرا شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ حدیث میں مستعمل نفس دیت میں عورت شامل نہیں ہے کیونکہ لفظ نفس صرف مرد کے لیے بھی آتا ہے اور اس میں عورت شامل نہیں ہوتی۔

لفظ نفس کے لغوی مفہوم اور اس کے استعمال کی اس بحث کا صریح نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ عربی زبان میں جہاں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہو تو اس میں حقی طور پر نہ تو عموم کا مفہوم ہوتا ہے کہ اس سے لازماً مرد اور عورت دونوں مراد پر لیے جائیں اور نہ ہی حقی طور پر صرف مرد کا خاص مفہوم لیا جاسکتا ہے۔ بلکہ نفس کا لفظ اپنے اندر دونوں احتمالات رکھتا ہے۔

الہدایت کے بارے میں مذکورہ بالا حدیث میں بھی لفظ نفس محل ہے اور تشریع کا تھاج، اس میں جس قدر احتمال اس مطلب کا ہے کہ اس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں بالکل اسی قدر احتمال اس مفہوم کا بھی ہے کہ اس سے صرف مرد ہی مراد لیا جائے۔

اب تک کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ عورت کا مسئلہ دیت پر صرف قرآن مجید میں مذکور لفظ مومن یا حدیث میں مستعمل لفظ نفس سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ ان دونوں مقامات پر ان دونوں الفاظ کے مفہوم میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں۔ ایسا سمجھنا عربیت کی رو سے بالکل غلط ہو گا۔

اب ہم صحیح حدیث کی بنیاد پر یہ استدلال کریں گے کہ عورت اور مرد کی دیت برابر نہیں ہے۔ بلکہ ان میں فرق موجود ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ:

((عقل المرأة مثل عقل الرجل حتى يبلغ الثلث من ديتها.))

(رواہ النسائی، دارقطنی و صحیح ابن خزیم)

”عورت کی دیت مرد کی دیت کے برابر ہے بشرطیکہ مقدار دیت (کل دیت کے) ایک تھائی سے زیادہ۔“

(بخاری الاتج الجامع الاصول فی احادیث رسول، مؤلف شیخ منصور علی ناصف ج 2، ص 11۔

نیز مصنف عبدالرازق، ج 79، ص 296)

اس حدیث میں جراحات یعنی اعضاء کے تلف ہونے یا زخموں کی صورت میں دیت کا بیان آیا ہے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ عورت کی دیت جراحات میں بھی صرف اسی حد تک مرد کی دیت کے برابر ہوتی ہے جب مقدار دیت کل دیت (سو اونٹ) کے ایک تھائی سے متجاوز نہ ہو۔ اگر عورت کی مقدار دیت کل دیت کے ایک تھائی سے بڑھ جائے (کل دیت کا نصف وغیرہ ہو جائے) تو پھر مرد اور عورت کی دیت میں مساوات نہیں رہے گی بلکہ دونوں کی دیت میں عدم مساوات پیدا ہو جائے گی۔

اس طرح حدیث بالا سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مرد اور عورت کی دیت جراحات میں

بھی مساوی نہیں ہے بلکہ ان میں واضح فرق پایا جاتا ہے۔ اور جب جرایحات کی دیت میں بھی مرد اور عورت کی دیت کے مابین عدم مساوات ہے تو پھر ان دونوں کی پوری دیت میں کیونکہ مساوات ہوگی؟

اب ہم امام بخاری رضی اللہ عنہ کے ایک ہم عصر محدث محمد بن القمر مروزی (متوفی 294ھ) کی کتاب "السنة" سے ایک حوالہ پیش کریں گے۔

((حدیث اسحاق (انباء) ابو اسامة عن محمد بن علقمة قال كتب عمر بن عبد العزيز في الدييات، فذكر في الكتاب وكانت دية المسلم على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم مائة من الأبل فقومها)).

"ہم سے اکٹھنے روایت کیا انہوں نے ابو اسامہ سے انہوں نے محمد بن عمرو بن علقمة سے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے دیات کے بارے میں ایک کتاب لکھی جس میں یہ تحریر تھا کہ "رسول اللہ ﷺ" کے عہد میں مسلمان مرد کی دیت سواوٹ تھے۔ پھر حضرت عمر بن خطابؓ نے شہریوں کے لیے اس مقدار کے مقابل کے طور پر ایک دینار یا بارہ ہزار درہم دیت مقرر کی اور رسول اللہ ﷺ کے عہد میں آزاد مسلمان عورت کی دیت پچاس اونٹ تھی۔ پھر حضرت عمر بن خطابؓ نے (اپنے زمانے میں) شہریوں کے لیے اس مقدار کے مقابل پانچ سو دینار یا چھوٹا ہزار درہم دیت مقرر کی۔"

واضح رہے کہ جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے اس کتاب میں امام صاحب نے صرف وہ حدیثیں شامل کی ہیں جن کو "سنۃ ثابتۃ" کا درجہ حاصل ہے۔ لہذا عورت کی دیت کے مسئلے میں رسول اللہ ﷺ کی سنۃ ثابتۃ کی دیت یہ ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدمی ہے.....!!

جو لوگ مرد اور عورت کی دیت میں مساوات کے قائل ہیں وہ اپنے موقف کی تائید کے لیے یہ صحیح حدیث بھی پیش کرتے ہیں:

((الْمُسْلِمُونَ تَكَافَأُ دَمَاءُهُمْ)).

”تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔“

مگر یہ حدیث تو مسلمانوں کے خون میں مساوات کو ظاہر کرتی ہے۔ مرد اور عورت کی دیت..... کا برابر ہوتا اس سے کہاں ثابت ہو گیا؟ پھر امت کے تمام فقہاء، محدثین اور مفسرین نے اس حدیث کو قصاص کے ضمن میں لیا ہے اور اس کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ قتل عد میں قصاص یعنی ضروری ہے۔ مقتول خواہ مرد ہو یا عورت ہو یا غلام ہو ہر صورت میں خون برابر ہے اور قاتل سے اس کا قصاص لیا جائے گا۔ حافظ ابن کثیر اس حدیث کو قصاص میں برابری کے مفہوم میں لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

((فِي كِتَابِ عُمَرٍ بْنِ حَزْمٍ: أَنَ الرَّجُلَ يُقْتَلُ بِالْمَرْءَةِ فِي الْحَدِيثِ

الْأُخْرِ: الْمُسْلِمُونَ تَنْكِافَاءُ دَمَاءَهُمْ.)) (تفیر ابن کثیر، ج 2، ص 62)

”عمر بن حزم کے مکتوب میں لکھا ہے کہ ”عورت کے قصاص میں مرد کو بھی قتل کی جائے گا۔“ حدیث میں بھی ہے کہ ”تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔“

خود صاحب مشکلۃ المصالح نے اس حدیث کو کتاب القصاص میں بیان کیا ہے اور کتاب الدیات میں اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔

آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم:

اسی مسئلہ دیت کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں حضرات کا یہ قول ملتا ہے:

((عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخْعَنِيِّ عَنْ عُمَرِ بْنِ الخطَّابِ وَ عَلَى بْنِ أَبِي طَالِبٍ
إِنَّهَا قَالًا عَقْلُ الْمَرْءَةِ عَلَى النَّصْفِ مِنْ دِيَةِ الرَّجُلِ فِي النَّفْسِ وَ
فِيمَا دُونَهَا.))

(سنن الکبری امام ترمیتی، ج 8، ص 96۔ نیز کتاب الجواز امام محمد، ج 4، ص 284)

”ابراهیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں کا یہ قول

ہے کہ عورت کے قتل نفس اور زخموں کی دیت مرد کی دیت سے آدمی ہے۔“

تفسیر غیثا پوری (تفسیر غرائب القرآن) میں اسی آیت دیت کے تحت مذکور ہے کہ:

((ان دیة المرأة نصف دیة الرجل با جماع المعتبرین من
الصحابه.))

”عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اور اس پر معتبر صحابہ کا اجماع ہے۔“

اجماع امت:

قتل خطاہ میں عورت کی دیت مرد کے مقابل میں نصف ہونے پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ اسی حقیقت کو علامہ ابن رشد اپنی کتاب ”بداية المجتهد“ میں ائمہ اربعہ کے متفقہ مسلک کے طور پر بیان فرماتے ہیں:

۱- ((اما دیة المرأة فانهم اتفقوا على النصف من دیة الرجل في
النفس فقط.)) (بداية المجتهد، ج ۲، ص 315)

”باتی رہا عورت کا معاملہ تو اس بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدمی ہے۔“

۲- التشریع البخاری میں عبدالقدار عودہ شہید لکھتے ہیں کہ عورت کی نصف دیت پر پوری امت متفق ہے۔

((ومن المستافق عليه ان دیة المرأة على النصف من دیة الرجل
في القتل.)) (التشریع البخاری، ج ۱، ص 669)

”اس امر پر امت کا اتفاق رائے ہے کہ قتل (خطاء) کی صورت میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہوگی۔“

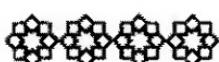
اب اگر اجماع امت بھی دین میں جلت ہے اور وہ یقیناً جلت ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی قانون میں قتل خطاء کی صورت میں عورت کی دیت مرد سے نصف ہے۔ اور اس بارے

میں غامدی صاحب کا موقف صحیح نہیں ہے۔

حاصل بحث:

حاصل بحث یہ ہے کہ قانون اسلامی میں قتل خطاہ کی صورت میں دیت کی مقدار سو اونٹ مقرر ہے، البتہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے نصف رکھی گئی ہے۔ قرآن و سنت سے اسی کی تائید ہوتی ہے اور تعامل صحابہ و ائمہ امت سے بھی یہی امر ثابت ہوتا ہے۔ لہذا غامدی صاحب کا یہ موقف غلط ہے کہ اسلام میں اس دیت کی مقدار مقرر نہیں اور یہ کہ عورت اور مرد کی دیت برابر نہیں ہے۔ عورت پیداواری عامل یا معاشی طور پر کسی کی کفیل نہیں ہوتی۔ اس لیے بالعموم اس کی ہلاکت سے خاندان یا ورثاء کو اس قدر مالی نقصان نہیں اٹھانا پڑتا جس قدر مالی نقصان ایک مرد کے مرجانے سے اٹھانا پڑتا ہے۔ اسی طرح وراثت میں بھی قرآن نے مرد کے مقابلے میں عورت کا حصہ نصف قرار دیا ہے۔ اور مالی معاملات میں بھی آدمی گواہی رکھی ہے۔

لیکن دین کے بارے میں کسی مسلمان کا یہ طرز عمل ہرگز نہیں ہو سکتا کہ جب تک اسے شریعت کے اور دنواہی کی حکمت سمجھ میں نہ آئے، یا اگر کوئی شرعی مسئلہ اس کی خواہش نفس کے خلاف ہو تو وہ اسے تسلیم نہ کرے، ایسا کرنا ایمان کے منافی اور کفر کے متراوٹ ہے۔



8۔ پردے کے بارے میں مغالطہ انگلیز یاں

- عورت کے پردے کے بارے میں جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا کوئی ایک موقف نہیں ہے بلکہ وہ وقت اور حالات کے مطابق اپنا موقف بدلتے رہتے ہیں:
- ① بھی فرماتے ہیں کہ عورت کے لیے چادر، بر قعہ، دوپٹے اور اوڑھنی کا تعلق دور نبوی کی عرب تہذیب و تمدن سے ہے اور اسلام میں ان کے بارے میں کوئی شرعی حکم موجود نہیں ہے۔
 - ② بھی ارشاد ہوتا ہے کہ سورہ الاحزاب کی آیت 59..... جس میں ازواج مطہرات، بنات نبی ﷺ اور عام مسلمان خواتین کو جلباب یعنی بڑی چادر اور اس کا کچھ حصہ چہرے پر لٹکا کر گھر سے باہر نکلنے کا حکم ہے یہ حکم ایک عارضی حکم تھا اور ایک واقعی تدبیر تھی جو مسلم خواتین کو منافقین اور یہودیوں کی طرف سے چھیڑ چھاڑ اور ایذا پہنچانے سے بچانے کے لیے اختیار کی گئی تھی۔ یہ قرآن کا کوئی مستقل حکم نہیں تھا جو بعد میں آنے والی مسلمان خواتین پر بھی لاگو ہو۔
 - ③ اور بھی کہتے ہیں کہ جباب کا تعلق صرف ازواج مطہرات کے ساتھ خاص تھا۔ اس مضمون میں ہم سب سے پہلے قرآن کی روشنی میں پردے کے احکام کی تفصیل بیان کریں گے اور آخر میں پردے کے بارے میں غامدی صاحب کے مثلوں اور متفاہ موقف پر تبصرہ کریں گے۔

قرآن مجید میں پردے کے احکام:

عورت کے پردے کے بارے میں اکثر لوگ یہ خلط بحث کرتے ہیں کہ وہ ستر اور جباب

میں فرق نہیں کرتے، جب کہ شریعت اسلامیہ میں ان دونوں کے الگ الگ احکام ہیں۔ عورت کا ستر یہ ہے کہ وہ اپنے چہرے اور دونوں ہاتھیوں کے سوا اپنا پورا جسم چھپائے گی جس کا کوئی حصہ بھی وہ اپنے شوہر کے سوا کسی اور کے سامنے کھول نہیں سکتی۔ ستر کا یہ پر دہ ان افراد سے ہے جن کو شریعت نے محرم قرار دیا ہے اور ان محرم افراد کی پوری تفصیل قرآن مجید کی سورہ نور کی آیت 31 میں موجود ہے اور ان میں عورت کا باپ، اس کا بیٹا، اس کا بھائی، اس کا بھانجہ، اور اس کا بھتیجا وغیرہ شامل ہیں۔ ان محرم افراد سے عورت کے چہرے اور اس کے ہاتھوں کا پر دہ نہیں ہے، البتہ ان کے سامنے عورت اپنے سر اور سینے کو اوڑھنی یا دوپٹہ وغیرہ سے ڈھانپنے گی۔ ستر اور زینت کے بارے میں احکام سورہ نور میں اسی طرح بیان ہوئے ہیں:

﴿ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَعْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَخْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا
يُسْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلَيُضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُمُوِّهِنَّ
وَلَا يُسْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا بِعُوَالَتِهِنَّ أَوْ أَبَانَاهِنَّ أَوْ آبَاءَ بُعْوَالَتِهِنَّ أَوْ
أَبْنَاهِنَّ أَوْ أَبْنَاءَ بُعْوَالَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانَهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانَهِنَّ أَوْ بَنِي
إِخْوَانَهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانَهِنَّ أَوْ نِسَانَهِنَّ أَوْ مَالَكَتْ أَيْمَانَهِنَّ
أَوْ الْتَّابِعِينَ غَيْرِ أُولَئِي الْأَرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الْطَّفَلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهِرُوا
عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ
زِينَتِهِنَّ وَتَوَبُّوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا إِلَيْهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفَلِّحُونَ ۝ ۵۰﴾

(النور: 27 تا 31)

”اے بی! آپ مومن عورتوں سے کہیں کہ وہ اپنی نگاہیں بچی رکھیں، اپنے ستر کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہرنہ کریں مگر جو اس میں سے خود خود ظاہر ہو جائے اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہیں۔ اور اپنی زینت کو ظاہرنہ کریں مگر اپنے شوہروں کے سامنے، یا اپنے باپ کے، یا اپنے سر کے، یا اپنے بیٹوں کے، یا اپنے شوہر کے بیٹوں کے، یا اپنے بھائیوں کے، یا اپنے بھائیوں

کے بیٹوں کے، یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے، یا اپنی عورتوں کے، یا اپنے لوگوں کی غلام کے، یا زیر دست مردوں کے جو کچھ غرض نہیں رکھتے، یا ایسے لڑکوں کے جو عورتوں کے پر دے کی باتوں سے ابھی نادا اتفاق ہوں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے پاؤں زور سے نہ ماریں کہ ان کی مخفی زیست معلوم ہو جائے اور اسے ایمان والوں تکمبل کر اللہ کی طرف رجوع کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

گھر میں محروم دلوں کے سامنے عورت کے لیے پر دے کی بھی صورت ہے۔ مگر عورت کا حجاب اس کے ستر سے بالکل مختلف ہے اور یہ وہ پر دہ ہے، جب عورت گھر سے باہر کی ضرورت کے لیے نکلتی ہے یا گھر کے اندر غیر محروم دلوں سے سامنا ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اسے بھی ”حجاب“ قرار دیا گیا ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْتَلُوْهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ﴾

(الاحزاب: 53)

”جب تم ان (از وابع مطہرات) سے کسی شے کا سوال کرو تو حجاب کے پیچھے سے کیا کرو۔“

اس صورت میں شریعت کے وہ احکام ہیں جو اپنی مردوں سے عورت کے پر دے سے متعلق ہیں۔ حجاب کے یہ احکام قرآن مجید کی سورہ احزاب کی دو آیات (54 اور 59) میں بیان ہوئے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ گھر سے باہر نکلنے وقت عورت جلباب (یعنی بڑی چادر اور ڈھنگی تاکہ اس کا پورا جسم ڈھک جائے، ایسے ہی چہرے پر بھی چادر کا ایک بلودا لے گی۔ اب وہ صرف اپنی آنکھ کھلی رکھ سکتی ہے، باقی پورا جسم چھپائے گی۔ یہ چہرے پر نقاب کا حکم ہے، اپنی مردوں سے عورت کا یہ پر دہ ہے، جسے ”حجاب“ کہا جاتا ہے۔ اردو زبان میں اسے ”گھونکھٹ نکالنا“ بھی کہتے ہیں۔ اس کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ أَرْزُوا جِلَكَ وَبَتِّلْكَ وَنِسَاءُ الْمُؤْمِنِينَ يُذْنِبْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْهِنَّ ذَلِكَ أَذْنَى أَنْ يُعَرَّفْنَ فَلَا يُؤْذِنَنَ وَكَانَ اللَّهُ

غَفُورًا رَّحِيمًا ۝

(الاحزاب: 59)

”اے نبی! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلوکالیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور انھیں کوئی نہ ستائے۔ اللہ تعالیٰ بخششے والا مہربان ہے۔“

سب سے پہلے اس آیت کے اصل الفاظ پر غور کیجیے۔ اس میں یہ دو اصطلاحات کا لفظ آیا، جس کا مصدر ادباء ہے اور عربی زبان میں اس کے معنی ”قریب کرنے“ اور ”لپیٹ لینے“ کے ہیں مگر جب اس کے ساتھ علیٰ کا صلہ آجائے تو پھر اس میں اڑخاء کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے کہ ”اوپر سے لٹکالیتا“ دوسرا ہم لفظ جلا بیہنہ ہے۔ جلا بیہنہ جمع ہے جلباب کی جس کے معنی رِداء (یعنی ”بڑی چادر“) کے ہیں اور اس کے ساتھ مِن کا حرف آیا ہے جو یہاں تعییض ہی کے لیے ہو سکتا ہے، یعنی چادر کا ایک حصہ۔ مطلب یہ ہے کہ عورتیں جب کسی ضرورت کے لیے گھر سے باہر نہیں تو اپنی بڑی چادر میں اچھی طرح اوڑھ لپیٹ لیں اور ان کا ایک حصہ یا ان کا پلو اپنے اوپر لٹکالیا کریں۔ اردو زبان میں اسی مفہوم کے لیے ہے۔ جب کسی عورت کے چہرے پر سے کپڑا سرک جائے تو اسے دوبارہ چہرے پر لکالیے کے لیے عربی زبان میں یوں کہا جائے گا۔

((أَذْنِي ثُوبَلَثْ عَلَى وَجْهِكِ))

”اپنا کپڑا اپنے چہرے پر لٹکالو۔“

اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ عورت کے لیے چہرے کے پردے اور کپڑا لٹکانے کا یہ حکم اجنبی مردوں سے متعلق ہے تو یہ مفہوم لینے کا واضح ترینہ اسی آیت کے ان الفاظ میں موجود ہے کہ ((ذِلِّكَ أَذْنِي أَنْ يُعْرَفَنَ فَلَا يُؤْذِنُ ذُرْنِي)) یعنی جب عورتیں اپنے چہرے کا پردہ کریں اور چادر اوڑھیں گی تو اجنبی لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ شریف زادیاں ہیں۔ اس طرح کسی بد پاٹن کو یہ جرأت نہ ہوگی کہ وہ ان کو چھیڑے یا استائے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح پہچانے

کی اور چھیڑنے سنانے کی صورت گھر سے باہر کے ماحول ہی میں پیش آسکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ بڑی چادر لینے کی ضرورت بھی عموماً گھر سے باہر ہو سکتی ہے، کیونکہ گھر میں اجنبی مردوں کی آمد شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔ گھر میں چونکہ اکثر محرم مردوں سے ہی سامنا ہوتا ہے، لہذا اس کے لیے عورت کے پردے کے بارے میں الگ سے حکم موجود ہے جو سورہ نور کی آیت 31 میں اس طرح آیا ہے: ﴿وَلَيُضُرُّنَّ بَعْثَرَهُنَّ عَلَىٰ جِبْرِيلَ﴾ اور عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈال لیا کریں۔ "گویا گھر کے اندر عورت کو چادر پہننے کی ضرورت نہیں، صرف اوڑھنی کافی ہو سکتی ہے، کیونکہ گھر میں اجنبی مردوں سے بہت کم سامنا ہوتا ہے اور جب وہ گھر سے باہر نکلے گی تو بڑی چادر اوڑھنے کی جس کا ایک حصہ ہپنے پھرے پر بھی ڈال لے گی۔

پرده کے سلسلہ میں تیسرا اہم آیت سورۃ الاحزاب کی آیت حباب (نمبر 53) بھی ہے جس میں یہ مسئلہ بیان ہوا کہ اگر کوئی غیر محرم شخص خواتین خانہ سے کسی چیز کا سوال کرے تو اسے حباب کے پیچھے سے یہ تقاضا کرنا چاہیے۔ اس سے یہ پتہ چلا ہے کہ جہاں سورۃ الاحزاب کی آیت 59 کی رو سے خواتین کو گھروں سے باہر جلباب یعنی اسی بڑی چادر جو سر سے انھیں ڈھانپ لے اور اس میں ان کا چہرہ بھی چھپ جائے اوڑھنے کا حکم ہے، وہاں سورۃ الاحزاب کی آیت 53 کی رو سے گھروں کے اندر بھی غیر محرم مردوں سے انھیں حباب کا اہتمام کرنا چاہیے۔ یہ احکام تو غیر محرم مردوں کے لیے ہیں، جہاں تک محرم مردوں کے سامنے تعلق ہے تو سورہ نور کی آیت زینت (27) کی رو سے عورتوں کو چند محرم مردوں کے سامنے ہی اپنی زینت دکھانے کی اجازت ہے۔

امت مسلمہ کے تمام جلیل القدر مفسرین نے سورۃ احزاب کی اس آیت 59 کا یہی مفہوم بیان کیا ہے:

1۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس کی جو تفسیر بیان فرمائی ہے، اسے حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں اس طرح نقل کیا ہے کہ:

((أَمْرَ اللَّهِ نِسَاءَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا خَرَجْنَ مِنْ بَيْوَتِهِنَّ فِي حَاجَةٍ أَنْ
يغطينَ وجوههنَّ مِنْ فَوْقِ رُؤْسَهُنَّ بِالْجَلَابِيبِ وَبِدِينِ عِيْنَاهُنَّ
وَاحِدَةٌ.))

(تفیر القرآن العظیم ج 3، ص 518، طبع پرورد)

”اللہ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی کام کے لیے گھروں سے
نکلیں تو اپنی چادروں کے پلو اوپر سے ڈال کر اپنا منہ چھپائیں اور صرف ایک
آنکھ کھلی رکھیں۔“

2۔ ابن جریر اور ابن منذر رضی روایت ہے کہ محمد بن سیرینؓ نے حضرت عبدہ سلمانی سے اس
آیت کا مطلوب پوچھا۔ (یہ حضرت عبدہ نبی ﷺ کے زمانے میں مسلمان ہو چکے تھے
مگر حاضر خدمت نہ ہو سکے تھے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ کے زمانے میں مدینہ آئے اور وہیں
کے ہو کر رہ گئے۔ انہیں فقہ اور قضا میں قاضی شریح فیض الدینؓ کے ہم پلہ مانا جاتا تھا۔)
انہوں نے جواب میں کچھ کہنے کی بجائے اپنی چادر اٹھائی اور اسے اس طرح اوڑھا کر
پورا سرا در پیشانی اور پورا منہ ڈھانک کر صرف ایک آنکھ کھلی رکھی۔

3۔ امام ابن جریر طبریؓ نے اپنی تفسیر جامع البیان (ج: 33/22) پر اسی آیت کے تحت لکھا
ہے کہ ”شریف عورتیں اپنے لباس میں لوٹدیوں سے مشابہ بن کر گھر سے نہ نکلیں کہ ان
کے چہرے اور سر کے بال کھلے ہوئے ہوں، بلکہ انہیں چاہیے کہ اپنے اوپر اپنی
چادروں کا ایک حصہ لکھا کریں تاکہ کوئی فاسق ان کو چھیڑنے کی جرأت نہ کریں۔“

4۔ امام فخر الدین رازیؓ اپنی تفسیر بکری میں اسی آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

((فَأَمْرَ اللَّهُ الْحَرَائِرَ بِالتَّجْلِبِ الْمَرَادُ يَعْرَفُ أَنَّهُنْ لَا يَرْزَنُونَ
لأنَّ مَنْ تَسْتَرَ وَجْهَهَا مَعَ أَنَّهُ لَيْسَ بَعُورَةً لَا يَطْعَمُ فِيهَا أَنَّهَا تَكْشِفُ
عُورَتَهَا فَيَعْرَفُنَّ أَنَّهُنْ مَسْتَوْرَاتٌ لَا يَمْكُنُ طَلْبُ الزِّنَا مِنْهُنَّ)).
”اللہ تعالیٰ نے آزاد عورتوں کو چادر اوڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے تقصود یہ ہے

کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ بد کار عورتیں نہیں ہیں۔ کیونکہ جو عورت اپنا چاہرہ چھپائے گی، حالانکہ چہرہ ستر میں داخل نہیں ہے، اس سے کوئی شخص یہ موقع نہیں کر سکتا کہ وہ اپنا ستر غیر کے سامنے کھولنے پر راضی ہوگی۔ اس طرح ہر شخص جان لے گا کہ یہ بارپردہ عورتیں ہیں، ان سے زنا کی امید نہیں کی جاسکتی۔“

5۔ مشہور مفسر مختصری، اسی آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:
((يَرْخِينَهَا عَلَيْهِمْ وَيُغْطِينَ بَهَا وَجْهَهُنَّ وَأَعْطَافَهُنَّ)).

(الکشاف، جلد 2، صفحہ 221)

”وہ اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصہ لٹکالیا کریں اور اس سے اپنے چہرے اور اپنے اطراف کو اچھی طرح ڈھانک لیں۔“

6۔ علامہ نظام الدین نیشاپوری اپنی تفسیر ”غواص القرآن“ میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”عورتیں اپنے چادر کا ایک حصہ لٹکالیا کریں، اس طرح عورتوں کو سر اور چہرہ ڈھانکنے کا حکم دیا گیا ہے۔“

(جلد 22، صفحہ 32)

7۔ مشہور حنفی مفسر ابو بکر جاصع اپنی تفسیر میں اسی آیت کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ:
((فِي هَذِهِ الآيَةِ دَلَالَةٌ أَنَّ الْمَرْأَةَ مَأْمُورَةٌ بِسِرْرٍ وَجْهَهَا عَنِ الْأَجْنِيَّنِ وَإِظْهَارِ السِّرْرِ وَالْعَفَافِ عِنْدَ الْخُرُوجِ لَنْلَامَةٌ يَطْمَعُ أَهْلُ الرِّيبِ فِيهِنَّ)).

”یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عورت کو اجنبیوں سے اپنا چہرہ چھپانے کا حکم ہے اور اسے گھر سے نکلتے وقت ستر اور عفت کا اظہار کرنا چاہیے تاکہ مشتبہ سیرت و کردار کے لوگ اسے دیکھ کر کسی طمع میں بتلانا ہوں۔“

(الکام القرآن، جلد 3، صفحہ 458)

8۔ علامہ عبد اللہ بن احمد بن محمود فی میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ:

((وَمَعْنَى {يُذْبِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيهِنَّ} يَرْخِيَهُنَّ عَلَيْهِنَّ وَيَغْطِيَهُنَّ بَهَا وَجْهَهُنَّ وَأَعْطَافَهُنَّ.))

(تفسیر شیعی، ج: 3، ص: 313)

”اور آیت کے الفاظ {يُذْبِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيهِنَّ} کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنے اوپر اپنی چادروں کا ایک حصہ لٹکالیا کریں اور اس طرح اپنے چہروں اور اپنے اطراف کو اچھی طرح ڈھانک لیں۔“

9۔ مفتی محمد شفیع مرحوم اپنی تفسیر ”معارف القرآن“ میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ: ”اس آیت نے بصراحت چہرہ کے چھپانے کا حکم دیا ہے۔ جس سے اس مضمون کی مکمل تائید ہو گئی جو اپر حجاب کی پہلی آیت کے ذیل میں مفصل بیان ہو چکا ہے کہ چہرہ اور تھیلیاں اگرچہ فی نفسہ ستر میں داخل نہیں، مگر یوجہ خوف فتنہ کے ان کا چھپانا بھی ضروری ہے، صرف بجوری کی صورتیں مستثنی ہیں۔“

(معارف القرآن، جلد 4، صفحہ 234)

10۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے اس آیت کے تحت اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ صرف چادر لپیٹ کے زینت چھپانے ہی کا حکم نہیں دے رہا ہے بلکہ یہ بھی فرماتا ہے کہ عورتیں چادر کا ایک حصہ اپنے اوپر سے لٹکالیا کریں۔ کوئی معقول آدی اس ارشاد کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں رکھتا کہ اس سے مقصود گھونگھٹ ڈالنا ہے تاکہ جسم و لباس کی زینت چھپنے کے ساتھ ساتھ چہرہ چھپ جائے۔“

(تفسیر القرآن، جلد 4، صفحہ 131)

11۔ مولانا مین احسن اصلاحی اپنی تفسیر ”تدبر قرآن“ میں اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ہے، مگر اصل حکم جو عام ہے اور سب کے لیے ہے، وہ یہی ہے کہ اسلام میں عورت کے چہرے کا پردہ ضروری ہے۔ شریعت اسلامیہ نے اسی کا حکم دیا ہے۔

پردے کے بارے میں غامدی صاحب کا موقف اور اس پر ہمارا تبصرہ:

عورت کے پردے کے بارے میں جناب جاوید غامدی صاحب کا موقف "ارقا پندری" کا شکار رہتا ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ حالات کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔

اس کی مثالیں درج ذیل ہیں:

1۔ دوپٹے سے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"اصل میں ضرورت اس بات کی ہے کہ خواتین کو اس بات کا احساس دلا جائے کہ ان کی تہذیب و ثقافت کیا ہے اور انھیں کن حدود کا پابند رہ کر زندگی بسر کرنی چاہیے۔ دوپٹہ ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے، اس بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ دوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے، اس کا کوئی جواز نہیں۔ البتہ اسے ایک تہذیبی شعار کے طور پر ضرور پیش کرنا چاہیے۔ اصل چیز سینہ ڈھانپنا اور زیب وزیست کی نمائش نہ کرنا ہے۔ یہ مقصد کسی اور ذریعے سے حاصل ہو جائے تو کافی ہے، اس کے لیے دوپٹہ ہی ضروری نہیں ہے۔"

(امہنا اشراق، ہجی 2002ء، صفحہ 47)

اس سے معلوم ہوا کہ غامدی صاحب کے نزدیک مسلمان عورت کے لیے دوپٹہ یا اوڑھنی کا استعمال کوئی شرعی حکم نہیں ہے، بلکہ ایک تہذیبی شعار اور رسم درواج ہے، جبکہ دوسری طرف قرآن مجید کی نص قطعی اور واضح حکم ہے کہ

﴿وَلَيُضْرِبُنَّ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جَيْوِيهِنَّ﴾

(النور: 27)

"اور چاہیے کہ عورتیں اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیاں (دوپٹے) ڈالے رہیں۔"

غالباً غامدی صاحب کے ہاں قرآن سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا ہوگا۔

2۔ مارچ 2007ء میں ”جو“ اُٹی وی کے پروگرام ”غامدی نامہ“ میں اسلام اور پرده کے موضوع پر ایک مذاکرہ ہوا۔ اس مذاکرے کے شرکاء میں غامدی صاحب اور تمی خواتین: سمیعہ راحیل قاضی، مونا اسلم اور ایک دانشور غزالہ ثنا شال محسین۔ اس مذاکرے میں غامدی صاحب نے پردوے کے بارے میں یہ موقف اختیار کیا کہ:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ فُلِّ أَرْوَاجِلَتْ وَنَسَّلَتْ وَنِسَاءُ الْمُؤْمِنِينَ يُدَنِّيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْهِنَّ ذَلِكَ أَذْنَى أَنْ يُعْرَفَنَ فَلَا يُؤْذِنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴾ (الاحزاب: 59)

(الاحزاب: 59)

”اے نبی! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیں کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلوٹ کالایا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پھجان لی جائیں اور انہیں کوئی نہ ستائے اور اللہ بنخشنے والا مہربان ہے۔“

اس فرمانِ الہی میں موجود شرعی حکم ایک عارضی اور ہنگامی حکم تھا اور منافقین اور یہود کی طرف سے مسلم خواتین کو چھیڑ چھاڑ اور ایذا ارسانی سے بچانے کی ایک وقتی تدبیر تھی۔ اس آیت کا عورت کے پردوے سے کوئی تعلق نہیں ہے اور آج یہ حکم باقی نہیں ہے۔ (اس مذاکرے کی سی ڈی ”اسلام میں پرده“ کے عنوان سے موجود ہے۔)

یاد رہے کہ غامدی صاحب اس سے پہلے مرتد کے لیے قتل کی سزا، کافر اور مسلمان کی وراثت اور کفار سے جہاد وغیرہ کو بھی وقتی اور ہنگامی احکام کے شرعی احکام کو تسلیم نہیں کرتے۔ اس طرح شریعت کے پیشتر احکام غامدی صاحب کی اس ایک ہی ”لاہی“ اور ”البیسی فارمولے“ کی زد میں آ کر ختم ہو جاتے ہیں۔ اللہ اللہ خیر سلا!!

لیکن ہم اُن کو ان کے استاد مولانا امین احسن اصلاحی کا اس بارے میں موقف پیش کیے دیتے ہیں۔ وہ سورہ احزاب کی آیت 59 کی تفسیر کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:

”اس نکڑے ﴿ ذَلِكَ أَذْنَى أَنْ يُعْرَفَنَ قَلَا يُؤْذِنَ ﴾ سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ

ہو کر یہ ایک وقتی تدبیر تھی جو اشرار کے شر سے مسلمان خواتین کو محفوظ رکھنے کے لیے اختیار کی گئی اور اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اول تو احکام جتنے بھی نازل ہوئے ہیں، سب حرکات کے تحت ہی نازل ہوئے ہیں لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ حرکات نہ ہوں تو وہ احکام کا عدم ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ جن حالات میں یہ حکم دیا گیا تھا، کیا کوئی ذمی ہوش یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس زمانے میں حالات کل کی نسبت ہزار درجہ زیادہ خراب ہیں، البتہ حیا اور عرفت کے وہ تصورات معدوم ہو گئے جن کی تعلیم قرآن نے دی تھی۔“

(تدبر قرآن، جلد 6، صفحہ 270)

نیز اسی آیت (الاحزاب: 59) کی تفسیر میں وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

”قرآن نے اس جلباب (چادر) سے متعلق یہ ہدایت فرمائی کہ مسلمان خواتین گھروں سے باہر نکلیں تو اس کا کچھ حصہ اپنے اوپر نکالا کریں تاکہ چہرہ بھی فی الجملہ ڈھک جائے اور انھیں چلنے پھرنے میں بھی زحمت پیش نہ آئے۔ یہی ”جلباب“ ہے جو ہمارے دیہاتوں کی شریف بڑی بوڑھیوں میں اب بھی رائج ہے اور اسی نے فشن کی ترقی سے اب برقد کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اس برقد کو اس زمانہ کے دل دادگان اگر تہذیب کے خلاف قرار دیتے ہیں تو دیں لیکن قرآن مجید میں اس کا حکم نہایت واضح الفاظ میں موجود ہے، جس کا انکار صرف وہی برخود لوگ کر سکتے ہیں جو خدا اور رسول سے زیادہ مہذب ہونے کے مدعا ہوں۔“

(تدبر قرآن، جلد 6، صفحہ 269)

غامدی صاحب کے نزدیک امت مسلمہ کے تمام علماء کے کرام تو ”خاک“ کے مرتبہ میں ہیں اور پوری امت میں سے صرف ان کے مددوچ دو ”علماء“ ہیں جن کو وہ ”آسمان“ کا درجہ دیتے ہیں۔ چنانچہ غامدی صاحب اپنی کتاب ”مقامات“ میں لکھتے ہیں کہ:

”میں نے بھی بہت عالم دیکھے، بہتوں کو پڑھا اور بہتوں کو سنا ہے، لیکن امیں احسن اور ان کے استاد حمید الدین فراہی کا معاملہ وہی ہے کہ

غالب نکتہ وال سے یا نسبت
خاک کو آسمان سے کیا نسبت

(مقامات، صفحہ 57، 58، مطبوعہ دسمبر 2001ء، لاہور)

لیکن عورت کے چہرے کے پردے کے بارے میں جاوید احمد غامدی صاحب کا موقف نہ صرف قرآن مجید اور اجماع امت کے خلاف ہے، بلکہ ان کے اپنے استاد کے موقف کے بھی خلاف ہے۔



تیسرا باب

فقہیات

1۔ کفار کے خلاف جہاد و قتال کا انکار

عامدی صاحب کافروں کے خلاف جہاد و قتال کے شرعی فریضے کے بھی مفسر ہیں۔ ان کے خیال میں نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام نے جو جہاد و قتال کیا تھا اس کا تعلق شریعت سے نہیں تھا۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ کفار کے خلاف جہاد و قتال کرنے اور ان کو ذمی بنانے کا حکم عهد نبوی اور عہد صحابہ کے بعد اب ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی کتاب ”میزان“ میں لکھتے ہیں کہ:

”آنہیں (نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کو) قتال کا جو حکم دیا گیا، اس کا تعلق شریعت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانون انتامِ جحث سے ہے۔“

(میزان، ص 264، ٹیچ دم اپریل 2002ء)

اس کے بعد وہ مزید لکھتے ہیں کہ:

”یہ بالکل قطعی ہے کہ مفسرین حق (کافروں) کے خلاف جنگ اور اس کے نتیجے میں مفتوجین پر جزویہ عائد کر کے انہیں حکوم اور زیر دست بنا کر رکھنے کا حق اب ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔“

(میزان، ص 270، ٹیچ دم اپریل 2002ء)

اس سے معلوم ہوا کہ عامدی صاحب کے نزدیک نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام ﷺ نے کفار کے خلاف جو جہاد و قتال کیا وہ نعوذ باللہ ایک غیر شرعی اقدام تھا۔ اُنَّا إِلَهُ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

اسی طرح غامدی صاحب کی رائے میں مسلمانوں کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ کفار کے خلاف جہاد کریں اور فاتح ہو کر ان کو ذمی بنائیں۔ پھر اگر جہاد ہی جائز نہیں رہا تو مالی غنیمت کیسے جائز رہے گا؟ وہ بھی تو غامدی صاحب کی شریعت میں حرام قرار پائے گا۔

العياذ بالله

امت مسلمہ میں سے آج تک کسی نے جہاد و قتال کے حکم اور فریضے کا بھی انکار نہیں کیا۔ البتہ بہوت کے ایک جھوٹے مدعا مرزا غلام احمد قادریانی (ملعون) نے جو اپنے آپ کو انگریز کا خود کا شستہ پودا کہتا تھا، انگریزوں کی خوشنودی کی خاطر جہاد کو حرام قرار دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے آج غامدی صاحب امریکہ، یورپی یونین، اسرائیل اور بھارت کی رضا حاصل کرنے کے لیے جہاد و قتال کے فریضے کا انکار کر رہے ہیں اور اسے حرام قرار دے رہے ہیں۔

دیکھئے کس قدر کتنی مشابہت پائی جاتی ہے مرزا صاحب اور غامدی صاحب کے درمیان کہ دونوں ہی بیک زبان جہاد کو حرام کہہ رہے ہیں۔

اب ہم جہاد و قتال کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں تفصیلات بیان کریں گے۔

اسلام اور جہاد و قتال

تمہید:

”جہاد“ کے لفظی معنی ”اپنائی کوشش اور جدوجہد کرنے“ کے ہیں۔ اسلامی اصطلاح میں جہاد اُس بھرپور جدوجہد کو کہا جاتا ہے جو اللہ کی راہ میں اُس کے دین کی سر بلندی کے لیے کی جائے۔

اسلام اُن اور سلامتی کا دین ہے۔ وہ پوری انسانیت کے لیے اُن وسکون کا پیغام ہے۔ لیکن وہ ظلم و جبر کے خلاف جہاد کا حکم دیتا ہے۔

جہاد کی کئی قسمیں ہیں:

جہاد بالمال، جہاد بالعلم، جہاد بالسان، جہاد بالنفس اور جہاد بالسیف وغیرہ۔

جہاد بالمال یہ ہے کہ کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور دین کی سر بلندی کے لیے اپنا مال خرچ کرے۔

جہاد بالقلم یہ ہے کہ تحریر کے ذریعے دین کے غلبے کی کوشش کی جائے۔

جہاد بالسان یہ ہے کہ زبان کے ذریعے اعلاء کلمۃ اللہ اور دعوت دین کا کام کیا جائے۔

جہاد بالنفس یہ ہے کہ نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد کیا جائے۔ اور ان پر قابو پاتے ہوئے نفس کو اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت پر لگایا جائے۔

جہاد بالسیف یہ ہے کہ توار وغیرہ اسلحے کے ذریعے باطل اور کفر کی طاقتلوں کے خلاف جہاد کیا جائے۔ اس جہاد کو قتال بھی کہتے ہیں۔ یہ دفاعی بھی ہوتا ہے اور جارحانہ بھی۔

یاد رہے کہ اردو زبان میں جہاد کا لفظ جہاد کی تمام اقسام کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور صرف قتال کے معنوں میں بھی جہاد کا لفظ بولا جاتا ہے۔

جہاد و قتال اسلام میں ایک اہم اور مقدس فریضہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ اہل اسلام کے لیے شوکت و وقار کا ذریعہ ہے اور اس کو چھوڑنے میں ذلت و نامراودی ہے۔ یہ عام حالات میں فرض کفایہ ہے مگر نفیر عام (خاص حالات) میں فرض عین بن جاتا ہے۔ جیسے نماز کا حکم ہے۔ جہاد کے بارے میں فقہائے اسلام کی رائے یہ ہے کہ:

((هو (الجهاد) فريضة محكمة وامرًا ماضياً إلى يوم القيمة))

(الفقه الاسلامی سعی اولیہ از دکتور وحید زحلی جلد 6 ص 416)

”جہاد حکم فریضہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔“

قرآن و حدیث میں جہاد و قتال کی فرضیت اور اس کے بارے میں تفصیلی فضائل اور احکامات موجود ہیں۔ اس حوالے سے ہم سب سے پہلے قرآنی آیات درج کریں گے اور ان کے بعد احادیث بیان کی جائیں گی۔

۱۔ قرآن اور جہاد و قتال:

قرآن مجید کفار کے خلاف جہاد و قتال کا حکم دیتا ہے۔ قرآن میں جہاد فی سعیل اللہ کا

ذکر 26 مقامات پر آیا ہے اور قول کا تذکرہ 79 جگہ پر ہے۔

1- ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ ط﴾

(البقرة: 216)

”(اے مسلمانو!) تم پر قتال (جہاد) فرض کیا گیا ہے۔“

2- ﴿ وَقَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّهَ سَمِيعٌ عَلَيْهِمْ ۝ ۰﴾

(البقرة: 244)

”اور (اے مسلمانو!) اللہ کی راہ میں لڑو اور یقین رکھو کہ اللہ سننے والا اور جانے والا ہے۔“

3- ﴿ قَاتَلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحِرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدِهِمْ ضَغْرِيفُونَ ۝ ۰﴾

(التوبہ: 29)

”(اے مسلمانو!) تم لڑاؤں اہل کتاب سے جونہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ان آخر کے دن پر۔ جوان چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے، جنہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے اور نہ وہ سچے دین کو مانتے ہیں، یہاں تک کہ وہ مغلوب ہو کر خود اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔“

4- ﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالْبَسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقُرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْنَا مِنْ لَدُنْكُكَ وَلِيْكَ وَاجْعَلْنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۝ ۰﴾

(النساء: 75)

”او تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم جہاد و قول نہیں کرتے، اللہ کی راہ میں۔ اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر جو اللہ کے آگے فریاد کرتے ہیں کہ اے

ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس میں خالموں کا راج ہے۔ ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حماقی پیدا کر دے اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار کھڑا کر دے۔“

5۔ ﴿فَإِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا فَضْرُبُهُ الرِّقَابُ ط﴾

(محمد:4)

”پھر جب (اے مسلمانو!) کافروں سے تمہارا مقابلہ ہوتا ان کی گرد نہیں مارو۔“

6۔ ﴿وَقَاتَلُوا فِيْ سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُونَكُمْ ط﴾

(البقرة:190)

”اور (اے مسلمانو!) تم اللہ کے راستے میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔“

7۔ ﴿وَقَاتَلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَةً ط وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾

(التوبہ:36)

”اور (اے مسلمانو!) تم سب مل کر مشرکین سے جنگ کرو، جیسے وہ سب مل کر تم سے جنگ کرتے ہیں۔“

8۔ ﴿يَا ايُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا قاتَلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِنَ الْكُفَارِ وَلَيَجِدُوا فِيْكُمْ غِلْظَةً ط﴾

(التوبہ:123)

”اے ایمان والو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس ہیں اور چاہیے کہ وہ تمہارے اندر نہیں پائیں۔“

9۔ ﴿إِنْفِرُوا بِحَفَافًا وَنَقَالًا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفَسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ذِلِّكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝﴾

(التوبہ:41)

”(اے مسلمانو! تم نکلو، خواہ ہلکے ہو یا بوجل اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔“

10- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ إِذَا فِي الْأَرْضِ أَرْضِيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَنَعَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌۚ إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبُكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيُسْتَبدِلُ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَنْضُرُوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌۚ﴾

(التوبہ:38-39)

”اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلو تو تم زمین سے چپک جاتے ہو؟ کیا تم آخرت کے معاملے میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے 29 خرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کا سامان بہت تھوڑا ہے۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں دردناک سزا دے گا اور تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا اور تم اللہ کا کچھ نہیں بجا رکسو گے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

11- ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونُنَّ فِتْنَةً وَيُنَكِّوُنَ الظَّبَابَنَ كُلُّهُمْ لِلَّهِ طَلاقٌ﴾

(الانفال:39)

”اور تم کافروں سے لڑو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ کے لیے ہو جائے۔“

12- ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ طَلاقٌ﴾

(الانفال:65)

”اے نبی! امومنیں کو جہاد کا شوق دلانیں۔“

13- ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنْفِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ طَلاقٌ﴾

(التوبہ:73)

”اے نبی! کافروں اور مناقوں کے خلاف جہاد کریں اور ان پر سختی کریں۔“

14- ﴿ وَإِنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝ ﴾

(آل عمران: 139)

”اور تمہی سر بلند اور غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔“

15- ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا حَذُّوْا بِحَذْرَكُمْ فَإِنْفِرُوا أَثْيَابَكُمْ أَوْ اِنْفِرُوا جَمِيعًا ۝ ﴾

(النساء: 71)

”اے ایمان والو! اپنے وقایع کی تیاری کرو۔ پھر دستے بنا کر یا اکٹھے مل کر جہاد کے لیے نکلا کرو۔“

16- ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرُكُمْ وَيُبَشِّرُ أَقْدَامَكُمْ ۝ ﴾

(محمد: 7)

”اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا۔ اور تمہارے قدم جمادے گا۔“

17- ﴿ فَرَحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعِدِهِمْ خَلَفَ رَسُولَ اللَّهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَاتَلُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرَّ طَقْلَ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۝ ﴾

(التوبہ: 81)

”یچھے رہ جانے منافقین اللہ کے رسول ﷺ سے یچھے رہنے پر بہت خوش ہوئے اور انہیں گراں گز را کہ وہ اپنے ماں اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ انہوں نے لوگوں سے کہا: ”گری میں نہ نکلو۔“ آپ ان سے کہیں: ”دوڑخ کی آگ اس سے زیادہ گرم ہے۔“ کاش! انہیں سمجھ ہوتی۔“

18- ﴿ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفَّا كَانُوكُمْ بُيَانٌ ۝ ﴾

مُرْصُوصٌ ۝

(الصف: 4)

”بے شک اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں گویا سیسے پلائی ہوئی دیوار ہیں۔“

19- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيْتُمْ فِتْنَةً فَابْتُوْا وَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝﴾

(الانفال: 45)

”اے ایمان والو! جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو، تاکہ تم فلاج پاؤ۔“

20- ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَأْمُوْلُهُمْ وَأَنفُسُهُمْ
أَعْظَمُ ذَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ طَوَّا وَلِئِنَّكَ هُمُ الْفَانِزُونَ ۝ يَسِيرُهُمْ زَيْلُهُمْ
بِرَحْمَةِ رَبِّهِمْ وَرِضْوَانَ وَجَنَّتِ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُقِيمٌ ۝ خَلِيلُهُمْ فِيهَا
أَبَدًا طَإِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝﴾

(الغوبۃ: 20)

”جو لوگ ایمان لائے، انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں اپنے جان و مال سے جہاد کیا، ان کا درجہ اللہ کے ہاں بہت بڑا ہے اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔ ان کا رب ان کو خوش خبری دیتا ہے، اپنی رحمت اور خوشنودی کی اور ایسے باغوں کی جن میں ان کے لیے دائیٰ نعمتیں ہوں گی۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔
بے شک اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔“

21- ﴿وَمَنْ يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلُ أَوْ يَغْلِبُ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا
عَظِيمًا ۝﴾

(الغوبۃ: 74)

”اور جو اللہ کی راہ میں جہاد و قتال کرے، پھر شہید ہو جائے یا غازی ہو، تو ہم اُسے بڑا جردیں گے۔“

22- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَذْلَّ كُمْ عَلَى تِجَارَةٍ تُنْجِيُكُمْ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ۝ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِآمَنَّا إِلَيْكُمْ وَأَنَّفَسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۝ يَعْفُرُ لَكُمْ ذُنُوبُكُمْ وَيُدْخِلُكُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ۝ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّتٍ عَدْنٍ۝ طَذْلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ۝ وَآخَرِي تُجْزَوْنَهَا نَصْرًا مِنَ اللَّهِ وَفَتْحًا قَرِيبًا وَبَشِيرًا لِلْمُؤْمِنِينَ۝﴾

(الصف: 10 تا 13)

”اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسی تجارت تباہیں جو تمہیں ایک دردناک عذاب سے بچائے۔ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھو اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانو۔ پھر اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا، تمہیں ایسے باغوں میں داخل کرے گا، جن میں نہیں بہتی ہوں گی اور ہمیشہ رہنے والے باغوں میں تمہیں عمدہ گھر عطا کرے گا۔ یہ ہے بڑی کامیابی! اور ایک اور چیز جس کی تم تمنا رکھتے ہو، وہ ہے اللہ کی مدد اور جلد حاصل ہونے والی فتح۔ اور (اے نبی!) آپ ایمان والوں کو خوش خبری دے دیں۔“

23- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا أَرْجِعُوهُمُ الْأَذْبَارَ۝ وَمَنْ يُؤْتِهِمْ يُؤْمِنَدُ بُرْهَةً إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِلتِّقَالِ أَوْ مُتَحَيَّزًا إِلَى فِيَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ۝ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ۝﴾

(الانفال: 15-16)

”اے ایمان والو! جب تمہارا مقابلہ کافروں کے لشکر سے ہو تو پیچھے نہ دکھاؤ اور

جس نے ایسے موقع پر پیٹھ دکھائی تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہوگا۔ اس کا تھکانا
تھم ہے اور وہ بہت ہی برا تھکانا ہے۔ البتہ اگر پچھے ہٹا جنگلی چال کے لیے ہو یا
اپنے دوسروں سے لشکر سے جانے کے لیے ہو تو اس کی اجازت ہے۔“

24۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ اَشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ طَيْقَاتٌ لُّونٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتَلُونَ وَيُقْتَلُونَ قَدْ﴾
(التوبہ: 111)

”بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کے جان و مال خرید لیے ہیں کہ وہ انہیں ان
کے بد لے میں جنت دے گا، وہ اللہ کی راہ میں دوسروں کو ہلاک کرتے ہیں اور
خود بھی شہید ہوتے ہیں۔“

25۔ ﴿قُلْ إِنَّ كَانَ أَبَاوْكُمْ وَأَبْنَاؤَكُمْ وَأَخْوَانَكُمْ وَأَزْوَاجَكُمْ وَ
عَشِيرَاتَكُمْ وَأَمْوَالَ ۖ إِنْ قَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةً تَخْشُونَ كَسَادَهَا
وَمَسْكِنَ تَرْضُونَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجَهَادٍ فِي سَبِيلِهِ
فَتَرَبَصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۖ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَسِيقِينَ ۝﴾
(التوبہ: 24)

”کہہ دیجیے، اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں،
تمہارا خاندان، تمہارا وہ مال جو تم نے کیا، تمہارا وہ کاروبار جس کے مندا ہونے
کا تمہیں اندیشہ ہے اور تمہارے رہنے کے گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو، (یہ ساری
چیزیں تمہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے
زیادہ محظوظ ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیج دے۔ اور اللہ نافرمان
لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

درج بالا قرآنی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں جہاد و قتال کی بڑی اہمیت ہے۔
ایک اندازے کے مطابق قرآن مجید میں تین پاروں کے جنم کے برابر ایسی آیات موجود ہیں

جن کا تعلق جہاد و قتال سے ہے۔

جہاد قرآن کی رو سے فرض ہے۔ یہ دفاعی بھی ہوتا ہے اور جارحانہ بھی۔ جہاد اللہ کی راہ میں ان کافروں کے خلاف کیا جاتا ہے جو مسلمانوں کے ملک پر حملہ کریں یا اسلام کے لیے خطرہ بن جائیں۔ یا اسلام کی راہ میں اپنے کفر و شرک اور ظلم و تسم کی وجہ سے رکاوٹ بیٹیں۔ غیر مسلموں کے کافرانہ اور ظالمانہ اقتدار کا خاتمہ کر کے ان کو ذمی بنانا بھی اس کا ایک حصہ ہے۔ پہلے قریب کے کفار سے نپنا جائے گا، پھر دزروں والوں سے۔ یہ جہاد و قتال اُس وقت تک جاری رہے گا، جب تک دنیا میں کفر و شرک کے غلبے کا فتحہ باقی ہے۔ اگر مسلمان جہاد نہیں کریں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کے قبر و غضب کے سختی ہوں گے۔ جہاد ہر حال میں کیا جائے گا۔ خواہ وسائل کم ہوں یا زیادہ۔ اقدامی جہاد کے لیے چند شرائط ہیں، مگر مدافعانہ جہاد کے لیے کوئی شرط نہیں۔ وہ مجاہدین اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں جو اُس کی راہ میں صرف باندھ کر اس طرح لڑنے ہیں گویا وہ سیسے پلاٹی ہوئی دیوار ہیں۔ مسلمانوں کو جہاد کا شوق دلایا گیا ہے۔ وہ اپنا تحفظ اور دفاع بھی کریں گے اور میدانِ جنگ میں اللہ کا ذکر کرتے ہوئے ثابت قدمی بھی دکھائیں گے۔ اللہ سبحانہ کا وعدہ ہے کہ وہ پچ مسلمانوں کو ہمیشہ فتح و کامرانی عطا فرمائے گا۔ جہاد سے جی چرانا منافت کی علامت ہے۔ جو مجاہد فتح پائے وہ غازی ہے اور جو مارا جائے وہ شہید ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے دونوں سے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔

2- احادیث اور جہاد و قتال:

نبی ﷺ نے 27 غزوات میں حصہ لے کر جہاد کیا۔ 56 سرا یا سمجھے۔ ذیل میں جہاد سے متعلق احادیث پیش کی جاتی ہیں:

1- ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه; قَالَ: سَيِّلَ رَسُولُ اللَّهِ صلوات الله عليه وآله وسالم: أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: إِيمَانٌ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ، قِيلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: "الْجِهَادُ فِي نَّعِيْلِ اللَّهِ". قِيلَ ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: "حَجَّ مَبْرُورٍ".))

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سائل افضل ہے؟ فرمایا: اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ پوچھا گیا: اس کے بعد کون سائل افضل ہے؟ فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ۔ پوچھا گیا: اس کے بعد؟ فرمایا: مقبول حجّ۔“

2- ((عَنْ أَبِي ذِئْنَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَيُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: إِيمَانٌ بِاللَّهِ وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِهِ.....))

(بخاری وسلم)

”حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے پوچھا: کون سائل افضل ہے؟ فرمایا: اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔“

3- ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَائِمِ بِأَيَاتِ اللَّهِ، لَا يَفْتَرُ مِنْ صِيَامٍ وَلَا أَصْلَوةٍ حَتَّى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔))

(بخاری وسلم)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے مجاہد کی مثال ایسے شخص کی ہے جو روزے رکھتا ہو، قیام کرتا ہو، قرآن کی حلاوت کرتا ہو، روزے اور (نفل) نماز میں کوتا ہی نہ کرتا ہو، یہاں تک کہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والا مجاہد والہں لوٹ آئے۔“

4- ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّدَبَ اللَّهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِهِ لَا يَكُونُ حِجَةً إِلَّا إِيمَانٌ بِهِ وَتَصْدِيقٌ بِرُسُلِيْ، أَنْ أَرْجِعَهُ بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَيْرِهِ، أَوْ أُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ۔))

(بخاری وسلم)

”حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خانست دی ہے کہ اُس کے راستے میں جو شخص جہاد کرے گا، اُبے صرف مجھ پر اور بغیروں پر ایمان کا جذبہ گھر سے نکالے گا، تو میں ایسے شخص کو ثواب یا مالی تقدیمت کے ساتھ واپس لاوں گا، یا اُسے جنت میں داخل کروں گا۔“

5- ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رض قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : وَالَّذِي نَفِيَ بِيَدِهِ لَوْلَا أَنَّ رِجَالًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ لَا تَطِيبُ أَنفُسُهُمْ أَن يَشْخَالُفُوا عَنِّي، وَلَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ، مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيرَةِ تَغْرُرُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ. وَالَّذِي نَفِيَ بِيَدِهِ، لَوْدُدْتُ أَنْ أُقْتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، ثُمَّ أُخْبَى، ثُمَّ أُقْتُلُ، ثُمَّ أُخْبَى، ثُمَّ أُقْتُلُ، ثُمَّ أُقْتُلُ.))

(بخاری وسلم)

”حضرت ابو ہریرہ رض روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ کچھ مسلمان ایسے ہیں جو مجھ سے پیچھے رہنا پسند نہیں کرتے (گر) میں ان کے لیے سواری کا انتظام نہیں کر سکتا..... تو میں کبھی کسی ایسے لشکر سے پیچھے نہ رہوں جو اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے لکھتا ہے۔ اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید ہوں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید ہوں، پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید ہوں۔“

6- ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رض، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَمْ يُحَدِّثْ بِهِ نَفْسَهُ، مَاتَ عَلَى شُعْبَةِ مِنْ نِفَاقٍ.))

(بخاری مسلم)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس حال میں مرا کر اس نے نہ جہاد کیا اور نہ اس کے دل میں جہاد کا شوق اُبھرا تو وہ منافقت کے ایک حصے پر مرا۔“

7۔ ((عَنْ أَبِي أَمَامَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ لَمْ يَغْرُرْ، وَلَمْ يُجَهِّزْ غَازِيًّا، أَوْ يَخْلُفْ غَازِيًّا فِي أَهْلِهِ بِخَيْرٍ، أَصَابَةُ اللَّهِ بِقَارِعَةٍ فَقِيلَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ.))

(سنابی وادور)

”حضرت ابو امامہ بنی شیعہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے نہ خود جہاد کیا، نہ کسی مجاہد کو جہاد کا سامان فراہم کیا اور نہ کسی مجاہد کے پیچھے اس کے گھر والوں کی بھلائی کے ساتھ دیکھے بھال کی، تو اُسے اللہ تعالیٰ قیامت سے پہلے کسی مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔“

8۔ ((عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِي سَيْلِ اللَّهِ، خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا عَلَيْهَا.))

(بخاری و مسلم)

”سهل بن سعد بنی شیعہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں ایک دن سرحدوں پر پھرہ دینا، دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے اس سے بہتر ہے۔“

9۔ ((عَنْ أَنْسِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَعْدَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ رُوحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا."))

(بخاری و مسلم)

”حضرت انس بنی شیعہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے

راتستے میں ایک صحیح جانا اور ایک شام جانا، دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، اُس سے بہتر ہے۔“

10 - ((عَنْ سُلَيْمَانَ الْفَارِسِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: رِبَاطُ يَوْمٍ وَلَيْلَةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ، خَيْرٌ مِنْ صِيَامِ شَهْرٍ وَقِيَامِهِ، وَإِنْ مَاتَ جَرَى عَلَيْهِ عَمَلُهُ الَّذِي كَانَ يَعْمَلُهُ وَأَجْرُهُ عَلَيْهِ رِزْقُهُ، وَأَمِنَ الْفَتَانِ.))

(صحیح مسلم)

”حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ؛ اللہ کے راستے میں ایک دن اور ایک رات سرحدوں پر پھرہ دینا ایک مہینے کے روزوں اور اس (کی راتوں) کے قیام سے بہتر ہے۔ اگر وہ شخص اسی حالت میں فوت ہو جائے تو جو عمل وہ کرتا تھا، وہ برابر جاری رہے گا اور وہ قبر کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔“

11 - ((عَنْ أَبِي عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا أَغْبَرَتْ قَدَّمَأَغْبَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَتَمَسَّهُ النَّارُ.))

(صحیح بخاری)

”حضرت ابو عبس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آ لود ہوئے اُس پر دوزخ کی آگ حرام ہو گئی۔“

12 - ((عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَمَنْ قَاتَهَا فَقَدْ عَصَمَ مِنْيَ مَا لَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِيقَهِ وَخِسَابَهُ عَلَى اللَّهِ.))

(بخاری و مسلم)

”حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں، جب تک وہ لا الہ الا اللہ کے قائل نہ ہو جائیں۔ پھر جو اس کا قائل ہو گیا تو اس نے اپنا مال اور اپنی جان کو مجھے سے بچالیا، سوائے اُس کے حق کے اور اُس کا حساب اللہ کے پرداز ہے۔“

((نوت: بعض حالات میں صلح بھی ہو سکتی ہے اور جزیہ لے کر بھی ذمیوں کے خلاف جہاد نہیں کیا جائے گا۔))

13 - ((عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ حَمَرَ عَازِيَّا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَقَدْ غَزاً، وَمَنْ خَلَفَ عَازِيَّا فِي أَهْلِهِ فَقَدْ غَزاً.))

(بخاری و مسلم)

”حضرت زید بن خالدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کو ساز و سامان مہیا کیا، اُس نے بھی جہاد کیا۔ اور جس نے کسی مجاہد کے اہل و عیال کی دیکھ بھال کی اُس نے بھی جہاد میں حصہ لیا۔“

14 - ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَيْنَانِ لَا تَمْسُهُمَا النَّارُ : عَيْنَ بَكْثَرٍ فِي خَشْيَةِ اللَّهِ وَعَيْنَ بَاتِثٍ تَحْرُسُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ.))

(ترمذی)

”حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو آنکھوں کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔ ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی۔ دوسری وہ آنکھ جو اللہ کے راستے میں رات بھر پھرہ دیتی رہی۔“

15 - ((عَنْ أَبِي مُؤْنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ:

الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمُغْنِمِ، وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلَّذِكْرِ، وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ
لِيُزِي مَكَانَهُ، فَمَنْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟ قَالَ: مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ
هِيَ الْعَلِيَا، فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔))

(بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی)

”حضرت ابو موسیٰ اشعریؑ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے پوچھا: ایک شخص مال غیرمت کے لیے لڑتا ہے، ایک شہرت حاصل کرنے کے لیے لڑتا ہے اور ایک اس لیے لڑتا ہے کہ اس کی بہادری کی نمائش ہوتی ان میں سے کوئی اللہ کے راستے میں لڑتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس لیے جہاد کرتا ہے کہ اللہ کا حکم بلند ہو، صرف وہی اللہ کے راستے میں جہاد کر رہا ہے۔“

16 - ((عَنْ مُعاذِ بْنِ جَبَلٍ حَفَظَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ يَقُولُ: مَنْ قَاتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَوَاقَ نَافِعَهُ، فَقَدْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَاحُ، وَمَنْ حَرَجَ بِحُرْخًا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَوْ نُكِبَ تُكَبَّهُ..... فَإِنَّهَا تَجِيءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَاغْزِرٍ مَا كَانَتْ، لَوْنُهَا الزَّعْفَرَانُ، وَرِيحُهَا الْمِسْلَكُ. وَمَنْ حَرَجَ بِهِ حُرَاجٌ..... فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَإِنَّ عَلَيْهِ طَابَ الشَّهَادَهُ۔))

(ترمذی، ابو داؤد، نسائی)

”حضرت معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: جس کسی نے اللہ کے راستے میں اونٹی کا دودھ دوئے کے وقت کے برابر جہاد کیا، اُس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ اور جس شخص کو اللہ کی راہ میں زخم لگا، یا چوٹ گئی تو وہ زخم یا چوٹ قیامت کے دن اتنی بڑی ہو گی جتنی دنیا میں بڑی سے بڑی ہو۔ اُس کے خون کا رنگ زعفران کی طرح ہو گا۔ اُس کی خوشبو کستوری ہمیں ہو گی۔ اور جس آدمی کو اللہ کی راہ میں پھوزا لکھ آیا تو

بے شک اس پر شہیدوں کا نشان ہے۔“

17۔ ((عَنْ أَنْسِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ إِنْطَلَقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهُ حَتَّى سَبَقُوا الْمُشْرِكِينَ إِلَى بَدْرٍ وَجَاءَ الْمُشْرِكُونَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُومُوا إِلَى جَنَّةِ عَرْضُهَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ))
 قَالَ عُمَيْرُ بْنُ الْحَمَامَ بَخْ بَخْ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَا حِيلَكَ عَلَى قَوْلِكَ بَخْ بَخْ قَالَ لَهُ اللَّهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِلَّا رِجَاءُ أَنْ أَكُونَ مِنْ أَهْلِهَا قَالَ فَإِنَّكَ مِنْ أَهْلِهَا قَالَ فَأَخْرَجَ تَمَرَّاً مِنْ قَرْبِهِ فَجَعَلَ يَا كُلُّ مِنْهُنَّ ثُمَّ قَالَ لَئِنْ أَنَا سَخِيْتُ حَتَّى أَكُلَّ تَمَرَّاتِيْ إِنَّهَا لَحَيَاةٌ طَوِيلَةٌ قَالَ فَرَمَى بِمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ التَّمَرِ ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتَّى قُتِلَ .))

(صحیح مسلم، کتاب الادارۃ، حدیث نمبر: 4915)

”حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام روانہ ہوئے ، یہاں تک کہ مشرکین سے پہلے بد ر کے مقام پر پہنچ گئے۔ اتنے میں مشرکین بھی آگئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کھڑے ہو جاؤ! اس جنت میں جانے کے لیے جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برآہر ہے۔“

یہ سن کر حضرت عمر بن حام بن شبلہ نے کہا: ”واہ واہ۔“ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اُن سے پوچھا: ”یتم نے کیوں کہا؟“ اُس نے جواب دیا: ”اللہ کی قسم! یا رسول اللہ ﷺ! اصرف اس امید پر کہ میں جنتی ہو جاؤں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک تو جنتی ہے۔“ راوی نے کہا: ”اس شخص نے اپنے ترکش سے چند کھجوریں نکالیں اور کھانے لگا۔ پھر کہنے لگا: اگر میں یہ کھجوریں کھاتا رہا تو زندگی بھی ہو جائے گی۔ راوی نے کہا: پھر اس نے اپنے ہاتھ سے کھجوریں پھینک

دیں اور لڑکر شہید ہو گیا۔“

18 - ((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ وَبْنِ الْعَاصِ قَالَ اللَّهُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ يَقُولُ قَالَ الْفَقْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُكَفِرُ كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الدِّينُ.))

(صحیح مسلم)

”حضرت عبد اللہ بن عمر و بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں شہید ہونا قرض کے سواتمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔“

19 - ((عَنْ أَنَسِ قَدِيرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ: مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ، يُحَبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَلَهُ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ، إِلَّا الشَّهِيدُ يَتَمَّنِي أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا، فَيُقْتَلَ عَشَرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرَى مِنَ الْكُرَامَةِ.))

(بخاری و مسلم)

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص جو جنت میں جائے گا، کبھی دنیا میں واپس لوٹنا پسند نہیں کرے گا، اگرچہ اسے روئے زمین کی ساری دولت دی جائے، لیکن شہید یہ آرزو کرے گا کہ وہ دنیا میں واپس جا کر دس بار شہید ہو۔ کیونکہ اسے شہادت کا مقام و مرتبہ معلوم ہو گا۔“

20 - ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَدِيرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ: لَا يُكَلِّمُ أَحَدٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُكَلِّمُ فِي سَبِيلِهِ..... إِلَّا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَجَرْحُهُ يُشَعَّبُ.... ذَمًا، اللَّوْنُ لَوْنُ الدَّمِ، وَالرِّيحُ زَيْنٌ الْمُسْلِكِ.))

(بخاری و مسلم)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہوتا ہے..... اور اللہ کو خوب معلوم ہے کہ اس کی راہ میں

کون زخمی ہوا..... تو وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہو گا، جس کا رنگ خون جیسا ہی ہو گا، مگر خوبصورتی جیسی خوبصورتی ہو گی۔“

21- ((عَنْ أَبِي قَاتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِيهِمْ، فَذَكَرَ لَهُمْ أَنَّ الْجَهَادَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَالإِيمَانَ بِاللَّهِ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ، فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَرَءَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، يُكَفَّرُ عَنِي خَطَايَايِ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَعَمْ، إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ، مُقْبِلٌ غَيْرُ مُذَبِّرٍ. ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَيْفَ قُلْتَ؟ فَقَالَ: أَرَءَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، يُكَفَّرُ عَنِي خَطَايَايِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نَعَمْ، وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ، مُقْبِلٌ غَيْرُ مُذَبِّرٍ، إِلَّا الدِّينُ، فَإِنَّ جُرْبِيلَ قَالَ لِي ذَلِكَ.))

(صحیح مسلم)

”حضرت ابو قاتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر صحابہ کرام کو بتایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا افضل کام ہیں۔

یہ سن کر ایک آدمی کھڑا ہو کر کہنے لگا: ”یا رسول اللہ ﷺ! آپ بتائیں اگر میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں تو کیا میرے گناہ معاف ہو جائیں گے؟“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں! اگر تو اللہ کی راہ میں ثابت قدم ہو اور ثواب کی خاطر ایسا کرے، آگے بڑھے، یچھے نہ ہٹئے اور پھر شہید ہو جائے تو تیرے گناہ معاف ہو جائیں گے۔“ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی سے دریافت فرمایا: ”تو نے کیا پوچھا تھا؟“

وہ بولا: ”اگر میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں تو کیا اس سے میرے گناہ معاف ہو جائیں گے؟“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں! جب تو ثابت قدم ہو، ثواب کی نیت رکھے، آگے بڑھے، پیچھے نہ ہٹئے۔ البتہ قرض معاف نہ ہوگا۔ مجھے جبرائیل علیہ السلام نے میں بتایا ہے۔“

22۔ ((عَنْ أَبِي عُمَرَ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَأَخْلَدْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضَيْتُمْ بِالنَّرْزِعِ وَتَرْكْتُمُ الْجِهَادَ، سَلْطَنَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ذُلْلًا لَا يَنْزِعُهُ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ。))

(من ابی داؤد، حدیث نمبر: 3462)

”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ناکہ: جب تم بیج عینہ کرو گے، بیلوں کی دمیں تھامے کھیتی باڑی سے خوش رہو گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا، جسے اس وقت تک تم سے نہیں ہٹائے گا، جب تک تم اپنے دین کی طرف واپس نہیں لوٹو گے۔ (اور جہاد نہیں کر دے گے۔)“

غور کیجیے اس حدیث میں صرف جہاد کو دین قرار دیا گیا ہے۔

23۔ ((عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمْرَةَ رضي الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَنْ يَرْجِعَ هَذَا الَّذِينَ قَاتَمُوا، تُقَاتِلُ عَلَيْهِ عِصَابَةً مِنَ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ。))

(صحیح مسلم)

”حضرت جابر بن سرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ دین (اسلام) ہمیشہ قائم رہے گا۔ قیامت تک مسلمانوں کی ایک جماعت اس کی خاطر جہاد کرتی رہے گی۔“

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں جہاد و قتال کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے کہ جہاد و قتال ایک فریضہ ہے۔ ایمان لانے کے بعد جہاد افضل عمل ہے۔ جہاد ایک عبادت ہے۔ مجاہد سے

فتح و نصرت اور مال غنیمت کا وعدہ ہے یا پھر جنت کا وعدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خود جہاد کیا اور صحابہ کرام کو اس کی ترغیب فرمائی۔ جہاد سے جی چرانا منافقت ہے۔ جہاد کو چھوڑ دینے میں ذلت اور مصیبت ہے۔ ایک دن رات اسلامی سرحدوں پر پھرہ دینا، ساری دنیا کے مال و دولت سے بہتر ہے۔ راوی جہاد میں جن قدموں پر گرد و غبار پڑ جائے ان قدموں کو دوزخ کی آگ نہیں چھوئے گی۔ ”جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔“

(ابو داؤد، کتاب الجہاد)

مجاہد کے لیے ساز و سامان مہیا کرنا بھی جہاد ہے۔ قرض کے سوا شہید کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

دفائی اور جارحانہ جہاد:

لیکن اسلام اپنے دفاع کے لیے بھی مسلمانوں کو جہاد کرنے کی اجازت دیتا ہے اور اپنے خلاف کسی ممکنہ خطرے کے خلاف جارحانہ جہاد کا اعلان بھی کرتا ہے۔ اس بارے میں قرآن و احادیث کی تصریحات واضح ہیں۔

جب مسلمانوں کے علاقے پر کفار حملہ کر دیں تو اس صورت میں اسلام اپنے ماننے والوں کو دفائی جہاد کرنے کا حکم دیتا ہے اور وہ اسے قاتل فی سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں لڑنے کا نام دیتا ہے۔ سیرت نبوی ﷺ میں اس کی مثالیں غزوہ بدر، غزوہ أحد اور غزوہ خندق ہیں۔ دفائی جہاد کے لیے کسی قسم کی کوئی شرط نہیں۔ یہ ہر حال میں اور ہر صورت میں کیا جائے گا۔ البتہ جارحانہ جہاد کے لیے چند شرائط ہیں۔

ای طرح اسلام اپنے خلاف دشمنوں کے ممکنہ خطرے کے پیش نظر اپنے چیروکاروں کو جارحانہ جہاد کی اجازت بھی دیتا ہے۔ سیرت طیبہ میں اس کی درج ذیل مثالیں موجود ہیں۔

1۔ فتح مکہ

2۔ غزوہ حنین

3۔ غزوہ طائف

4۔ غزوہ تبوک

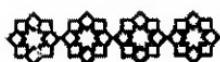
اس کے علاوہ خلافت راشدہ کے دور میں ایران اور مصر کے خلاف جنگ میں بھی جارحانہ جہاد کی مثالیں ہیں۔

انگریزوں کے "خود کا شتم پوئے" اور آلم کار، نبوت کے جھوٹے مدی مرزا غلام احمد قادر یانی نے بھی غامدی صاحب کی طرح جہاد کو حرام قرار دیا تھا۔ اس کا ایک شعر ہے:

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال
دیں کے لیے حرام ہے اب جنگ اور قاتل

در اصل قادر یانی تحریک انگریزوں کے اشارے پر برپا ہی اس لیے کی گئی تھی کہ مسلمانوں کے دلوں سے جذبہ جہاد و حریت ختم کر دیا جائے۔

لیکن الحمد للہ، اب غیروں کی سازشوں اور غامدی صاحب جیسے لوگوں کی مفادات پرستیوں، ہرزہ سرائیوں اور مغرب کی ہم نوائیوں کے باوجود حالات کا رخ بدل چکا ہے۔ مسلمان مجاہدین نے جہاد کی برکت سے روس جیسی پرپا اور کاغزور خاک میں ملایا ہے، جو بیسویں صدی کا عظیم معجزہ ہے۔ اب وہ امریکہ اور اُس کے اتحادیوں کو افغانستان اور عراق میں ناکوں پنچے چبوار ہے ہیں۔



شہید کے فضائل

کشاد در دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں
اسلام میں شہید کے لیے بڑی فضیلت ہے اور اُسے اعلیٰ مقام و مرتبہ حاصل ہے۔
شہید وہ شخص ہے جو دین کی سر بلندی کے لیے کافروں اور اسلام کے دشمنوں سے لڑتا ہوا
اپنی جان دے دیتا ہے اور اس طرح اپنے ایمان پر سچائی کی گواہی دے دیتا ہے۔
قرآن و حدیث میں شہید کے بہت سے فضائل بیان ہوئے ہیں۔

1- قرآن اور شہید:

قرآن مجید میں شہید کے لیے شہد آاء کا لفظ جمع کی صورت میں درج ذیل مقامات پر
آیا ہے۔ پہلے مقام کی تصریح امام ابن جریر طبریؓ نے اپنی تفسیر میں اور امام بخویؓ نے اپنی تفسیر
معالم التغییل میں کروی ہے کہ اس سے مراد وہ مسلمان ہیں جو اللہ کی راہ میں شہید ہو جاتے
ہیں۔

1- ﴿ وَمَنْ يُطِيعَ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ
مِّنَ النَّبِيِّنَ وَالصَّدِيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّلِحِينَ وَحَسْنَ أُولَئِكَ
رَفِيقًا ۝ ﴾ (النساء: 69)

”اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا، جن پر
اللہ نے انعام کیا۔ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کیسی اچھی ہے ان کی
رفاقت۔“

دوسرامقام سورہ آل عمران کی آیت نمبر 41 ہے، جس میں یہ الفاظ آئے ہیں:

2- » وَيَتَّخِذُ مِنْكُمْ شُهَدَاءَهُ « (آل عمران: 141)

”اور وہ (اللہ) تم میں سے کچھ کو شہید بنائے۔“

اس کی تفسیر میں بھی شہادت سے وہ لوگ مراد ہیں گے ہیں جو راہ حق میں شہید ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اس کی تفسیر میں امام قرطبی نے لکھا ہے کہ:

((أَيُّ يُكْرِمُكُمْ بِالشَّهَادَةِ، أَيُّ لِيُقْتَلَ قَوْمٌ فَيَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ بِأَعْمَالِهِمْ.))

(تفسیر قرطبی، جلد 4، ص: 218)

”یعنی تمہیں شہادت کا اعزاز بخشے۔ کچھ لوگ شہید ہو کر اپنے اعمال کے ذریعے لوگوں پر گواہ بنیں۔“

اسی آیت کی تفسیر میں شیخ احمد مصطفیٰ مراغی لکھتے ہیں کہ:

((أَيُّ وَلِيُّكِرِمَ نَاسًا مِنْكُمْ بِالشَّهَادَةِ وَالْقَتْلِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ.))

(تفسیر مراغی، جلد 4، ص: 80)

”مطلوب یہ ہے کہ تم لوگوں میں سے بعض کو اللہ کی راہ میں شہادت کے مرتبے پر فائز کرے۔“

اس کے علاوہ شہیدوں اور شہادت کے حوالے سے قرآن مجید کی درج ذیل آیات دیکھئے:

3- » إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ طَيْقَاتٍ لُّؤْنَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلُونَ وَيُقْتَلُونَ فَدَوْعَدُوا عَلَيْهِ حَقًا فِي التَّسْوِيرَةِ وَالْأُنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَأَسْتَبِشُرُوا بِسَيِعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ طَوْذِلَكَ هُوَ الْفُورُ الْعَظِيمُ ۝ ۵۰ »

(التوبہ: 111)

”بے شک اللہ نے مونوں سے ان کے جان و مال خرید لیے ہیں کہ وہ انہیں ان کے بدالے میں جنت دے گا۔ وہ اللہ کی راہ میں دوسروں کو ہلاک بھی کرتے

ہیں اور خود شہید بھی ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کے ذمے ایک پکا وعدہ ہے جو توریت، انجیل اور قرآن میں لکھا ہوا ہے۔ اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو پورا کرنے والا کون ہے؟ لہذا (اے مسلمانو!) اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ کے ساتھ کیا ہے، خوشیاں منا کو اور بھی ہے سب سے بڑی کامیابی۔ ”

4- ﴿ وَالَّذِينَ قُتُلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ فَلَنْ يُضْلَلَ أَعْمَالُهُمْ ط﴾

(محمد:4)

”اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے، اللہ ان کے اعمال ہرگز ضائع نہ کرے گا۔“

5- ﴿ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ ثُمَّ قُتُلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرَوُنَّهُمُ اللهُ رَزِقًا حَسَنًا ط وَإِنَّ اللهَ لَهُوَ خَيْرُ الرُّزِيقَينَ ۝ لَيَدْخُلَنَّهُمْ مُدْخَلًا يَرْضُونَهُ ط وَإِنَّ اللهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝﴾ (الحج: 58-59)

”اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔ پھر وہ شہید کر دیے گئے یا فوت ہو گئے، اللہ ضرور انہیں اچھا رزق دے گا۔ بے شک اللہ ہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ وہ ان کو ایسا مٹھکانہ دے گا، جسے وہ پسند کریں گے۔ بے شک اللہ جانے والا اور تحمل والا ہے۔“

6- ﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٍ دَبَلُ أَحْيَاءً وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ط ۝﴾ (البقرة: 154)

”اور جو اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں، انہیں مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کی خیر نہیں۔“

7- ﴿ وَمَنْ يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَيُقْتَلُ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ تُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ط ۝﴾ (النساء: 74)

”اور جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے پھر شہید ہو جائے یا غازی، تو ہم اسے بڑا اجر

دیں گے۔“

8۔ ﴿فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوْذِنُوا فِي سَبِيلٍ وَقُتْلُوا وَقُتْلُوا لَا كَفَرُنَّ عَنْهُمْ سَيِّئاتِهِمْ وَلَا دُخْلَنَّهُمْ جَنَّتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَرُ ۚ فَوَابَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ طَوَّالَهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝﴾

(آل عمران: 154)

”پھروہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی، اپنا گھر بارچھوڑا، جو میری راہ میں ستائے گئے، جنہوں نے جہاد کیا اور شہید ہوئے، میں ضرور ان کی خطا میں ان سے دور کروں گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا، جن میں نہیں جاری ہوں گی اور یہ سب اللہ کی طرف سے انہیں اجر ملے گا۔ اور بہترین اجر تو اللہ کی کے پاس ہے۔“

9۔ ﴿وَلَا تَحْسِنَ الَّذِينَ قُتْلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالًا طَبْلَ أَحْيَاءً عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرَزَّقُونَ ۝ فَرِحِينَ بِمَا أَنْهَمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۖ وَيَسْتَبَشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحُقوْ بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَعْزَزُونَ ۝﴾

(آل عمران: 169-170)

”اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں، انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں روزی لٹتی ہے۔ وہ اس پر خوش ہیں جو اللہ نے ان پر فضل فرمایا۔ اور جو لوگ ان کے بیچھے دنیا میں ہیں اور ابھی تک ان سے نہیں ملے، ان کے بارے میں بھی یہ خیال کر کے خوش ہوتے ہیں کہ ان کے لیے بھی نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

10۔ ﴿وَلَيْسَ قُتْلَتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتَمَّمٌ لِمَغْفِرَةٍ مِنْ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ۝ وَلَيْسَ مُتَمَّمٌ أَوْ قُتْلَتُمْ لَأَلَى اللَّهِ تُحَشِّرُونَ ۝﴾

(آل عمران: 158-157)

”اوہ اگر تم اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤ یا وفات پاؤ، دونوں صورتوں میں تمہیں اللہ

کی طرف سے جو خشش اور رحمت نصیب ہوگی، وہ اس مال و دولت سے بہتر ہے، جسے لوگ جمع کرتے ہیں۔ اور اگر تم وفات پاؤ یا شہید ہو جاؤ، ہر حال میں اللہ تھی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے۔

11- ﴿ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّنَ وَالصَّدِيقِينَ وَالشَّهِدَاءِ وَالصَّلِحِينَ وَخَسْنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا ۝ ذَلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ وَكَفَى بِاللَّهِ عَلِيهِمَا ۝ ﴾ (النساء: 69-70)

”اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے، وہ آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ کیسی اچھی ہے ان کی رفاقت! ایفضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کا علم کافی ہے۔“

12- غزوہ أحد کے موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ وَلَا تَهْنُوا وَلَا تَخْرُنُوا وَإِنَّمَا الْأَغْلُونَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ ۰ إِنَّمَّا سَكُونَكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهِ ۝ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۝ وَلَيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَ مِنْكُمْ شَهِدَآءَ طَوَّالَةً لَا يُحِبُّ الظَّلِيمِينَ ۝ ۰ ﴾ (آل عمران: 139-140)

”اور تم ہمت نہ ہارو اور خم نہ کرو، بلکہ تمہیں غالب رہو گے بشرطیکہ تم مومن بن جاؤ۔ اگر تم نے چوتھا کھائی ہے تو کیا ہوا، اس سے پہلے تمہارا دشمن بھی اسی طرح کی چوتھا کھا چکا ہے۔ اور ہم ایسے واقعات کو لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں۔ یہ واقعہ بھی اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی، تاکہ اللہ پچھے اور قلع مسلمانوں کی پیچان کرادے اور تم میں سے کچھ کو شہید بنا دے۔ اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا..... اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو چھانٹ لے اور ان کے ہاتھوں

کافروں کا زور توڑ دے۔“

مذکورہ بالا آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں شہید کا مقام و مرتبہ یہ ہے کہ:

- 1۔ شہید کو قیامت کے دن انبیاء ملائیں اور صد یقین کی صفائی میں جگہ ملے گی۔ اور ان کی معیت نصیب ہوگی۔
- 2۔ اللہ تعالیٰ نے ان اہل ایمان کے جان و مال جنت کے بدالے میں خرید لیے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد و قتال کر کے غازی بن جاتے ہیں یا شہید ہو جاتے ہیں۔
- 3۔ آخرت میں شہید کے اعمال صالح نہیں ہوں گے۔ ان کو خاص رزق عطا ہوگا۔
- 4۔ جو اللہ کی راہ میں مارا جائے اُسے مردہ نہ کہا جائے، بلکہ اُسے شہید کہا جائے۔
- 5۔ مجاهد غازی ہو یا شہید دونوں صورتوں میں بڑے اجر کا مستحق ہے۔
- 6۔ شہید کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور وہ جنت کا حق دار ہوتا ہے۔

2۔ احادیث اور شہید:

قرآنی آیات کے بعد اب ہم چند ایسی احادیث درج کریں گے، جن میں شہید کے نضائل و درجات بیان کیے گئے ہیں:

1۔ ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْلَا أَنَّ رِجَالًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ لَا تَطِيبُ أَنفُسُهُمْ أَنْ يَعْلَمُوْا عَنِّي، وَلَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُهُمْ عَلَيْهِ، مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِيَّةِ تَغْزِيْوِي فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْدِدْتُ أَنْ أُقْتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، ثُمَّ أُخْتَى، ثُمَّ أُقْتَلُ، ثُمَّ أُخْتَى، ثُمَّ أُقْتَلُ، ثُمَّ أُخْتَى، ثُمَّ أُقْتَلُ.))

(بخاری و مسلم)

”حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ کچھ مسلمان ایسے ہیں جو مجھ سے پیچھے رہنا پسند نہیں کرتے، مگر میں ان کے لیے

سواری کا بندوبست نہیں کر پاتا، تو میں کبھی ایسے لٹکر کے چھپے نہ رہتا جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلتا۔ اُس ذات کی قسم، جس کے با吞ہ میں میری جان ہے! میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میں اللہ کی راہ میں شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر شہید کیا جاؤں۔“

2- ((عَنْ أَنَسِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ، يُحِبُّ أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا وَلَهُ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا الشَّهِيدُ يَتَمَّنِي أَنْ يَرْجِعَ إِلَى الدُّنْيَا، فَيُقْتَلُ عَشْرَ مَرَّاتٍ، لِمَا يَرْتَدِي مِنَ الْكَرَامَةِ.))

(بخاری و مسلم)

”حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص جو جنت میں چلا گیا کبھی واپس دنیا کی طرف لوٹا پسند نہیں کرے گا، اگرچہ اسے روئے زمین کی تمام دولت دے دی جائے، مگر شہید یہ تمنا کرے گا کہ وہ دنیا میں واپس جائے اور دس بار شہید کیا جائے، کیونکہ اسے شہادت کا مقام و مرتبہ معلوم ہو چکا ہوگا۔“

3- ((عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمِيرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: مَا مِنْ نَفْسٍ مُسْلِمَةٍ يُقْبِضُهَا رَبُّهَا، تُحِبُّ أَنْ تَرْجِعَ إِلَيْكُمْ، وَأَنَّ لَهَا الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، غَيْرُ الشَّهِيدِ..... قَالَ أَبْنُ أَبِي عَمِيرَةَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَانَّ أُقْتَلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ لِي أَهْلُ الْوَبَرِ وَالْمَدَرِ.....))

(سنن نسائي)

”حضرت عبد الرحمن بن أبي عميرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے

نے فرمایا: ”سوائے شہید کے کوئی مسلمان جس کی رب نے جان قبض کی ہوگی تمہاری طرف واپس آنا پسند نہ کرے گا، اگرچہ اسے دنیا بھر کا مال و دولت وے دیا جائے۔“ ابن الی عمرہ رض نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”مجھے اللہ کی راہ میں شہید ہونا اس سے زیادہ پسند ہے کہ مجھے نیمیوں اور عمارتوں میں رہنے والوں کا مالک بنادیا جائے۔“

4- ((عَنْ حَسَنَةِ بُنْتِ مَعَاوِيَةَ، قَالَتْ: حَدَّثَنَا عَمِيْمٌ، قَالَ: قُلْتُ لِلنَّبِيِّ ﷺ: مَنْ فِي الْجَنَّةِ؟ قَالَ: النَّبِيُّ فِي الْجَنَّةِ، وَالشَّهِيدُ فِي الْجَنَّةِ، وَالْمُولُودُ فِي الْجَنَّةِ، وَالْوَيْدُ فِي الْجَنَّةِ.))

(شنیں الی دادر) (۱)

”حضرت حسانہ بنت معاویہ رض روایت کرتی ہیں کہ مجھے میرے پچھا نے بتایا کہ انہوں نے نبی ﷺ سے پوچھا، جنت میں کون جائے گا؟ آپ رض نے فرمایا: نبی جنت میں، شہید جنت میں، پیچے جنت میں اور زندہ درگور کیے گئے پیچے جنت میں جائیں گے۔“

5- ((عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِنَّ أَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ طَلَالَ السُّيُوفِ. فَقَامَ رَجُلٌ رَثَ الْهَيْنَةَ فَقَالَ: يَا أَبَا مُوسَى! أَنْتَ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ هَذَا؟ قَالَ: نَعَمْ. فَرَجَعَ إِلَى أَصْحَابِهِ، فَقَالَ: أَفْرَءُ عَلَيْكُمُ السَّلَامَ، ثُمَّ كَسَرَ جَفَنَ سَيِّفِهِ، فَالْقَاهُ، ثُمَّ مَشَى بِسَيِّفِهِ إِلَى الْعَدُوِّ فَضَرَبَ بِهِ حَتَّى قُتِلَ.))

(صحیح مسلم)

”حضرت ابو موسی اشعری رض روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ رض نے فرمایا: ”بے شک جنت کے دروازے تکواروں کے سامنے تھے ہیں۔“ یہ سن کر ایک شخص کھڑا ہوا جو پرانگندہ حال تھا۔ اس نے حضرت ابو موسی اشعری رض سے

پوچھا: اے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ! تو نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بات فرماتے خود سنا ہے؟ اُس نے جواب دیا: ”جی ہاں۔“ (یہ سن کر) وہ اپنے ساتھیوں کی طرف گیا اور ان کو سلام کیا۔ اس کے بعد اُس نے تکوار کی میان توڑ کر پھینک دی اور تکوار لے کر دشمن کی طرف گیا۔ پھر تکوار چلاتے چلاتے شہید ہو گیا۔“

6 - ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدَّثَنَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : الْشَّهِيدُ لَا يَجِدُ الْمَفْتُلَ إِلَّا كَمَا يَجِدُ أَحَدُكُمُ الْمُفْرُضَةَ)) (ترمذی، نسائی، داری) ”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شہید کو شہید ہوتے وقت صرف اتنی تکلیف ہوتی ہے، جتنی تم میں سے کسی کو حیوانی کے کامنے کی تکلیف محسوس ہوتی ہے۔“

7 - ((عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِيَّ كَرْبَلَةَ حَدَّثَنَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : إِلَلَّا شَهِيدٌ عِنْدَ اللَّهِ سِتُّ خَصَائِصٍ: يُغْفَرُ لَهُ فِي أَوَّلِ ذَفْعَةٍ، وَيُرَى مَقْعَدَهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَيُجَاهَرُ مِنْ عَذَابِ الْقُبُرِ، وَيَأْمَنُ مِنَ الْفَزَعِ الْأَكْبَرِ، وَيُؤْضَعُ عَلَى رَأْسِهِ تاجُ الْوَقَارِ، الَّذِي قُوَّتَهُ مِنْهَا خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا، وَيُنَزَّلُ مِنْ لَيْلَتِيْنِ وَسَبْعِينِ زُوْجَةً مِنَ الْحَوْرِ الْعَيْنِ، وَيُشَفَّعُ فِي سَبْعِينَ مِنْ أَفْرَيْبَاءِهِ)). (ترمذی، ابن ماجہ)

”حضرت مقدام بن معدی کربلائی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شہید کے لیے چھ انعامات ہیں:

- (1) اُس کے جسم سے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اُس کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔

(2) اُسے جنت میں اُس کا مقام دکھایا جاتا ہے۔

- (3) وہ قبر کے عذاب سے فیک جاتا ہے اور اُسے قیامت کی بڑی گھبراہٹ سے امن حاصل ہوتا ہے۔

(4) اُس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے، جس کا ایک یا قوت دنیا بھر سے زیارت ہے۔

(5) اُس کا نکاح بہتر (72) حوروں سے کیا جاتا ہے۔

(6) وہ اپنے ستر (70) رشتہداروں کی شفاعت کرے گا۔

8۔ ((عَنْ أَنَسِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: إِنَّ طَلَقَ رَسُولُ اللَّهِ وَأَصْحَابُهُ حَتَّى سَبَقُوا الْمُشْرِكِينَ إِلَى بَدْرٍ، وَجَاءَ الْمُشْرِكُونَ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: قُوَّمُوا إِلَى جَنَّةِ عَرْضُهَا السَّمَوَاتُ وَالْأَرْضُ.})
 قَالَ عُمَيْرُ بْنُ الْحَمَّامَ: بَخْ بَخْ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: مَا يَحْمِلُكُ عَلَى قَوْلِكَ: بَخْ بَخْ. قَالَ: لَا، وَاللَّهِ يَارَسُولُ اللَّهِ أَلَا رِجَاءً أَكُونُ مِنْ أَهْلِهَا. قَالَ: فَإِنَّكَ مِنْ أَهْلِهَا. قَالَ: فَأَخْرَجَ تَمَرَّاتٍ مِنْ قَرْبِهِ، فَجَعَلَ يَأْكُلُ مِنْهُنَّ. ثُمَّ قَالَ: لَئِنْ أَنَا حَيْثُ مُحِيطٌ أَكُلُ تَمَرَّاتِي إِنَّهَا لَحَيَاةٌ طَوِيلَةٌ. قَالَ: فَرَمَى بِمَا كَانَ مَعَهُ مِنَ التَّمَرِ، ثُمَّ قَاتَلَهُمْ حَتَّى قُتِلَ). (صحیح مسلم)

”حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام ﷺ روایت ہوئے، یہاں تک کہ مشرکین سے پہلے بدر کے مقام پر پہنچ گئے۔ اتنے میں مشرکین بھی آگئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کھڑے ہو جاؤ! اُس جنت میں جانے کے لیے جس کی چوزاتی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔“

یہ سن کر حضرت عمر بن حمام ﷺ نے کہا: ”واہ واہ۔“ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اُن سے پوچھا: ”یہ تم نے کیوں کہا؟“ اُس نے جواب دیا: ”اللہ کی قسم! یا رسول اللہ ﷺ! صرف اس امید پر کہ میں جختی ہو جاؤں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بے شک تو جنتی ہے۔“ راوی نے کہا: ”اس شخص نے اپنے ترشیح سے

چند کھجوریں نکالیں اور کھانے لگا۔ پھر کہنے لگا: اگر میں یہ کھجوریں کھاتا رہتا تو زندگی بھی ہو جائے گی۔ راوی نے کہا: پھر اس نے اپنے ہاتھ سے کھجوریں پھینک دیں اور لڑکہ شہید ہو گیا۔“

9۔ ((عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْعَاصِ قَالَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ الْقُتْلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُكَفِرُ كُلُّ شَيْءٍ إِلاَّ الدِّينَ)) (صحیح مسلم)

”حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رض روایت کرتے ہیں کہ بنی رض نے فرمایا: اللہ کی راہ میں شہید ہونا قرض کے سواتام گناہوں کو منادیتا ہے۔“

10۔ ((عَنْ أَبِي قَتَادَةَ قَالَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَامَ فِيهِمْ، فَذَكَرَ لَهُمْ أَنَّ الْجَهَادَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَالإِيمَانَ بِاللَّهِ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ، فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، يُكَفِرُ عَنِي خَطَايَايِ؟ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: نَعَمْ، إِنْ قُتِلْتَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْسِبٌ، مُقْبِلٌ غَيْرُ مُذَبِّرٍ.

لَمْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: كَيْفَ قُلْتَ؟

فَقَالَ: أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، يُكَفِرُ عَنِي خَطَايَايِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: نَعَمْ، وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْسِبٌ، مُقْبِلٌ غَيْرُ مُذَبِّرٍ، إِلاَّ الدِّينَ، فَإِنَّ جِبْرِيلَ قَالَ لِي ذَلِكَ.) (صحیح مسلم)

”حضرت ابو قاتادہ رض روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر صحابہ کرام کو بتایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اور اللہ پر ایمان لانا افضل کام ہیں۔

یہ سن کر ایک آدمی کھڑا ہو کر کہنے لگا: ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بتائیں اگر میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں تو کیا میرے گناہ معاف ہو جائیں گے؟“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ہاں! اگر تو اللہ کی راہ میں ثابت قدم ہو اور ثواب

کی خاطر ایسا کرے، آگے بڑھے، پیچھے نہ ہٹئے اور پھر شہید ہو جائے تو تیرے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ ”اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی سے دریافت فرمایا: ”تو نے کیا پوچھا تھا؟“

وہ بولا: ”اگر میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں تو کیا اس سے میرے گناہ معاف ہو جائیں گے؟“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں! جب تو ثابت قدم ہو، تواب کی نیت رکھے، آگے بڑھے، پیچھے نہ ہٹئے۔ البتہ قرض معاف نہ ہوگا۔ مجھے جبرائیل ؓ نے یہی بتایا ہے۔“

11 - ((عَنْ مُسْرُوقٍ قَالَ: سَأَلَنَا عَبْدُ اللَّهِ أَبْنَى مَسْعُودٌ رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَامٌ عَنْ هَذِهِ
الْأُبَيَّةِ:

»وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْياءً عِنْدَ
رَبِّهِمْ يَرْزُقُونَ ۝
قالَ: إِنَّا قَدْ سَأَلْنَا عَنْ ذَلِكَ.

فَقَالَ: أَرْوَاهُمْ فِي أَجْوَافِ طَيْرٍ حُضْرٍ، لَهَا قَنَادِيلٌ مُعْلَقَةٌ بِالْعُرْشِ،
تَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ، ثُمَّ تَأْوِي إِلَى تِلْكَ الْقَنَادِيلِ،
فَأَطْلَعَ إِلَيْهِمْ رَبِّهِمُ الطِّلَاجَةَ فَقَالَ: هَلْ تَشْتَهُونَ شَيْئًا؟ قَالُوا: أَئَ
شَيْءٌ نَشْتَهِيْ وَنَحْنُ نَسْرَحُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْنَا. فَفَعَلَ ذَلِكَ
بِهِمْ تَلَاقَ مَرَاثِيْت. فَلَمَّا رَأَوْا أَنَّهُمْ لَنْ يُتَرَكُوْا مِنْ أَنْ يَسْأَلُوْا.....
قالُوا: يَا رَبِّ انْرِيدْ أَنْ تَرُدَّ أَرْوَاحَنَا فِي أَجْسَادِنَا حَتَّى نُقْتَلَ فِي
سَبِيلِكَ مَرَّةً أُخْرَى، فَلَمَّا رَأَى أَنَّ لَيْسَ لَهُمْ حَاجَةً تُرِكُوْا.))
(صحیح مسلم)

”مسروق راشد بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس

آیت کے بارے میں دریافت کیا کہ:

﴿ وَلَا تُحَسِّنَ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَالًا طَبَلُ اَحْياءً عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ ﴾ (آل عمران: 169)

”اور جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہو جائیں ان کو مردہ نہ سمجھو، وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور انہیں روزی ملتی ہے۔“

تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے اس آیت کے بارے میں خود نبی ﷺ سے دریافت کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

شہیدوں کی رو جیں بزرگ کے پرندوں کے پیٹ میں ہیں۔ جن کے لیے عرش کے پاس فانوس لٹکے ہوئے ہیں۔ وہ جہاں چاہتے ہیں جنت میں اڑتے پھرتے ہیں۔ پھر واپس ان فانوسوں میں آ کر بیسا کرتے ہیں۔ ان کا رب ان سے پوچھتا ہے، تمہیں اور کچھ چاہیے؟ وہ جواب دیتے ہیں: نہیں اور کیا چاہیے۔ ہم جنت میں ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں اڑتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے تین بار پوچھتا ہے اور ہر بار وہ یہی جواب دیتے ہیں۔ جب وہ محبوں کرتے ہیں کہ ان سے مزید پوچھا جاتا رہے گا تو عرض کرتے ہیں:

اے ہمارے رب! ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں دوبارہ لوٹا دے، تاکہ ہم تیری راہ میں ایک دفعہ پھر شہید ہوں۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ان سے یہ اقرار لے لیتا ہے کہ انہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں تو ان سے پوچھنا چھوڑ دیتا ہے۔“

12۔ حضرت سرہ بن جنبد رضی اللہ عنہ راویت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”میں نے اس رات کو دو آدمی دیکھے جو میرے پاس آئے اور مجھے ساتھ لے کر ایک درخت پر چڑھ گئے۔ پھر وہ مجھے ایک ایسے مکان میں لے گئے جو اتنا خوب صورت اور عمدہ تھا کہ اس جیسا مکان میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ دونوں بولے:

((هَذِهِ الدَّارُ فَدَارُ الشُّهَدَاءِ)) ”یہ مکان شہیدوں کا گھر ہے۔“

(صحیح بخاری، حدیث نمبر: 1386)

13 - ((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ أُمَّ الرَّبِيعَ بُنْتَ الْبَرَاءِ وَهِيَ أُمٌّ حَارِثَةَ بُنْ سُرَاقَةَ أَتَتِ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَا أَنَبِيَّ اللَّهِ! إِلَّا تُحَدِّثُنِي عَنْ حَارِثَةَ؟ وَكَانَ قُتْلَ يَوْمَ بَدْرٍ، أَصَابَهُ سَهْمٌ غَرْبُ، فَإِنْ كَانَ فِي الْجَنَّةِ صَبَرُ، وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذَلِكَ اجْتَهَدَ عَلَيْهِ فِي الْبُكَاءِ. قَالَ: يَا أُمَّ حَارِثَةَ! إِنَّهَا جِنَانٌ فِي الْجَنَّةِ، وَإِنَّ ابْنَكَ أَصَابَ الْفِرْدُوسَ الْأَعْلَى.) (صحیح بخاری، حدیث نمبر: 2809)

”حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ اُمّ ربيع بنت براء رضی اللہ عنہا جو کہ حارثہ بن سراقة رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں، نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ ! کیا آپ ﷺ مجھے حارثہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے؟ (کہ اُن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟ حارثہ رضی اللہ عنہ غزوہ بدرا میں ایک اندھا تیر لکنے سے شہید ہوئے تھے۔) اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کروں اور اگر کہیں اور ہے تو میں اُسے خوب رو لوں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے حارثہ کی ماں! جنت میں بہت سے درجے ہیں۔ تیرا بیٹا فردوسِ اعلیٰ میں ہے۔“

14 - ((عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : يَضْحَكُ اللَّهُ لِرَجُلِينِ يَقْتُلُ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ كِلَاهُمَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ. قَالُوا: وَكَيْفَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: يُقْتَلُ هَذَا فَيَلْجُ الْجَنَّةَ. ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَى الْآخَرِ فَيَهْدِيهِ إِلَى الْإِسْلَامِ، ثُمَّ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُشَتَّهَدُ.)

(صحیح بخاری، حدیث نمبر: 2826، صحیح مسلم، حدیث نمبر: 4892، سنن نسائی، موطا امام مالک، السنن الکبریٰ،

(نبی مکملہ المساجع، حدیث نمبر: 3807)

”اللہ تعالیٰ کو ان وادیوں پر بھی آئے گی جن میں سے ایک نے دوسرے کو شہید کیا ہوگا، مگر دونوں جنت میں جائیں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! وہ کیسے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو آدمی شہید ہوگا وہ تو جنت میں جائے گا، مگر اللہ تعالیٰ اُس کے شہید کرنے والے کو توبہ کی توفیق دے گا، پھر اسے اسلام کی ہدایت دے گا، پھر وہ بھی مسلمان ہونے کے بعد اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوگا۔ (وہ بھی جنت میں جائے گا۔)“

15- ((عَنْ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: أَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مُّقْنَعًا بِالْحَدِيدِ فَقَالَ:

يَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ! أَفَتَأْتِي أَوْ أَسْلِمُ؟
قَالَ: أَسْلِمْ ثُمَّ قَاتِلْ.

فَاسْلَمْ ثُمَّ قَاتِلْ فَقُتُلَ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

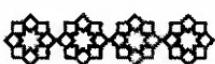
عِمَلَ قَلِيلًا وَأَجْرٌ كَثِيرًا۔)) (صحیح بخاری، حدیث نمبر: 2808)

”حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک شخص لو ہے کی (جنگی) ثوپی چکن کر آیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں قاتل کروں یا اسلام لاوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اسلام لاو، پھر قاتل کرو۔

چنانچہ وہ آدمی ایمان لایا اور پھر اسی وقت جہاد میں لڑتے ہوئے شہید ہو گیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص نے عمل تحوزہ اکیا اور اجر زیادہ پا گیا۔“ مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں شہید کا مقام و مرتبہ یوں واضح ہو جاتا ہے کہ:- 1۔ خود نبی ﷺ نے بار بار شہید ہونے کی تمنا کی ہے۔

- 2۔ شہید جنت میں جانے کے بعد دنیا میں دوبارہ آنے کی آرزو کرے گا، تاکہ وہ دوبارہ شہید ہو کر جنت کا اعلیٰ مقام حاصل کرے۔
- 3۔ شہادت کا درجہ دنیا بھر کے مال و دولت سے زیادہ قیمتی ہے۔
- 4۔ شہید کے لیے جنت کا وعدہ ہے۔ شہادت کا صلد جنت ہے۔
- 5۔ شہادت کے وقت شہید کو اتنی تکلیف بھی نہیں ہوتی، جتنی تکلیف ایک چیونٹی کے کائنے سے انسان کو ہوتی ہے۔
- 6۔ شہید کو قبر ہی میں اُس کا جنت میں ٹھکانا دکھاریا جاتا ہے۔
- 7۔ شہید قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔
- 8۔ شہید قیامت کی بڑی گھبراہٹ سے اُن میں رہے گا۔
- 9۔ قرض کے سوا شہید کے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔
- 10۔ شہید کو آخرت میں عزت و وقار کا تاج پہنایا جائے گا۔

جب قرآن و حدیث میں جہاد و قیال اور شہادت کے بارے میں اس قدر منصوص اور واضح احکام موجود ہیں اور ان پر نبی ﷺ نے، آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خلفائے راشدین نے، اور اُس کے بعد سے لے کر آج تک اہل اسلام نے ہر زور میں عمل کیا ہے تو غادری صاحب کس منہ سے جہاد جیسے واضح اور منصوص حکم کا انکار کر سکتے ہیں اور جب وہ اس کا انکار کرتے ہیں تو کیوں نہ اُن کو بھی مرزا قادریانی کی طرح دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے؟



طرح کی بے شمار دوسری چیزوں میں سنت کو مستقل بالذات شارع مان کر ہی دین میں شامل قرار دیتا ہوں۔“

(جاوید غامدی صاحب کا خط، ما جناب شیر محمد اختر صاحب، بحوالہ ماہنامہ اشراق، شمارہ جون 1991ء، ص 32) اس کے بعد جب مئی 1998ء میں غامدی صاحب نے چالیس (40) امور پر مشتمل سنت اور دین کی ایک مکمل اور جامع فہرست جاری فرمائی تو اس میں داڑھی کی سنت کو شامل نہیں کیا اور اس فہرست سے غائب کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے یہ لکھا ہے کہ:

”سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے، جسے نبی ﷺ نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد، اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ، اپنے مانے والوں میں، دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ اس ذریعے سے جو دین ہمیں ملا ہے وہ یہ ہے:

- (1) اللہ کا نام لے کر، اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔ (2) ملاقات کے موقع پر السلام علیکم اور اس کا جواب۔ (3) چھینک آنے پر الحمد للہ، اور اس کے جواب میں یہ مکہ اللہ۔ (4) نومولود کے دائیں کان میں اذان، اور دائیں میں اقامت۔ (5) جانوروں کا تذکیرہ۔ (6) نکاح۔ (7) نکاح کا خطبہ۔ (8) موچھیں پست رکھنا۔ (9) زیر ناف کے بال موٹھنا۔ (10) بغل کے بال صاف کرنا۔ (11) لاکوں کا ختنہ کرنا۔ (12) بڑھے ہوئے ناخن کاشنا۔ (13) تاک، منہ اور دانتوں کی صفائی۔ (14) استخخار۔ (15) غسل جنابت۔ (16) میت کا غسل۔ (17) تجہیز و تخفین۔ (18) تدفین۔ (19) وضو۔ (20) قیم۔ (21) اذان۔ (22) اقامت۔ (23) نماز کے لیے مساجد کا اہتمام۔ (24) شب و روز کی پانچ لازی نمازیں۔ (25) نماز جمعہ۔ (26) نماز عیدین۔ (27) نماز جنازہ۔ (28) روزہ۔ (29) اعتکاف۔ (30) عید الفطر۔ (31) صدقہ، عید الفطر۔ (32) زکوٰۃ۔ (33) ہدی۔

(34) طواف۔ (35) حرمین شریفین کی حرمت۔ (36) اشہر حرم۔ (37) حج و عمرہ۔ (38) عید الاضحی۔ (39) عید الاضحی کی قربانی۔ (40) ایام تشریق میں نمازوں کے بعد بکیریں۔

سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے، وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قولی تواتر سے ملا ہے، یہ اسی طرح ان کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی، اور قرآن یہی کی طرح ہر دور میں، امت کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے۔“

(اماں اشراق، شمارہ مگی 1998، ص 35)

اس کے بعد اپریل 2002ء میں غامدی صاحب نے چالیس (40) سنتوں کے اس دین کو صرف ستائیں (27) سنتوں میں تبدیل کر کے اسی دین کا ایک نیا ایڈیشن تیار کر لیا۔

شیخیں جب گھٹ گھنیں تو دین کامل ہو گیا
غامدی کو گوہر مقصود حاصل ہو گیا

چنانچہ سنتوں کی ایک اور فہرست جاری فرماتے ہوئے لکھا:

”سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے، جسے نبی ﷺ نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد، اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ، اپنے مانے والوں میں، دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے:

(1) اللہ کا نام لے کر، اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔ (2) ملاقات کے موقع پر السلام علیکم اور اس کا جواب۔ (3) چھینک آنے پر الحمد للہ، اور اس کے جواب میں یرحمک اللہ۔ (4) نومولود کے دائیں کان میں اذان، اور بائیں میں اقامت۔ (5) موچھیں پست رکھنا۔ (6) زیر ناف کے بال موٹھنا۔ (7) بغل کے بال صاف کرنا۔ (8) لڑکوں کا ختنہ کرنا۔ (9) بڑھے ہوئے ناخن کاشنا۔ (10) ناک، منہ اور دانتوں کے صفائی۔ (11) استنجا۔ (12) حیض و نفاس میں

زن و شوہر کے تعلق سے اجتناب۔ (13) حیض و نفاس کے بعد غسل۔
 (14) غسل جنابت۔ (15) بیت کا غسل۔ (16) تجویز و تخفین۔
 (17) تدفین۔ (18) عید الفطر۔ (19) عید الاضحی۔ (20) اللہ کا نام لے کر
 جانوروں کا تذکیرہ۔ (21) نکاح و طلاق اور ان کے متعلقات۔ (22) زکوٰۃ اور
 اس کے متعلقات۔ (23) نماز اور اس کے متعلقات۔ (24) روزہ اور صدقہ
 نظر۔ (25) اعتکاف۔ (26) قربانی۔ (27) حج و عمرہ اور ان کے متعلقات۔
 سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے
 اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔“

(میزان، جلد 10، طبع دوم، اپریل 2002ء)

سنت کی اس ترمیم شدہ فہرست پر نظر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس سے
 واڑھی حسب معمول غائب ہے۔ اس کے علاوہ دیگر تیرہ (13) امور کو سنت سے خارج کر دیا
 گیا ہے جن میں وضو، تیم، حرمین شریفین کی حرمت، ہدی، طلاق، اشهر حرم، نمازِ عیدین، نماز
 جنازہ، نمازِ جمعہ، نماز کے لیے مساجد کا اہتمام وغیرہ شامل ہیں۔

پھر اس کے بعد زمانے نے ایک اور کروٹ کی تو غامدی صاحب نے بھی
 فروری 2005ء میں سنت کی مزید ترمیم شدہ فہرست جاری کرتے ہوئے لکھا:

”سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے، جسے بنی اسرائیل نے اس
 کی تجدید و اصلاح کے بعد، اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ، اپنے مانے
 والوں میں، دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔ اس ذریعے سے جو دین ہمیں
 ملا ہے وہ یہ ہے:

عبدادات:

- (1) نماز۔ (2) زکوٰۃ اور صدقہ فطر۔ (3) روزہ و اعتکاف۔ (4) حج و عمرہ۔
- (5) قربانی اور ایامِ تشریق کی تکبیر۔

معاشرت:

(1) نکاح و طلاق اور ان کے متعلقات۔ (2) حیض و نفاس میں زن و شوہر کے تعلق سے اجتناب۔

خود د و فوشن:

(1) سور، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کی حرمت۔ (2) اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیرہ۔

دسویں و آداب:

(1) اللہ کا نام لے کر، اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا۔ (2) ملاقات کے موقع پر السلام علیکم اور اس کا جواب۔ (3) چھپک آنے پر الحمد للہ، اور اس کے جواب میں یرحک اللہ۔ (4) نومولود کے دائیں کان میں اذان، اور بائیس میں اقامۃ۔ (5) موٹھیں پست رکھنا۔ (6) زیر ہاف کے بال موڑنا۔ (7) بغل کے بال صاف کرنا۔ (8) بوڑھے ہوئے ناخن کاٹنا۔ (9) لاکوں کا ختنہ کرنا۔ (10) تاک، منہ اور دانتوں کی صفائی۔ (11) استخخار۔ (12) حیض و نفاس کے بعد غسل۔ (13) غسل جنابت۔ (14) میت کا غسل۔ (15) تجویز و تخفیف۔ (16) تدفین۔ (17) عید الفطر۔ (18) عید الاضحی۔

سنن یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔“

(أصول و مبادی، جلد 10، 11، طبع فرمودی 2005ء)

اب ہم سنن کی اس ترجمہ ترمیم شدہ تیسری فہرست پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ فرق معلوم ہوتا ہے کہ اس میں:

1۔ خورد و نوش کے تحت ”سور، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کی حرمت“ کے عنوان سے ایک نئی سنن کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ لیکن سنن کی

ستائیں (27) کی تعداد کو برقرار رکھنے کے لیے یہ ترکیب کی گئی ہے کہ ”اعتكاف“ کی الگ سنت کو روزے کی سنت کے ساتھ ملا دیا گیا تاکہ کلنتی کا میزانیہ (Total) پورا رہے اور کسی مکمل اعتراض سے بچا جاسکے۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

2۔ دوسری ترمیم شدہ فہرست میں ”روزہ اور صدقہ فطر“ ایک سنت تھی۔ تیسری ترمیم شدہ فہرست میں ”روزہ اور اعتكاف“ ایک سنت قرار پائی۔

3۔ دوسری ترمیم شدہ فہرست میں زکوٰۃ کی سنت کے ساتھ صدقہ فطر کی سنت شامل نہ تھی بلکہ وہ اس سے الگ ایک ایک سنت تھی مگر تیسری ترمیم شدہ فہرست میں زکوٰۃ کی سنت کے ساتھ صدقہ فطر کی سنت کو ملا کر دو سنتوں کی ایک سنت بن گئی۔

4۔ دوسری ترمیم شدہ سنت میں نماز کی سنت کے ساتھ اس کے متعلقات بھی شامل تھے مگر تیسری ترمیم شدہ فہرست میں نماز کی سنت سے اس کے متعلقات غائب کردیے گئے۔

5۔ دوسری ترمیم شدہ سنت میں حج و عمرہ کی سنت کے ساتھ ان کے متعلقات بھی شامل تھے مگر تیسری ترمیم شدہ فہرست میں حج و عمرہ کے متعلقات حذف کردیے گئے۔

6۔ دوسری ترمیم شدہ فہرست میں اعتكاف ایک مستقل سنت تھی جسے تیسری ترمیم شدہ فہرست میں روزے کے ساتھ شامل کر کے ”روزہ و اعتكاف“ کی ایک ہی سنت بنالی گئی، اس طرح گویا اب اعتكاف نصف سنت قرار پائی جو پہلے پوری سنت تھی۔

7۔ دوسری ترمیم شدہ فہرست میں قربانی ایک مستقل اور الگ سنت تھی مگر تیسری ترمیم شدہ فہرست میں اُس کے ساتھ ”ایام تحریق کی عجیب“ نامی سنت شامل کر کے اُسے ایک ہی سنت بنالیا گیا۔

یاد رہے کہ ”ایام تحریف کی عجیب روں“ والی سنت میں 1998ء کی پہلی فہرست میں موجود تھی جو اپریل 2002ء کی فہرست سے خارج کر دی گئی اور پھر 2005ء کی فہرست میں اُسے

دوبارہ شامل کر لیا گیا۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ غامدی صاحب نے سنت اور دین کو باز پھر اطفال بھج رکھا ہے جس میں وہ اپنے من مانے طریقے سے حسب خواہش رد و بدل کرتے رہتے ہیں، اور اس شریعت سازی کے نتیجے میں ان کے ہاں کھلے تضادات جنم لیتے ہیں۔



2۔ حدیث پر غور کرنے میں تضاد

غامدی صاحب کے ہاں ”أصول سازی“ اور ”أصول شکنی“ نام ہے۔ وہ دوسریں کو جن اصولوں کا پابند کرتے ہیں خود ان اصولوں کی پابندی نہیں کرتے۔ بلکہ جو اصول وہ اپنے لیے بھی بناتے ہیں خود ان پر بھی کاربند نہیں ہوتے۔

احادیث پر بحث واستدلال کرنے کے لیے انہوں نے ایک اصول بیان کیا ہے کہ اس باب کی تمام روایات کو سامنے رکھ کر کوئی رائے قائم کرنی چاہیے مگر مرتد کی سزا کے بارے میں انہوں نے خود اس اصول کی پابندی نہیں کی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

”چونچی چیز یہ ہے کہ کسی حدیث کا مدعا متعین کرتے وقت اس باب کی تمام روایات پیش نظر رکھی جائیں۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی حدیث کا ایک مفہوم سمجھتا ہے لیکن اسی باب کی تمام روایتوں کا مطالعہ کیا جائے تو وہ مفہوم بالکل دوسری صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔“ (میران، ص 73، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(اصول و مبادی، ص 72، طبع فروری 2005ء)

مگر جب مرتد کی سزا کا معاملہ آیا تو اس پر بحث واستدلال کرتے وقت انہوں نے اس باب کی کئی احادیث چھوڑ کر صرف ایک حدیث کو لے کر اپنی غلط رائے قائم کر لی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

”ارتداد کی سزا کا یہ مسئلہ شخص ایک حدیث کا مدعا نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ یہ حدیث بخاری میں اس طرح نقل ہوئی ہے: ((من بدل دینہ فاقتلوه)) ”جو شخص اپنا دین تبدیل کرے، اُسے قتل کرو۔“ ہمارے فقہاء اسے بالعموم ایک حکم عام قرار دیتے ہیں جس کا اطلاق ان

کے نزدیک ان سب لوگوں پر ہوتا ہے جو زمانہ رسالت سے لے کر قیامت تک اس زمین پر کہیں بھی اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کریں گے۔ ان کی رائے کے مطابق ہر وہ مسلمان جو اپنی آزادانہ مرضی سے کفر اختیار کرے گا، اسے اس حدیث کی رو سے لازماً قتل کر دیا جائے گا۔“

(برہان، ص 139، ٹیچ چارم، جون 2006ء)

وہ مزید فرماتے ہیں کہ:

”لیکن فقہاء کی یہ رائے کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم تو ہے شک ثابت ہے مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی حکم عام نہ تھا بلکہ صرف انہی لوگوں کے ساتھ خاص تھا جن میں آپ کی بحث ہوئی اور جن کے لیے قرآن مجید میں اُمیمین یا مشرکین کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔“

(برہان، ص 140، ٹیچ چارم، جون 2006ء)

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ:

”ہمارے فقہاء کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے قرآن و سنت کے باہمی ربط سے اس حدیث کا مدعا بھینے کے بجائے اسے عام پھربراکر ہر مرتد کی سزا موت قرار دی اور اس طرح اسلام کے حدود و تعزیرات میں ایک ایسی سزا کا اضافہ کر دیا جس کا وجود ہی اسلامی شریعت میں ثابت نہیں ہے۔“

(برہان، ص 143، ٹیچ چارم، جون 2006ء)

دیکھیے، مرتد کی سزا کے بارے میں غامدی صاحب صرف ایک حدیث کو مدار بنا کر اس معاملے میں بحث و استدلال فرماتے ہیں (اور وہ بھی لفظ عرب کے خلاف معنی لے رہے ہیں) اور اس باب کی درج ذیل احادیث سے انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔

1۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ:

((عن عبد اللہ قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم : لا يحل دم امریء مسلم یشهد أن لا إله إلا اللہ ، وانی رسول اللہ إلا باحدی ثلاث: النفس بالنفس ، والثیب الزانی ، والمفارق لدینه التارک للجماعۃ .)) (صحیح بخاری، رقم: 2878)

"حضرت عبد اللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، مساویے تین صورتوں کے: ایک یہ کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو، دوسرا یہ کہ وہ شادی شدہ زانی ہو اور تیسرا یہ کہ وہ اپنا دین چھوڑ کر (مسلمانوں کی) جماعت سے الگ ہو جائے۔"

یہی حدیث صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی اور سنداحمد میں بھی موجود ہے اور اسے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے۔

2۔ دوسرا حدیث جس سے غامدی صاحب نے مرتد کے مسئلے میں چشم پوشی کی ہے وہ سنن ابی داؤد کی حدیث ہے کہ:

((عن ابی امامۃ بن سہل قال: کنا مع عثمان وهو محصور في الدار، وكان في الدار مدخل من دخله سمع كلام من على البلاء، فدخله عثمان، فخرج علينا وهو متغير لونه، فقال: انهم ليتوا عدوني بالقتل أتفأ، قال: قلنا يكفيكم الله يا امير المؤمنين! قال: ولم يقتلونني؟ سمعت رسول الله يقول: لا يحل دم امریء مسلم إلا باحدی ثلاث: كفر بعد إسلام، أو زنا بعد احسان، أو قتل نفس بغير نفس، فوالله ما زنت في جاهلية ولا في إسلام فقط، ولا احببت اگن لی بدینی بدلًا من ذهانی الله،

ولا قتلت نفساً فبم يقتلونني؟))

(سنابی داؤد، کتاب الدیات، حدیث نمبر 4502)

”حضرت ابو امامہ بن سہل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں اور دوسرے لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھے، جب وہ اپنے گھر میں محسوس تھے۔ اس گھر کا ایک راستہ تھا جس کے اندر کھڑا آدمی گھر کی بالکونی پر کھڑے لوگوں کی بات آسانی سے سن سکتا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے۔ ان کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا۔ وہ باہر نکلے اور فرمایا: ابھی یہ لوگ مجھے قتل کر دینے کی دھمکی دے رہے تھے۔ ہم نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! ان کے مقابلے میں اللہ آپ کے لیے کافی ہے۔ پھر فرمایا: یہ لوگ مجھے کیوں قتل کر دینا چاہتے ہیں؟ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے تھا ہے کہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں، سو ائے اسکے کہ تم صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہو۔ وہ اسلام لانے کے بعد کفر اختار کرے۔ (مرتد ہو جائے) یا شادی کے بعد زنا کرے، یا کسی کو ناحق قتل کر دے۔ اللہ کی قسم! میں نہ تو جاہلیت میں زنا کا مرتكب ہوا اور نہ اسلام لانے کے بعد۔ دوسرے یہ کہ میں نے اپنادین بدلنا کبھی پسند نہیں کیا جب سے اللہ نے مجھے ہدایت عطا فرمائی ہے۔ تیسرا یہ کہ میں نے کسی کو ناحق قتل بھی نہیں کیا۔ پھر یہ لوگ کس بنا پر مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں؟“

اس طرح غامدی صاحب اپنے مسلم اصولوں کی خود ہی وجہاں بکھیرتے ہیں اور فکری تضادات کا شکار ہوتے ہیں۔ خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش فرماتے ہیں۔



3۔ کیا امام زہریؓ غیر ثقہ راوی ہیں؟

غامدی صاحب کے تضادات میں سے ایک تضاد یہ ہے کہ وہ مشہور حدیث اور فقیہہ امام ابن شہاب زہریؓ کو غیر ثقہ اور ناقابل اعتبار راوی بھی قرار دیتے ہیں مگر پھر انہی کی روایت کردہ احادیث سے استدلال بھی کرتے ہیں۔

چنانچہ غامدی صاحب نے صحابہ کی مشہور حدیث "سبع حرف" پر بحث کرتے ہوئے اُس کے ایک راوی امام زہریؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"آن (امام زہریؓ) کی کوئی روایت بھی، بالخصوص اس طرح کے اہم معاملات میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔" (میزان، ص 31، طبع دوم اپریل 2002ء)

اس مقام پر غامدی صاحب نے امام زہریؓ کو غیر ثقہ اور ناقابل اعتبار راوی قرار دیا ہے اور آن کی کوئی روایت قبول کرنے سے انکار کیا ہے۔ حالانکہ امام ابن شہاب زہریؓ کو محدثین، فقهاء اور ائمہ جرج و تعلیل نے ثقہ بلکہ اوثق اور قابل اعتبار راوی قرار دیا ہے۔

چنانچہ امام ابن حجر عسقلانی نے "تقریب" (جلد 2، ص 207) میں، امام ذہبی نے "میزان الاعتدال" (جلد 4، ص 40) میں اور امام ابن حبان نے "کتاب الفتاوی" (جلد 3، ص 4) میں آن کو ثقہ اور قابل اعتبار راوی تسلیم کیا ہے۔

لفظ کی بات یہ ہے کہ غامدی صاحب نے اپنی جس کتاب "میزان" میں امام زہریؓ کو غیر ثقہ اور غیر معتبر قرار دیا ہے۔ اسی کتاب کے تقریباً ہر باب میں آن کی درجنوں مردیات کو صحیح مان کر آن سے اپنے حق میں استدلال بھی کیا ہے۔

مثال کے طور پر اپنی کتاب "میزان" کے درج ذیل مقامات پر غامدی صاحب نے امام زہریؓ کی روایت کردہ احادیث سے استدلال کیا ہے:

- 1۔ ص 171 پر کافر اور مسلم کی وراثت سے متعلق صحیح بخاری کی حدیث نمبر 6764
- 2۔ ص 254 پر قانون چہاد سے متعلق اجر و ثواب کے بارے میں صحیح بخاری کی حدیث نمبر 2787
- 3۔ ص 297 پر حدود و تعزیرات میں قتل خطا سے متعلق صحیح بخاری کی حدیث نمبر 1499
- 4۔ ص 337 پر قسم اور کفارہ سے متعلق ابو داؤد کی حدیث نمبر 3290

اس طرح غامدی صاحب کے ہاں یہ کھلا تضاد پایا جاتا ہے کہ وہ امام زہریؓ کو ایک جگہ غیر لائق اور غیر معتبر قرار دیتے ہیں اور دوسری جگہوں پر ان کو لائق اور معتبر قرار دے کر ان کی روایت کردہ احادیث سے استدلال بھی کرتے ہیں تو کیا یہ اصول پرستی ہے یا خواہش پرستی؟



4- قرآن و سنت کے مقدم و مُؤخر ہونے میں تضاد

غامدی صاحب کے ہاں یہ بھی کھلا تضاد موجود ہے کہ وہ بھی قرآن کو سنت پر مقدم مانتے ہیں اور بھی سنت کو قرآن سے مقدم قرار دیتے ہیں۔

چنانچہ وہ ایک جگہ قرآن کو ہر چیز پر مقدم قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ہر شخص پابند ہے کہ اس (قرآن) پر کسی چیز کو مقدم نہ ٹھہرائے۔“

(میزان ص 23، ٹیج دوم اپریل 2002ء)

پھر اسی کتاب ”میزان“ میں آگے چل کر سنت کو قرآن سے مقدم قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

”سنت قرآن کے بعد نہیں بلکہ قرآن سے مقدم ہے۔“

(میزان ص 52، ٹیج دوم اپریل 2002ء)

ہم جانتے ہیں کہ غامدی صاحب نے ان دونوں مقامات پر حرف ”پر“ اور حرف ”سے“ کا مغالطہ دیا ہے مگر یہ مغالطہ اس وقت مغالطہ نہیں رہتا بلکہ ایک کھلا تضاد بن کر سامنے آتا ہے جب اسے اردو زبان کے درج ذیل دو جملوں کی روشنی میں دیکھا جائے:

1- اللہ تعالیٰ پر کسی چیز کو مقدم نہیں ٹھہراانا چاہیے۔

2- نبی ﷺ اللہ تعالیٰ سے مقدم ہیں۔

کیا کوئی آدمی جو اردو زبان جانتا ہے مذکورہ دونوں فقردوں میں کھلا تضاد نہیں پائے گا؟



(17) تذہین۔ (18) عید الفطر۔ (19) عید الاضحی۔ (20) اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیرہ۔ (21) نکاح و طلاق اور ان کے متعلقات۔ (22) زکوٰۃ اور اس کے متعلقات۔ (23) نماز اور اس کے متعلقات۔ (24) روزہ اور صدقہ فطر۔ (25) اعتکاف۔ (26) قربانی۔ (27) حج و عمرہ اور ان کے متعلقات۔ سنت بھی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔” (میزان، ص 10، طبع دوم اپریل 2002ء)

اس مقام پر غامدی صاحب نے نماز، روزے اور زکوٰۃ کو (سنت نمبر 22، 23، 24) بھی سنت شمار کیا ہے مگر اور جگہوں پر نماز، روزے اور زکوٰۃ کو فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ نماز کے بارے میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

1۔ ”نماز مسلمانوں پر شب و روز میں پانچ وقت فرض کی گئی ہے۔“

(قانون عبادت، ص 63، طبع اپریل 2005ء)

2۔ اسی طرح روزے کو پہلے سنت قرار دینے کے بعد فرض قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ”روزوں کے لیے رمضان کا مہینہ خاص کیا گیا ہے، اس لیے جو شخص اس مہینے میں موجود ہو، اس پر فرض ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے۔“

(قانون عبادت، ص 139، طبع اپریل 2005ء)

3۔ غامدی صاحب نے اپنی کتاب ”میزان“ میں قانون معيشت کے تحت یہ عنوان قائم کیا ہے کہ: ”زکوٰۃ کی فرضیت۔“ (میزان، ص 137، طبع دوم اپریل 2002ء)

غامدی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

”یہ (زکوٰۃ) پہلے سے موجود ایک سنت تھی ہے قرآن نے زندہ کیا اور نبی ﷺ نے خدا کے حکم سے مسلمانوں میں جاری کر دیا۔“ (میزان، ص 138، طبع دوم اپریل 2002ء)

اس سے معلوم ہوا کہ غامدی صاحب اصطلاحات کے ذریعے مخالف الطویلین کے عادی ہیں اور یہ چیز ان کے ہاں ایک واضح تضاد کی صورت میں اُنہر کر سامنے آتی ہے۔

6۔ کبھی صرف قرآن میزان ہے تو کبھی سنت بھی میزان

عامدی صاحب کبھی صرف قرآن کو میزان قرار دیتے ہیں اور کبھی اس کے ساتھ سنت کو بھی میزان خپراتے ہیں۔ کبھی ایک میزان اور کبھی دو میزانیں۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں کہ: ”قرآن میزان ہے..... چنانچہ تولے کے لمبی یہی ہے۔ اس دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس پر اسے تولا جاسکے۔“ (میزان، ص 22، مطبوع دوم اپریل 2002ء)

”هر چیز اب اسی میزان (قرآن) پر تولی جائے گی۔“

(میزان حصہ اول، ص 140، مطبوع 1985ء)

گردوسرے موقع پر صرف قرآن ہی میزان نہ رہا بلکہ قرآن کے ساتھ سنت بھی میزان ہن گئی۔ پہلے ایک میزان تھی، اب دو ہو گئیں اور تفاضل بالکل واضح ہو گیا۔ چنانچہ ”اشراق“ جس کے مدیر عامدی صاحب ہیں، میں یہ اشتہار عرصے تک چھپتا رہا کہ:

”قاری محترم!

اشراق ایک تحریک ہے، علمی تحریک فکر و نظر کو قرآن و سنت کی میزان میں تولنے کی تحریک“

(ماہنامہ اشراق، بابت اپریل، ہنسی، جون، جولائی، اگست، اکتوبر، نومبر اور دسمبر 1991ء)

اس طرح عامدی صاحب ایک طرف صرف قرآن کو میزان قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف سنت کو بھی میزان مانتے ہیں اور یہ چیز بھی ان کے ہاں کھلے تفاضل کی صورت میں موجود ہے۔



7۔ قرآنی الفاظ کے صرف معروف معنی مراد لینا

غامدی صاحب قرآن مجید کے الفاظ کے صرف معروف معنی لینے کو جائز سمجھتے ہیں اور اگر معروف معنی نہ لیے جائیں تو ان کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے۔
وہ اپنے موقف کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

”اس قرآن کے ترجمہ و تفسیر میں ہر جگہ اس کے الفاظ کے معروف معنی ہی پیش نظر رہنے چاہئیں، ان سے ہٹ کر ان کی کوئی تاویل کسی حال میں قبول نہیں کی جاسکتی۔“ (میزان، ص 18، ٹیج دوم اپریل 2002ء)

اس کے بعد اپنے موقف کو درج ذیل مثالوں سے واضح کرتے ہیں:

”وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدُانِ مِنَ النَّجْمِ كَمْعْنَى ”تاروں“ ہی کے ہو سکتے ہیں۔ إِلَإِ إِذَا تَمَثَّلَ مِنَ الْفَظَّاتِ كَمْفُهُومٍ خواہش اور ارمان ہی ہے۔ أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبْلِ مِنَ الْإِبْلِ كَالْفَظَّاتِ ہی کے لیے آیا ہے۔ كَأَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُونٌ میں بیض اٹلوں ہی کے معنی میں ہے۔ فَصَلِّ لِرِبِّكَ وَانْحَرِ میں نَحَرِ کا لفظ قربانی ہی کے لیے ہے۔ اور اسے اور ”بُوئیوں“ اور ”تلاوت“ اور ”بادل“ اور ”اندوں“ کی چھپی ہوئی جملی اور ”سینہ پر ہاتھ باندھنے“ کے معنی میں نہیں لیا جاسکتا۔“ (حوالہ مذکورہ، ص 18، 19)

اس سے معلوم ہوا کہ غامدی صاحب کے نزدیک قرآن کے ترجمہ و تفسیر میں ہر جگہ اس کے الفاظ کے صرف معروف معنی ہی لیے جاسکتے ہیں اور ان سے ہٹ کر ان کی کوئی تاویل قابل قبول نہیں ہو سکتی۔

حالاں کہ اہل علم جانتے ہیں کہ بعض اوقات قرآنی الفاظ کے معروف معنی کے سوائے

اس کے مجازی معنی بھی مراد لیے جاسکتے ہیں۔ جیسے یقین کے معروف معنی یقین ہی کے ہیں مگر یہ مجازی طور پر ”موت“ کے معنوں میں بھی آتا ہے۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ غامدی صاحب اپنے اس خود ساختہ اصول کی خود خلاف ورزی کرتے ہیں اور ہر جگہ قرآنی الفاظ کے معروف معنی مراد نہیں لیتے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی الٹی تفسیر ”البيان“ (میں اسے الٹی تفسیر اس لیے کہتا ہوں کہ یہ آخری سورتوں سے ہوتی ہوئی اُنٹے رخ پر پیچھے کو آ رہی ہے اور ابھی تک اس کی ایک جلد شائع ہوئی ہے جو سورہ الملک سے سورہ الناس تک ہے اور باقی تفسیر ابھی نامکمل ہے) میں درج ذیل مقامات پر قرآنی الفاظ کے معروف معنی مراد نہ لے کر اپنے بنائے ہوئے اصول کو خود پا مال کیا ہے۔

1۔ **پہلی مثال** سورۃ الحص کے الفاظ ﴿تَبَثُّ يَدَا أَبْيَ لَهُبٍ﴾ کا ترجمہ غامدی صاحب نے یوں کیا ہے کہ:

”ابو لهب کے بازوں توٹ گئے۔“ (البيان، ص 260)

اب یہ فیصلہ کرنا اہل علم کا کام ہے کہ لفظ ”یدا“ کے معروف معنی ”بازو“ کے ہیں یا ”دلوں ہاتھ“ کے۔

2۔ **دوسری مثال** سورۃ العلق کی چھپی آیت ﴿إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ کا ترجمہ غامدی صاحب نے یوں کیا ہے کہ:

”انہیں پڑھ کر سناؤ (اے چنبر) اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا ہے۔“ (البيان، ص 207)

اب یہ فیصلہ کرنا اہل علم کا کام ہے کہ عربی زبان میں لفظ اقرأ (بغیر علیٰ کے مدل) کے معروف معنی ”پڑھ“ کے ہیں یا ”انہیں پڑھ کر سناؤ“ کے ہیں۔

3۔ **تیسروی مثال** اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

﴿قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَ أَنْتُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ (الملک: 24)

اس کا ترجمہ غامدی صاحب نے یہ کیا ہے کہ:

”ان سے کہہ دو، وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں بویا۔“ (البيان، ص 25، 26)

اب قارئین خود یکھ سکتے ہیں کہ ذرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ میں ذراؤ (ذال کے ساتھ) کے معروف معنی "بُوئے" کے ہیں یا "پھیلانے" کے۔

4۔ چوتھی مثال اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

﴿كَلَّا لَيَخَافُونَ الْآخِرَةَ﴾ (المدثر: 53)

اس آیت کا ترجمہ غامدی صاحب نے یوں کیا ہے کہ:

"بلکہ (واقعہ یہ ہے کہ) یہ قیامت کی توقع نہیں رکھتے۔" (البيان، ص 81)

اب یہ فیصلہ کرنا اہل علم کا کام ہے کہ آیت کے لفظ "یَخَافُونَ" کی قطعی دلالت اور اس کے معروف معنی بقول غامدی صاحب "توقع رکھنے" کے ہیں یا اس لفظ کے معروف معنی "خوف رکھنا یا ذرنا" کے ہیں۔

5۔ پانچویں مثال سورہ الاعلیٰ میں آیت 4، 5 میں ہے:

﴿وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْغُبِيَ ۝ فَجَعَلَهُ غُشَاءَ أَخْوَى ۝﴾

اس کا ترجمہ غامدی صاحب نے یہ کیا ہے:

"اور جس نے سبزہ نکالا، پھر اسے گھناس بزر و شاداب بنادیا۔"

اہل علم جانتے ہیں کہ غُشَاءَ أَخْوَى کے معروف معنی "سیاہ کوزا کرکٹ" کے ہیں نہ کہ "گھناس بزر و شاداب" کے۔

6۔ چھٹی مثال اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

﴿وَتَبَأَكَ فَطَهَرَ ۝﴾ (المدثر)

اس کا ترجمہ غامدی صاحب نے یہ کیا ہے کہ:

"اور اپنے دامن دل کو پاک رکھو۔"

اب یہ اہل علم کا کام ہے کہ وہ یہ بتائیں کہ "ثِيَاب" کے معروف معنی "کپڑے" کے ہیں یا "دامن دل" کے۔ یہ چند مثالیں ہیں جن میں غامدی صاحب نے اپنے اس اصول کو توڑا ہے کہ قرآنی الفاظ کے صرف معروف معنی ہی لیے جاسکتے ہیں۔

8۔ تکفیر کے مسئلے میں تضاد

غامدی صاحب کے ہاں تکفیر کے مسئلے پر بھی تضاد موجود ہے۔ وہ خود دوسروں کی تکفیر کرتے ہیں مگر کسی اور کو یہ حق نہیں دیتے کہ وہ کسی دوسرے کی تکفیر کر سکے اور اسے کافر قرار دے سکے۔

چنانچہ ایک سوال کے جواب میں غامدی صاحب فرماتے ہیں کہ:
 ”کسی کو کافر قرار دینا ایک قانونی معاملہ ہے۔ پیغمبر اپنے الہامی علم کی بنیاد پر کسی گروہ کی تکفیر کرتا ہے..... یہ حیثیت اب کسی کو حاصل نہیں۔“

(ماہنامہ اشراق، دسمبر 2000ء ص 54، 55)

اس سے معلوم ہوا کہ غامدی صاحب کی رائے میں کوئی غیر نبی شخص کسی اور آدمی کی تکفیر نہیں کر سکتا اور اسے کافر قرار نہیں دے سکتا۔

غامدی صاحب کی یہ رائے بالکل بے اصل اور غلط ہے۔ خلافے راشدین سے لے کر آج تک ان لوگوں کی تکفیر کی گئی ہے جو ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرتے رہے ہیں۔ خود سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں مدعاوں نبوت اور مانعین زکوٰۃ کو کافر قرار دے کر آن کے خلاف تلوار سے جہاد کیا تھا۔ ماضی قریب میں امت مسلمہ نے جھوٹے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادری (ملعون) اور اُس کے پیروکاروں کو کافر قرار دیا تھا۔ پاکستان کے قریباً ڈیڑھ ہزار علماء نے غلام احمد پرویز کو کافر قرار دیا تھا۔ یوں لگتا ہے جیسے غامدی صاحب نے اپنے گمراہ کن عقائد و نظریات کے پیش نظر خود تکفیر کی زد سے بچنے کے لیے تکفیر کا انکار کیا ہے۔

لیکن ہمیں اس پر تعجب آتا ہے کہ وہ خود تو تکفیر کی زد سے بچنے کے لیے جیلے بہانے تراش رہے ہیں مگر دوسروں کو تکفیر کا نشانہ بناتے ہوئے ذرا نہیں شرمناتے۔ اُن کی اپنی تحریروں

کی رو سے شمالي افريقيہ کے کروڑوں مسلمان غیر مسلم قرار پاتے ہیں اور امت مسلمہ کے تمام صوفیائے کرام کا فرضیہ تھرستے ہیں۔

اس اجمالی کی تفصیل یہ ہے کہ تصوف کے بارے میں غامدی صاحب نے لکھا ہے کہ یہ اسلام کے متوازی ایک دین ہے اور جب تصوف اسلام کے متوازی ایک دین ہے تو لا محال وہ اسلام سے الگ کوئی دین ہے اور جب کوئی شخص اسلام سے الگ اُسے اپنادین بنائے گا تو دائرۃ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ اس طرح غامدی صاحب نے بالواسطہ طور پر امت مسلمہ کے تمام صوفیائے کرام کی تکفیر کر کے ان کو کافر تھریا ہے۔

چنانچہ تصوف کے بارے میں غامدی صاحب لکھتے ہیں کہ:

”تصوف فی الواقع ایک متوازی دین ہے۔“ (برہان، ص 188، طبع جون 2006ء)
غامدی صاحب کی دوسری تحریریں جن کی رو سے شمالي افريقيہ (لبیا، ٹیونس، الجزاير، مراکش اور صومالیہ وغیرہ) کے تمام مسلمان غیر مسلم قرار پاتے ہیں، وہ یہ ہیں:

1۔ ”قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثابت ہے اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر پوری دنیا میں امت مسلمہ کی عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے۔ یہ تلاوت جس قراءت کے مطابق کی جاتی ہے اس کے سوا کوئی دوسری قراءت نہ قرآن ہے اور نہ اسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا ہے۔“

(میران، ص 25، 26، 27، طبع دوم اپریل 2002ء)

2۔ ”یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قراءت ہے اس کے علاوہ سب قراءتیں فتنہ عمیم کے باقیات ہیں۔“ (میران، ص 32، طبع دوم، اپریل 2002ء)
کیا غامدی صاحب کی ان تحریریوں کی رو سے شمالي افريقيہ (لبیا، ٹیونس، الجزاير، مراکش اور صومالیہ وغیرہ) کے کروڑوں مسلمان غیر مسلم قرار نہیں پاتے؟ جی ہاں، غامدی صاحب نے ایک ہی تکفیری لاثھی سے ان سب کو کافر قرار دے دیا ہے۔ کیونکہ شمالي افريقيہ کے لوگ ”قراءت حفص“، ”نبیں بلکہ ”قراءت ورش“ کے مطابق قرآن پڑھتے ہیں اور جب

”قراءت حفص“ کے سوا کوئی دوسری قراءت نہ قرآن ہے اور نہ اسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا ہے تو لا محالہ شماں افریقہ کے تمام مسلمان قرآن سے محروم ہیں اور غیر قرآن کو قرآن سمجھنے ہوئے ہیں تو قرآن کے مکر خبرے کیونکہ جو قرآن کا مکر ہو جائے وہ ضرور کافر ہو جاتا ہے۔

غامدی صاحب کے نشر تکفیر کی زد صرف یہیں تک نہیں ہے بلکہ دنیا بھر میں جوار بول مسلمان ”قراءت حفص“ کے علاوہ دوسری قراءتوں کو بھی قرآن سمجھتے ہوئے ان کو پڑھ یا پڑھا رہے ہیں وہ سب مسلمان بھی یہیں قلم غیر مسلم خبرتے ہیں۔

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ غامدی صاحب ایک طرف تو تکفیر کو ناجائز سمجھتے ہیں اور دوسری طرف اسے جائز قرار دے رہے ہیں اور یہ ان کے ہاں کھلا تضاد پایا جاتا ہے۔



پانچواں باب

متفقہ اسلامی عقائد و اعمال سے تقابل

جادویہ غامدی صاحب کے عقائد و نظریات امت مسلمہ اور علمائے اسلام کے متفقہ اور اجماعی عقائد و اعمال سے بالکل الگ اور مختلف ہیں۔ انہوں نے ”سبیل المؤمنین“ کو چھوڑ کر اس ”غیر سبیل المؤمنین“ کو اختیار کر لیا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبَعُ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ فَوَلَهُ مَا تَوَلَّٰ فِي وَنُصْلِيهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝﴾
(النساء: ۱۱۵)

”جو شخص رسولؐ کی مخالفت کرے گا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر کسی اور راستے پر چلے گا حالانکہ اس پر صحیح راستہ واضح ہو چکا ہوتا ہے ہم اسی طرف پھیر دیں گے جدھروہ خود پھر گیا اور پھر اسے جہنم میں داخل کریں گے جو بہت بُرا نہ کاشہ ہے۔“

ذیل میں علمائے اسلام اور غامدی صاحب کے عقائد و نظریات کا ایک تقابلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے جس کے بعد ہر شخص کے لیے یہ فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون را حق پر ہے اور کون گمراہ ہے؟

غامدی صاحب کے عقائد و نظریات	متفقہ اسلامی عقائد و اعمال
۱- قرآن کی صرف ایک ہی قراءت درست ہے، باقی سب قراءتیں جنم کا فقہہ ہیں۔	۱- قرآن مجید کی سات یا دس (سبعہ یا عشرہ) قراءتیں متواتر اور صحیح ہیں۔

2- میران، قرآن کے ناموں میں سے کوئی نام نہیں ہے۔	2- قرآن کا ایک نام میزان بھی ہے۔
3- قرآن کی تتشابہ آیات کا بھی ایک مفہوم متعین نہیں کیا جاسکتا۔	3- قرآن کی تتشابہ آیات کا واضح اور قطعی واضح اور قطعی مفہوم سمجھا جاسکتا ہے۔
4- سورہ نصر مرنی ہے۔	4- سورہ نصر مرنی ہے۔
5- قرآن میں اصحاب الاخذود سے مراد دو بنوی کے قریش کے فراعنة ہیں۔	5- اصحاب الاخذود کا واقعہ بعثت نبوی سے بہت پہلے زمانے کا ہے۔
6- سورہ لہب میں ابو لہب سے مراد قریش کے سردار ہیں۔	6- ابو لہب سے نبی ﷺ کا فرپچار مراد ہے۔
7- اصحاب اغیل کو پرندوں نے ہلاک نہیں کیا تھا بلکہ وہ قریش کے پھراؤ اور پرندے بھیجے جھنوں نے ان کو تباہ و بر باد آندھی سے ہلاک ہوئے تھے۔ پرندے کر کے رکھ دیا تھا۔ صرف ان کی لاشوں کو کھانے کے لیے آئے تھے۔	7- اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل پر ایسے
8- سنت قرآن سے مقدم ہے۔	8- سنت قرآن سے مقدم ہے۔
9- سنت صرف افعال کا نام ہے۔ اس کی ابتداء حضرت محمد ﷺ سے نہیں، بلکہ اور تقریرات (خاموش تائیدیں) سب شامل ہیں اور وہ حضرت محمد ﷺ سے شروع ہوتی ہے۔	9- سنت صرف افعال کا نام ہے۔ اس کی ابتداء حضرت ابراءم علیہ السلام سے ہوتی ہے۔
10- سنتیں ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔	10- سنت صرف ستائیں (27) اعمال کا نام ہے۔

11.	ثبوت کے اعتبر سے سنت اور قرآن میں کوئی فرق نہیں۔ ان دونوں کا ثبوت میں واضح فرق ہے۔ سنت کے ثبوت کے لیے اجماع شرط نہیں۔	ثبوت کے اعتبر سے سنت اور قرآن میں کوئی فرق نہیں۔ ان دونوں کا ثبوت اجماع اور عملی تواتر سے ہوتا ہے۔
12.	حدیث سے کوئی اسلامی عقیدہ یا عمل ثابت نہیں ہوتا۔	حدیث سے کوئی اسلامی عقیدہ یا عمل ثابت نہیں ہوتا۔
13.	حضرت نے حدیث کی حفاظت اور تبلیغ کی داشت کے لیے بھی کوئی اہتمام نہیں حفاظت اور تبلیغ داشت کے لیے بہت اہتمام کیا تھا۔	حضرت نے حدیث کی حفاظت اور تبلیغ نے حدیث کی داشت کے لیے بھی کوئی اہتمام نہیں حفاظت اور تبلیغ داشت کے لیے بہت اہتمام کیا تھا۔
14.	امام ابن شہاب زہریؓ کی کوئی روایت بھی قبول نہیں کی جاسکتی۔ وہ ناقابل حدیث میں ثقہ اور معتبر راوی ہیں اور ان کی روایات قابل قبول ہیں۔	امام ابن شہاب زہریؓ کی کوئی روایت بھی قبول نہیں کی جاسکتی۔ وہ ناقابل حدیث میں ثقہ اور معتبر راوی ہیں اور ان اعتبر راوی ہے۔
15.	دین کے مصادر قرآن کے علاوہ دین نظرت کے حقائق، سنت ابراہیمی اور قدیم صحائف بھی ہیں۔	دین کے مصادر قرآن کے علاوہ دین نظرت کے حقائق، سنت ابراہیمی اور قدیم صحائف بھی ہیں۔
16.	معروف اور منکر کا تعین انسانی فطرت کرتی ہے۔	معروف اور منکر کا تعین انسانی فطرت کرتی ہے۔
17.	جو شخص دین کے بنیادی امور یعنی ضروریات دین میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے تو اسے کافر قرار دیا جاسکتا ہے۔	نبی ﷺ کی وفات کے بعد کسی شخص کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔

18.	امام کی غلطی پر عورتوں کے لیے بلند آواز میں "سبحان اللہ" کہہ سکتی ہیں۔
19.	زکوٰۃ کا نصاب منصوص اور مقرر نہیں شدہ ہے۔
20.	ریاست کی بھی چیز کو زکوٰۃ سے مستثنی کر سکتی ہے۔
21.	بناہم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔
22.	اسلام میں موت کی سزا صرف دو جرائم (قتل نفس اور فساد فی الارض) پر دی جاسکتی ہے۔
23.	دیت کا قانون وقّتی اور عارضی تھا۔
24.	قتل خطاہ میں دیت کی مقدار تبدیل نہیں ہو سکتی۔
25.	عورت اور مرد کی دیت برابر ہے۔
26.	اب مرد کی سزا نے قتل باقی نہیں ہمیشہ کے لیے ہے۔
27.	زانی کنوارا ہو یا شادی شدہ دونوں کی سزا از روج سزا صرف سو کوڑے ہیں۔

28.	چور کا دایاں ہاتھ کاٹنا صرف سنت سے ثابت ہے۔	28. چور کا دایاں ہاتھ کاٹنا قرآن سے ثابت ہے۔
29.	شراب نوشی پر کوئی شرعی سزا نہیں اجماع کی رو سے اسی کوڈے مقرر ہیں۔	29. شراب نوشی پر کوئی شرعی سزا نہیں ہے۔
30.	عورت کی گواہی حدود کے جرائم میں شہادت معتبر نہیں۔	30. حدود کے جرائم میں عورت کی بھی معتبر ہے۔
31.	کوئی کافر کسی مسلمان کا کبھی وارث مشرکین اور یہود و نصاری مسلمانوں کے نہیں ہو سکتا۔	31. صرف عہد نبوی کے عرب کے مشرکین اور یہود و نصاری مسلمانوں کے وارث نہیں ہو سکتے۔
32.	میت کی اولاد میں صرف بیٹیاں ہی وارث ہوں تو ان کو کل تر کے کا دو تھائی (2/3) ہوں تو ان کی بیوی شوہر کے حصوں سے بچے ہوئے تر کے کا دو تھائی حصہ دیا جائے گا۔	32. اگر میت کی اولاد میں صرف بیٹیاں ہی وارث ہوں تو ان کو والدین یا بیوی شوہر کے حصوں سے بچے ہوئے تر کے کا دو تھائی (2/3) حصہ ملے گا۔
33.	سور کی کھال اور چربی وغیرہ کی اور دوسرے اجزاء کا استعمال اور تجارت حرام ہے۔	33. سور کی کھال اور چربی وغیرہ کی تجارت اور ان کا استعمال ممنوع نہیں۔
34.	عورت کے لیے دوپٹا پہننا شرعی حکم پہننے کا حکم قرآن کی سورہ النور آیت 31 سے ثابت ہے۔	34. عورت کے لیے دوپٹا پہننا شرعی حکم نہیں۔

35۔ کھانے کی صرف چار (4) چیزیں ہی حرام ہیں: خون، مردار، سوڑ کا گوشت اور گدھے کا گوشت وغیرہ۔	کھانے کی علاوہ کھانے کی بہت سی اور چیزیں بھی حرام ہیں جیسے کہ اور پاتو غیر اللہ کے نام کا ذبح۔
36۔ کئی انبیاء قتل ہوئے مگر کوئی رسول بھی اور رسولوں دونوں کو قتل کیا گیا۔	از روئے قرآن بہت سے نبیوں قتل نہیں ہوا۔
37۔ حضرت عیسیٰ آسمان پر زندہ اٹھا لیے گئے۔ وہ قیامت کے قریب دوبارہ دنیا میں آئیں گے اور دجال کو قتل کریں گے۔	عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچے ہیں۔
38۔ یاجوج ماجوج اور دجال سے مراد قیامت کی دو الگ الگ نشانیاں ہیں۔ احادیث کی رو سے دجال ایک یہودی شخص ہوگا جو داہیں آنکھ سے کانا ہوگا۔	یاجوج ماجوج اور دجال سے مراد مغربی اقوام ہیں۔
39۔ جہاد و قتال کے بارے میں کوئی شریعی حکم نہیں ہے۔	جہاد و قتال ایک شرعی فریضہ ہے۔
40۔ کافروں کے خلاف جہاد کرنے کا حکم اب باقی نہیں رہا اور اب مفتوح کفار (ذمیوں) سے جزیرہ نہیں لیا جاسکتا ہے۔	کفار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم ہمیشہ کے لیے ہے اور مفتوح کفار (ذمیوں) سے جزیرہ نہیں لیا جاسکتا۔



غامدی صاحب کے مذکورہ گمراہ کن عقائد و نظریات کے بارے میں ان کی تحریروں کے حوالہ جات

(۱).....(۱) قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثابت ہے اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر پوری دنیا میں امت مسلم کی عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے۔ یہ تلاوت جس قراءت کے مطابق کی جاتی ہے اس کے سوا کوئی دوسری قراءت نہ قرآن ہے اور نہ اسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا ہے۔“

(میزان، ص 25، طبع دوم، اپریل 2002، لاہور)

(۲) ”یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قراءت ہے..... اس کے علاوہ سب قراءتیں..... فتنہ عمجم کے باقیات ہیں۔“

(میزان، ص 32، طبع دوم، اپریل 2002،)

(۳)”قرآن..... میزان..... ہے۔“ (برہان، ص 140)

(۴) ﴿اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ﴾ (الشوری: ۴۲: ۱۷) ”اللہ وہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اتاری، یعنی میزان نازل کی ہے۔“ اس آیت میں ”وَالْمِيزَانَ“ سے پہلے ”وَ“ تغیر کے لیے ہے۔ اس لیے ”المیزان“ درحقیقت یہاں ”الکتاب“ ہی کا بیان ہے۔

(میزان، ص 22، طبع دوم، اپریل 2002،)

(۵)”یہ بات ہی صحیح نہیں ہے کہ مکرم اور تشابہ کو ہم پورے یقین کے ساتھ ایک دوسرے سے میزیز نہیں کر سکتے یا تشابہات کا مفہوم سمجھنے سے قاصر ہیں..... لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ تشابہات کا مفہوم سمجھنا ممکن نہیں ہے۔“

(میران، ص 34، 35، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(4)..... ”سورہ کافرون کے بعد اور لہب سے پہلے اس سورہ (النصر) کے مقام سے واضح ہے کہ سورہ کوثر کی طرح یہ بھی، اتم القریٰ کا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے مرحلہ بھرت و براءت میں آپ کے لیے ایک عظیم بشارت کی حیثیت سے نازل ہوئی ہے۔“ (البيان، ص 252، مطبوعہ ستمبر 1998ء)

(5)..... ”یہ ﴿فَيَقْتَلُ أَصْحَابَ الْأَخْلُودِ ۝ النَّارُ ذَاتُ الْوَقُودِ ۝﴾ (البروج: ۴-۵) قریش کے ان فراعنہ کو جہنم کی وعید ہے جو مسلمانوں کو ایمان سے پھیرنے کے لیے ظلم و ستم کا بازار گرم کیے ہوئے تھے۔ اُنھیں بتایا گیا ہے کہ وہ اگر اپنی اس روشن سے باز نہ آئے تو دوزخ کی اُس گھائی میں پھینک دیے جائیں گے جو ایندھن سے بھری ہوئی ہے۔“ (البيان، ص 157، طبع ستمبر 1998ء)

(6)..... ﴿تَبَثُ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَثَبَ ۝﴾

”ابولہب کے بازوں نوٹ گئے اور وہ خود بھی ہلاک ہوا۔“ (تفسیر) ”بازوں نوٹ گئے“ یعنی اُس کے اعوان و انصار ہلاک ہوئے اور اس کی سیاسی قوت ختم ہو گئی۔“

(البيان، ص 260، مطبوعہ ستمبر 1998ء)

(7)..... ”اللہ تعالیٰ نے ساف و حاصلب کے طوفان سے اُنھیں (اصحاب الفیل کو) اس طرح پامال کیا کہ کوئی ان کی لاشیں اٹھانے والا نہ رہا۔ وہ میدان میں پڑی تھیں اور گوشت خوار پرندے اُنھیں نوچنے اور رکھانے کے لیے، ان پر جھپٹ رہے تھے۔۔۔ آیت کا مدعا یہ ہے کہ تمہاری (قریش کی) مدافعت اگرچہ ایسی کمزور تھی کہ تم پیہاڑوں میں چھپے ہوئے، اُنھیں سنکر پھر مار رہے تھے، لیکن جب تم نے حوصلہ کیا اور جو کچھ تم کر سکتے تھے، کر ڈالا، تو اللہ نے اپنی سنت کے مطابق تمہاری مدد کی اور ساف و حاصلب کا طوفان بھیج کر اپنی ایسی شان دکھانی کہ اُنھیں کھایا ہوا بھوسا بنا دیا۔“

(البيان، تفسیر سورہ الفیل، ص: 240، 241)

(8) ”سنت قرآن کے بعد نہیں بلکہ قرآن سے مقدم ہے۔“

(میزان، ص 52، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(9) (ا) ”سنت کا تعلق تمام تر عملی زندگی سے ہے، یعنی وہ چیزیں جو کرنے کی ہیں عملی نوعیت کی کوئی چیز بھی سنت نہیں ہے اس کا دائرہ کرنے کے کام ہیں۔“

(میزان، ص 65، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(ب) ”سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی ﷺ نے اس کی تجدید و اصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے۔“

(میزان، ص 10، طبع دوم، اپریل 2002ء لاہور)

(10) اس (سنت) کے ذریعے سے جو دین ہمیں ملا ہے، وہ یہ ہے:

(۱) ”اللہ کا نام لے کر اور دائیں ہاتھ سے کھانا پینا، (۲) ملاقات کے موقع پر ”السلام علیکم“ اور اس کا جواب، (۳) چھینک آنے پر ”الحمد للہ“ اور اس کے جواب میں ”یرحمک اللہ“، (۴) نومولود کے دائیں کان میں اذان اور دائیں میں اقامت، (۵) موچھیں پست رکھنا، (۶) زیر ناف کے بال موٹھنا، (۷) بغل کے بال صاف کرنا، (۸) لڑکوں کا ختنہ کرنا، (۹) بڑھے ہوئے ناخن کاشنا، (۱۰) ناک، منہ اور دانتوں کی صفائی، (۱۱) استغفار، (۱۲) حیض و نذاں میں زن و شو کے تعلق سے اجتناب، (۱۳) حیض و نفاس کے بعد غسل، (۱۴) غسل جنابت، (۱۵) میت کا غسل، (۱۶) تجمیز و عکفیں، (۱۷) تدفین، (۱۸) عید الفطر، (۱۹) عید الاضحی، (۲۰) اللہ کا نام لے کر جانوروں کا تذکیرہ، (۲۱) نکاح و طلاق اور اس کے متعلقات، (۲۲) زکوٰۃ اور اس کے متعلقات، (۲۳) نماز اور اس کے متعلقات، (۲۴) روزہ اور صدقۃ نظر، (۲۵) اعتکاف، (۲۶) قربانی اور (۲۷) حج و عمرہ اور ان کے متعلقات۔

سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس

میں اور قرآن مجید میں کوئی فرق نہیں ہے۔“

(میزان، ص 10، طبع دوم، اپریل، 2002ء، لاہور)

(11).....”سنت یہی ہے اور اس کے بارے میں یہ بالکل قطعی ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے اس میں اور قرآن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جس طرح صحابہ کے اجماع اور قوی تواتر سے ملا ہے، یہ اسی طرح ان کے اجماع اور عملی تواتر سے ملی ہے اور قرآن ہی کی طرح ہر دور میں امت کے اجماع سے ثابت قرار پائی ہے۔“

(میزان، ص 10، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(12).....”اس (حدیث) سے دین میں کسی عقیدہ و عمل کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔“

(میزان، ص 64، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(13).....”نبی ﷺ کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کی روایتیں جو زیادہ تر اخبار آحاد کے طریقے پر نقل ہوئی ہیں اور جنہیں اصطلاح میں حدیث کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں یہ دو باتیں ایسی واضح ہیں کہ کوئی صاحب علم انھیں ماننے سے انکار نہیں کر سکتا۔ ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی حفاظت اور تبلیغ و اشاعت کے لیے کبھی کوئی اہتمام نہیں کیا۔ دوسری یہ کہ ان سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ کبھی علم یقین کے درجے تک نہیں پہنچتا۔“ (میزان، حصہ دوم، ص 68، طبع اپریل 2002ء، لاہور)

(14).....”ان (امام ابن شہاب زہریؓ) کی کوئی روایت بھی، بالخصوص اس طرح کے اہم معاملات میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔“ (میزان، ص 31، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(15).....”قرآن کی دعوت اس کے پیش نظر جن مقدمات سے شروع ہوتی ہے، وہ یہ ہیں: (۱) دین فطرت کے خلاف (۲) سنت ابراہیم (۳) نبیوں کے صحائف۔“

(میزان، طبع دوم، ص 48، مطبوعہ اپریل 2002ء)

(16).....”معروف و منکر وہ باتیں (ہیں) جو انسانی فطرت میں خبر کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہیں اور وہ جن سے فطرت اباکرتی اور انھیں برائحتی ہے انسان ابتدا

ہی سے معروف و مکر، دنوں کو پورے شعور کے ساتھ بالکل الگ الگ پہچانتا ہے۔“

(میران، ج 49، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(17).....”کسی کو کافر قرار دینا ایک قانونی معاملہ ہے۔ پیغمبر اپنے الہامی علم کی بنیاد پر کسی گروہ کی تحریک کرتا ہے..... یہ حیثیت اب کسی کو حاصل نہیں۔“

(ماہنامہ اشراق، دسمبر 2000ء، ج 54، ص 55)

(18).....”امام غلطی کرے اور اس پر خود متنبہ نہ ہو تو مفتی اسے متنبہ کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ ” سبحان اللہ“ کہیں گے۔ عورتیں اپنی آواز بلند کرنا پسند نہ کریں تو نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ مار کر متنبہ کر دیں۔“

(قانون عبادات، ج 84، مطبوعہ اپریل 2005ء)

(19).....”ریاست اگر چاہے تو حالات کی رعایت سے کسی چیز کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دے سکتی اور جن چیزوں سے زکوٰۃ وصول کرے، ان کے لیے عام دستور کے مطابق کوئی نصاب بھی مقرر کر سکتی ہے۔“ (قانون عبادات، ج 119، طبع اپریل 2005ء)

(21).....”نی ہاشم کے فقراء و مساکین کی ضرورتیں بھی زکوٰۃ کے اموال سے اب بغیر کسی تردود کے پوری کی جاسکتی ہیں۔“ (قانون عبادات، ج 119، طبع اپریل 2005ء)

(22).....(ل) ”ان دو جرائم (قتل نفس اور فساد فی الارض) کے سوا، فرد ہو یا حکومت، یہ حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی جان کے درپے ہو اور اسے قتل کر ڈالے۔“

(برہان، ج 143، طبع چہارم، جون 2006ء)

(ب) ”اللہ تعالیٰ نے پوری صراحةٰ کے ساتھ فرمایا ہے کہ ان دو جرائم (قتل نفس اور فساد فی الارض) کو چھوڑ کر، فرد ہو یا حکومت، یہ حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی جان کے درپے ہو اور اسے قتل کر ڈالے۔“

(میران، ج 283، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(23).....”چنانچہ اس (قرآن) نے اس (دین کے) معاملے میں ”معروف“ کی پیروی

کا حکم دیا ہے۔ قرآن کے اس حکم کے مطابق ہر معاشرہ اپنے ہی معروف کا پابند ہے۔ ہمارے معاشرے میں دیت کا کوئی قانون چونکہ پہلے سے موجود نہیں ہے، اس وجہ سے ہمارے ارباب حل و عقد کو اختیار ہے کہ چاہیں تو عرب کے اس دستور کو برقرار رکھیں اور چاہیں تو اس کی کوئی دوسری صورت تجویز کریں۔ وہ جو صورت بھی اختیار کریں گے، معاشرہ اسے قبول کر لیتا ہے تو ہمارے لیے وہی ”معروف“ قرار پائے گی۔” (برہان، ص 18، 19، طبع چارم، جون 2006ء)

(25، 24) ”اسلام نے دیت کی کسی خاص مقدار کا سزاہیش کے لیے تعین کیا ہے، نہ عورت اور مرد، غلام اور آزاد اور کافر اور مومن کی دینیوں میں کسی فرق کی پابندی ہمارے لیے لازم تھیہ رکھی ہے۔“ (برہان، ص 18، طبع چارم، جون 2006ء)

(26) ”لیکن فقهاء کی یہ رائے (کہ ہر مرد کی سزا قتل ہے) محل نظر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم (کہ جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کرو) تو بے شک ثابت ہے مگر ہمارے نزدیک یہ کوئی حکم عام نہ تھا، بلکہ صرف انہی لوگوں کے ساتھ خاص تھا جن میں آپ کی بعثت ہوئی اور جن کے لیے قرآن مجید میں اسمین یا مشرکین کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔“

(برہان، ص 140، طبع چارم، جون 2006ء)

(27) ”سورہ نور میں زنا کے عام مرکبین کے لیے ایک معین سزاہیش کے لیے مقرر کردی گئی زانی مرد ہو یا عورت، اس کا جرم اگر ثابت ہو جائے تو اس کی پاداش میں اسے سو کوڑے مارے جائیں گے۔“

(بیزان، ص 299، 300، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(28) ”قطع یہ کی یہ زاۤل بجزاءٍ بِمَا كَمْبَأَنَّكُلًا مِنَ اللَّهِ“ ہے۔ لہذا جرم کو دوسروں کے لیے عبرت بنادینے میں عمل اور پاداش عمل کی مناسبت جس طرح یہ تقاضا کرتی ہے کہ اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے، اسی طرح یہ تقاضا بھی کرتی ہے کہ اس کا

دایاں ہاتھ ہی کاٹتا جائے۔” (میران، ص 306، طبع دوم، اپریل 2006ء)

(29).....(ل) ”یہ بالکل قطعی ہے کہ حضور ﷺ نے اگر شراب نوشی کے مجرموں کو پڑوایا تو شارع کی حیثیت سے نہیں، بلکہ مسلمانوں کے حکمران کی حیثیت سے پڑوایا اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے بھی ان کے لیے چالیس کوڑے اور اتنی کوڑے کی یہ سزا میں اسی حیثیت سے مقرر کی ہیں۔ چنانچہ ہم پورے اطمینان کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی حد نہیں، بلکہ محض تعزیر ہے جسے مسلمانوں کا قلم اجتماعی، اگر چاہے تو برقرار رکھ سکتا ہے اور چاہے تو اپنے حالات کے لحاظ سے اس میں تغیر و تبدل کر سکتا ہے۔“

(برہان، ص 139، طبع چارم، جون 2006ء)

(ب) ”یہ (شراب نوشی پر اتنی کوڑوں کی سزا) شریعت ہرگز نہیں ہو سکتی۔“

(برہان، ص 138، طبع چارم، جون 2006ء)

(30).....”حدود کے جرائم ہوں یا ان کے علاوہ کسی جرم کی شہادت، ہمارے نزدیک یہ قاضی کی صوابدید پر ہے کہ وہ کس کی گواہی قبول کرتا ہے اور کس کی گواہی قبول نہیں کرتا۔ اس میں عورت اور مرد کی تخصیص نہیں ہے۔“

(برہان، ص 27، طبع چارم، جون 2006ء)

(31).....”نبی ﷺ نے اسی (قرابت نافع) کے پیش نظر جزیرہ نماۓ عرب کے مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے بارے میں فرمایا: ((لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ۔)) بخاری، رقم: ۶۷۶۴۔ ”نہ مسلمان ان میں سے کسی کافر کے وارث ہوں گے اور نہ یہ کافر کسی مسلمان کے۔“ یعنی اتمامِ جنت کے بعد جب یہ مشرکین حقِ خدا اور مسلمانوں کے کھلے دشمن بن کر سامنے آگئے ہیں تو اس کے لازمی نتیجے کے طور پر قربت کی منفعت بھی ان کے اور مسلمانوں کے درمیان ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ چنانچہ یہ اب آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہو سکتے۔“

(میران، ص 171، طبع دوم، اپریل 2002ء، لاہور)

(32)..... ”اولاد میں دو یادو سے زائد لڑکیاں ہی ہوں تو انھیں بچے ہوئے ترکے کا دو تہائی دیا جائے گا۔“ (میزان حصال، ص 70، طبع مئی 1985ء)

(ب) ”وہ سب (والدین اور زوجین کے حصے) لازماً پہلے دیے جائیں گے اور اس کے بعد جو کچھ بچے گا، صرف وہی اولاد میں تقسیم ہوگا۔ لڑکے اگر تہائی ہوں تو انھیں بھی یہی ملے گا اور لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو ان کے لیے بھی یہی قاعدہ ہوگا۔ اسی طرح میت کی اولاد میں اگر تہائی لڑکیاں ہی ہوں تو انھیں بھی اس بچے ہوئے ترکے ہی کا دو تہائی یا آ دھا دیا جائے گا، ان کے حصے پورے ترکے میں سے کسی حال میں ادا نہ ہوں گے۔“ (میزان، ص 168، طبع اپریل 2002ء)

(33)..... ”آن علاقوں میں جہاں سور کا گوشت بطور خوارک استعمال نہیں کیا جاتا، وہاں اس کی کھال اور دوسرے جسمانی اجزاء کو تجارت اور دوسرے مقاصد کے لیے استعمال کرنا منوع قرار نہیں دیا جاسکتا۔“ (ماہنامہ اشراق، شمارہ اکتوبر 1998ء، ص 79)

(ب) ”یہ سب چیزیں (خون، مردار، سور کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبح) جس طرح کہ قرآن کی ان آیات سے واضح ہے، صرف خورد و نوش کے لیے حرام ہیں۔ رہے ان کے دوسرے استعمالات تو وہ بالکل جائز ہیں۔“

(میزان، ص 320، طبع دوم، اپریل 2002ء)

(34)..... ”دو پٹھہ ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے، اس بارے میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ دو پٹھے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے، اس کا کوئی جواز نہیں۔“

(ماہنامہ اشراق، شمارہ مئی 2002ء، ص 47)

(35)..... ”اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ذریعے اسے (انسان کو) بتایا کہ سور، خون، مردار اور خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور بھی کھانے کے لیے پاک نہیں ہیں اور انسان کو ان سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اس معاملے میں شریعت کا موضوع اصلًا یہ چار ہی چیزیں ہیں۔ قرآن نے بعض جگہ: ﴿ قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ ﴾

اور بعض جگہ «ائماً» کے الفاظ میں پورے حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف یہی چار چیزیں حرام قرار دی ہیں۔“

(میران، ص 311، بیان، 31 اپریل 2002ء)

(36).....”اللہ تعالیٰ ان (رسولوں) کو کسی حال میں ان کی تکذیب کرنے والوں کے حوالے نہیں کرتا۔ نبیوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی قوم ان کی تکذیب ہی نہیں کرتی، بارہا ان کے قتل کے درپے ہو جاتی ہے اور ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہو جاتی ہے..... لیکن قرآن ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں کے معاملے میں اللہ کا قانون مختلف ہے۔“ (میران، حصہ اول، ص 21، مطبوعہ 1985ء)

(37).....(ا) ”حضرت مسیح علیہ السلام کو یہود نے صلیب پر چڑھانے کا فیصلہ کر لیا تو فرشتوں نے ان کی روح ہی قبض نہیں کی، ان کا جسم بھی آٹھا لے گئے کہ مبادا یہ سر پھری قوم اس کی توہین کرے۔“ (میران حصہ اول، ص 22، مطبوعہ 1985ء)

(ب) مسیح علیہ السلام کو جسم و روح کے ساتھ قبض کر لینے کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا: جب اللہ نے کہا، اے عیسیٰ، میں تجھے قبض کر لینے والا ہوں.....“

(میران، حصہ اول، صفحہ 23، 24، مطبوعہ 1985ء)

(38).....”ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ نبی ﷺ نے قیامت کے قریب یا جو ج ماجونج ہی کے خروج کو دجال سے تعبیر کیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یا جو ج ماجونج کی اولاد یہ مغربی اقوام، عظیم فریب پرمنی فکر و فلسفہ کی علم بردار ہیں اور اسی سب سے نبی کریم ﷺ نے انھیں دجال (عظیم فریب کار) قرار دیا ہے۔ روایات میں دجال کی ایک صفت یہ بھی بیان ہوئی ہے کہ اس کی ایک آنکھ خراب ہوگی۔ یہ بھی درحقیقت مغربی اقوام کی انسان کے روحاں پہلو سے پہلو تھی اور صرف مادی پہلو کی جانب جھکاؤ کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح مغرب کی طرف سے سورج کا طلوع ہونا بھی

غائب امریکی اقوام کے سیاسی عروج ہی کے لیے کنا یہ ہے۔“

(ماہنامہ "اشراق" شمارہ جنوری 1996ء، ص 61)

(39)....."انھیں (نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کو) قاتل کا جو حکم دیا گیا، اس کا تعلق شریعت سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ اتمامِ جدت سے ہے۔"

(میران، ص 264، طبع اپریل 2002ء، لاہور)

(40)....."یہ بالکل قطعی ہے کہ منکرین حق (کافروں) کے خلاف جنگ اور اس کے نتیجے میں مفتوحین پر جزیہ عائد کر کے انھیں حکوم اور زبردست بنا کر رکھنے کا حق اب ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔" (میران، ص 270، طبع اپریل 2002ء، لاہور)



جاوید غامدی صاحب کے چند مزید عقائد و نظریات (زبانی و تحریری)

(1) عورت مردوں کی امامت کر سکتی ہے:

(ماہنامہ اشراق، سی 2005، ص 35-46)

(2) عورت نکاح خواں بن سکتی ہے:

غامدی صاحب نے، اس سوال کے جواب میں کہ کیا کوئی عورت نکاح پڑھا سکتی ہے؟
ارشاد فرمایا:

”جی ہاں! بالکل پڑھا سکتی ہے.....“ (WWW.gamidi.org)

(3) مرد اور عورت میں برابر کھڑے ہو کر باجماعت یا انفرادی دونوں طرح سے نماز
ادا کر سکتے ہیں:

غامدی صاحب کے ایک شاگرد سکالر سے سوال کیا گیا، کیا مرد اور عورت اکٹھے کھڑے
ہو کر باجماعت نماز ادا کر سکتے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ:

”مرد اور عورت کھڑے ہو کر جماعت یا انفرادی، دونوں طرح سے نماز ادا کر
سکتے ہیں۔ اس سے دونوں کی نماز میں کوئی نقص واقع نہیں ہوتا۔“

(www.urdu.understanding.islam.org)

(4) اپنی مردوں کے سامنے عورت بغیر چادر اوڑھے یا بغیر دوپٹہ یا اوڑھنی سر پر
لیے آ جاسکتی ہے:

(5) گانا بجانا اور موسیقی جائز ہے:

ماہنامہ ”اشراق“ کے نائب مدیر سید منظور الحسن اپنے مضمون ”اسلام اور موسیقی“ جو

جاوید غامدی کے افادات پر ہی ہے، میں لکھتے ہیں:
 ”موسیقی انسانی فطرت کا جائز اظہار ہے، اس لیے اس کے مباح ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔“

ماہر فن مخفیہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا گانا سنانے کی خواہش ظاہر کی تو آپ ﷺ نے سیدہ عائشہؓ کو اس کا گانا سنوایا، سیدہ عائشہؓ حضور کے شانے پر سر رکھ کر بہت دیر تک گانا سنتی اور رقص دیکھتی رہیں۔“ (مہتمم اشراق، شمارہ مارچ 2004، ص 19، 20)

(6).....جاندار چیزوں کی تصویریں بنانا جائز ہے:

غامدی صاحب کے ادارہ ”المورڈ“ کے ریسرچ سکالر جناب محمد رفیق مفتی اپنی کتاب ”تصویر کا مسئلہ“ میں لکھتے ہیں کہ:
 ”لیکن فی نفس تصویر کے بارے میں کسی اعتراض کی کیونکر محجاش ہو سکتی ہے، جب کہ خدا اور اس کے رسولؐ نے انہیں جائز رکھا ہو۔“

(تصویر کا مسئلہ، ص 30)

(7).....مردوں کے لیے داڑھی رکھنا دین کی رو سے ضروری نہیں:
 غامدی صاحب کے ادارہ ”المورڈ“ نہیں کے ایک ریسرچ سکالر لکھتے ہیں:
 ”عام طور پر اہل علم داڑھی رکھنا دینی لحاظ سے ضروری قرار دیتے ہیں، تاہم ہمارے نزدیک داڑھی رکھنے کا حکم دین میں کہیں بیان نہیں ہوا، لہذا دین کی رو سے داڑھی رکھنا ضروری نہیں۔“

(www.urdu.understandign.islam.org)

(8).....ہندو مشرک نہیں ہیں:
 غامدی صاحب کے ایک شاگرد ”کیا ہندو مشرک ہیں؟“ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

”ہمارے نزدیک مشرک وہ شخص ہے جس نے شرک کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد بھی شرک ہی کو بطور دین اپنارکھا ہو۔ چونکہ اب کسی ہندو کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے شرک کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد بھی شرک ہی کو بطور دین اپنارکھا ہے، لہذا اسے مشرک نہیں قرار دیا جاسکتا۔“

(www.urdu.understandign.islam.org)

(9).....مسلمان لڑکی کی شادی ہندوؤں کے سے جائز ہے:

حلقہ غامدی کے ایک صاحب لکھتے ہیں کہ:

”ہماری رائے میں غیر مسلم کے ساتھ شادی کو منوع یا حرام قرار نہیں دیا جاسکتا۔“

(www.urdu.understandign.islam.org)

(10).....ہم جنس پرستی ایک فطری چیز ہے، اس لیے جائز ہے:

”المورڈ“ کے انگریزی مجلہ ”رینی ساں“ کے شمارہ اگسٹ 2005ء میں اس موضوع پر ایک مکمل مضمون موجود ہے۔

(11).....اگر بغیر سود کے قرضہ نہ ملتا ہو تو سود پر قرضہ لے کر گھر بنانا جائز اور حلال ہے:

(12).....قیامت کے قریب کوئی امام مہدی نہیں آئے گا:

(حوالہ: ماہنامہ اشراق، جنوری 1996ء، ص 60)

(13).....امریکہ افغانستان اور عراق پر حملہ کرنے میں حق بجانب ہے:

(انٹرویو ”زندگی“)

(14).....اسامہ بن لاوی اور ملا عمر دونوں انتہا پسند اور دہشت گرد ہیں۔ اور ان کا جہاد کا موقف شرعی طور پر درست نہیں:

(15).....مسجد اقصیٰ پر مسلمانوں کا نہیں، اس پر صرف یہودیوں کا حق ہے:

(لاحظہ: اشراق جولائی، اگسٹ 2003ء اور اشراق سی، جون 2004ء)

(16).....تصوف اسلام سے الگ ایک متوازی دین ہے:

”تصوف فی الواقع ایک متوازی دین ہے جسے دین خداوندی کی روح اور حقیقت کے نام سے اس امت میں رانج کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔“

(برہان، ص 188، ٹیک جون 2006ء)

(17)..... مسلمانوں کے تمام صوفیاء غیر مسلم ہیں:
غامدی صاحب کے اس فتوے کے بعد کہ:

”تصوف فی الواقع ایک متوازی دین ہے۔“ (برہان، ص 188، ٹیک جون 2006ء)

امت مسلمہ کے تمام صوفیاء کرام دین اسلام سے خارج، کافر اور غیر مسلم قرار پاتے ہیں۔

(18)..... شمالی افریقی کے مسلم ممالک (مراکش، الجزاير، تیونس، اور لیبیا وغیرہ) کے مسلمان اصلی قرآن مجید کو چھوڑنے کی وجہ سے غیر مسلم ہو چکے ہیں کیونکہ وہ قراءت ورش اختیار کرنے اور قراءت عامہ ”قراءت حفص“ کو چھوڑنے کے مرتكب ہو کر قرآن کے منکر ہو چکے ہیں الہذا وہ سب کافر ہیں:

غامدی صاحب کا فتویٰ یہ ہے کہ:

”قرآن صرف وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے، اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر دنیا میں امت مسلمہ کی عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے۔ یہ تلاوت جس قراءت کے مطابق کی جاتی ہے، اس کے سوا کوئی دوسری قراءت نہ قرآن ہے اور نہ اسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جاسکتا ہے۔“

(بیزان، ص 25، 26، ٹیک دسمبر، اپریل 2002ء)

(19)..... اقامت دین یعنی دین کو قائم کرنے اور دین شریعت کا نفاذ کرنے کا کوئی شرعی حکم موجود نہیں ہے: (برہان، ص 147، ٹیک جون 2006ء)

(20)..... افغانستان اور عراق میں خودکش حملے جائز نہیں ہیں:

(اشراف، شمارہ اپریل 2003، ص 41، 42)



غامدیات

(غامدی صاحب کا مظاوم تعارف)

1۔ غامدی نامہ

تحریر تیری ، ساحری ویسے تو ہے لکھنے زلی	تقریر تیری ، ساحری کیا خوب تیری شاعری
--	--

جاوید احمد غامدی

ٹی وی کا دانش درجی ہے اے منکر وحی خنفی!	کونسل کا تو ممبر بھی ہے اندر بھی ہے، باہر بھی ہے
--	---

جاوید احمد غامدی

کرتے گئے تجھ سے خدر ہے بے مردست آدمی	کتنے ہی تیرے ہم سفر جس کا سبب یہ تھا مگر
---	---

جاوید احمد غامدی

تحا سامنے قرآل دھرا پائی نئی پھر روشنی	جب جھوٹ مسجد میں کہا یوں تو 'جماعت' سے گیا
---	---

جاوید احمد غامدی

اجماعِ امت بھی غلط؟
مرتد کی حد ساقط ہوئی
سبعہ قراءت بھی غلط؟

جاوید احمد غامدی

تصویر زندہ کی درست؟
رقص اور موسیقی درست؟
خُسْمَ کے معنی درست؟
کیا مرچکے عیسیٰ نہیں!

جاوید احمد غامدی

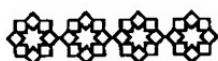
اے ناقد حکمِ جہاد
تاویل باطل کا فساد
اے بش، بلیز کی مراد
پرویز و مرزا کی کڑی

جاوید احمد غامدی

اے منکرِ شرعِ متین!
اے حامیِ اعدائے دین!
تو از کجا برآمدی؟
روشن خیالی را گزین!

جاوید احمد غامدی

أَنْكَرْتَ حَدَّ الْمُرْتَدِ
بَذَلْتَ دِينَ أَخْمَدَ
لَا تَضْلُحُ، لَا تَهْتَدِي
أَنْتَ كَضَالٌ مُّلِحَّدٌ
الْغَامِدِيُّ الْغَامِدِيُّ



2-غزل

رباپ نامدی میں ہے وہی آہنگ پرویزی
 وہی ذوق تجدہ، ترک سنت، فتنہ انگیزی
 بھروسہ کرنہیں سکتے کبھی دلش فروشوں پر
 سکھاتے ہیں مسلمان کو جو امت سے کم آمیزی
 ہمیشہ بولتے ہیں دشمنانِ دین کی بولی
 جہاد غوری و محمود کو کہتے ہیں خون ریزی
 چن میں نظم لاتے ہیں وہ مصنوعی طریقے سے
 گھٹادیتے ہیں جس سے حسن فطرت کی دل آؤیزی
 پرے ہے سرحدِ ادراک سے جریل کی دنیا
 جہاں بے کار ہو جاتی ہے اُسپ عقل کی تیزی
 یہ دین حق خود اک طوفانِ عالمگیر ہے جس کو
 ڈراستی نہیں باطل کی موجودوں کی بلا خیزی
 رفیق اُن سے توقع خیر کی ہم کو نہیں ہرگز
 سیاست جن کی لادینی، قیادت جن کی چنگیزی



3۔ تضمین بر شعر اقبال

یہ خلل دماغ کا ہے یا کسی کی مہرہ بازی
 کہ مصوری ہے جائز، ہے حلال نے نوازی
 وہ تو بات غیر کی تھی جو تیری زبان سے نکلی
 کہ اسامہ اور ملا نہ مجاہد ہیں نہ عازی
 یہ کڑا ہے وقت مانا، مگر اس قدر نہیں ہے
 کہ جوغز نوی ہے اُس کو بھی سکھائے تو ایازی
 یہ "شراقيوں" سے کہہ دو کہ رہے گی تا قیامت
 وہ محمدی شریعت کہ نہیں فقط حجازی
 یہ ترا عجیب دعویٰ کہ جو دین تو نے سمجھا
 نہ سمجھ سکا تھا اس کو کوئی شافعی، نہ رازی
 یہ ترا اصول باطل کہ حدیث دیں نہیں ہے
 ہے خسارا ہی خسارا، یہ نبی سے بے نیازی
 نہ کوئی اصول تیرا، نہ کوئی رفق مذہب
 ہے کبھی سخن طرازی، ہے کبھی زبان درازی
 تو بدل گیا تو بہتر کہ بدل گئی شریعت
 کہ موافق ڈرزاں نہیں دین شاہبازی

4۔ صاحب اشراق کے اسرار و رموز

صاحب اشراق کے کھلتے ہیں اسرار و رموز

کشور پنجاب میں وہ روحِ مرزا کا بروز

رقص و موسیقی ہوئے اُس کی شریعت میں حلال

ہے حرام اس دور میں کفار سے جنگ و قتال

ہو چکی اُس کی نظر میں ابن مریمؐ کی وفات

اور افسانہ کہ ان سے کھائے گا دجال مات

اُس کی ہر لفظ میں مذہب کی تاویلات دیکھو

رشته الفاظ میں اُبھی ہوئی ہر بات دیکھو

بندہ خُ کو سکھاتا ہے غلامی کے طریق

اہل حق سے ہے جدا، وہ اہل باطل کا رفیق

قرب حاصل ہے اُسے سرکار کے دربار میں

ہے مگر خود جنس ارزال وقت کے بازار میں

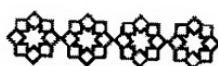
آج وہ ہے لشکر آغا کے دل کی آرزو

رنگ لائے گا مگر اپنے شہیدوں کا لہو

اس کے مے خانے میں ہے کسی کرامت کا ظہور
جامِ مشرق لاتا ہے مغرب کی صہبا کا سرور

نغمہ بے سوز پوشیدہ ہے اس کے ساز میں
غیر کا مطلب ہے پہاں اُس کی ہر آواز میں
اس کے نظم باطنی سے پیدا بد نظری ہوئی
اور قرآن کو سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی

‘غامدیت’ دین کی راہوں میں کج بینی کا نام
‘غامدیت’ دین کے پردے میں بے دینی کا نام
جس میں ہے بونے تجدُّد، دین کا انکار بھی
پائے جاتے ہیں رُقیق الحاد کے آثار بھی



جاوید احمد غامدی کا منہ سب یہ ہے کہ

- ★ قرآن کی صرف ایک تراءت درست ہے باقی سب قراءتیں حکم کافته ہیں۔
- ★ سنت قرآن سے مقدم ہے۔
- ★ سنت صرف ستائیں (27) اعمال کا نام ہے۔
- ★ حدیث سے کوئی عقیدہ یا عمل ثابت نہیں ہوتا۔
- ★ معروف اور مکر کا تعین وحی نہیں بلکہ انسانی فطرت کرتی ہے۔
- ★ نبی ﷺ کی وفات کے بعد کسی شخص کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔
- ★ موسیقی اور گناہ جانابالکل جائز ہے۔
- ★ مرتد کی سزا قتل نہیں ہے۔
- ★ شادی شدہ زانی کے لیے صرف سوکوڑوں کی سزا ہے۔
- ★ شراب نوشی پر کوئی شرعی سزا نہیں ہے۔
- ★ غیر مسلم بھی مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے۔
- ★ کھانے کی صرف چار چیزیں حرام ہیں: خون، مردار، سُور کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبح۔
- ★ عورت کے لیے دو پیٹہ یا اور ٹھنی پہننا کوئی شرعی حکم نہیں۔
- ★ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔
- ★ کفار کے خلاف جہاد و قتال کا شرعی حکم باقی نہیں ہے۔

ان سب کے حوالہ جات اور مزید
تفصیلات کے لیے کتاب ہذا کا مطالعہ کیجیے۔

مِكْتَبَةُ قَلْنَدِيَّاتِ الْهُوَدِ

یوسف مارکیٹ غزنی سڑیٹ اردو بازار لاہور
0321-7724032 , 0333-4399812